مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صحافت

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری



مولانا ابو الکلام آزادؒ کی صحافت

مُصنّف

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان

کراچی

سلسلۂ مطبوعات آزاد صدی عنا

مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

ناشر

ادارۂ تصنیف و تحقیق پاکستان

علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱

طابع

المخزن پرنٹرز۔ پاکستان چوک۔ کراچی ۱

اشاعت

۱۹۸۹ء

قیمت ۶۰/- روپے

ملنے کا پتہ

(۱)

مکتبہ شاہد

علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱

(۲)

مکتبہ رشیدیہ

قاری منزل۔ مرار اسٹریٹ۔ پاکستان چوک

کراچی ۱

بہ تقریب

صد سالہ یوم پیدائش

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

وطن آبائی

دہلی مرحوم (پنڈت کا کوچہ)

سلام علی نجد، ومن حل بالنجد

وطن مادری، مدینہ طیبہ

دارم دلے گرداں کہ من قبلہ نما می خوانمش ۔ رو سوئے ابروئش کند ہر چند می گردانمش

ولادت باسعادت

ذوالحجہ ۱۳۰۵ھ مطابق اگست ۱۸۸۸ء

بمقام مکہ معظمہ زاد اللہ شرفا و کرامۃ، محلہ قدوۃ، متصل باب السلام

بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم

وفاتِ حسرت آیات

۲ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء بروز ہفتہ

بہ مقام دہلی (دارالحکومت ہند)

آزاد نیشنل کمیٹی، پاکستان

فہرست

دیباچہ

صحافت، مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمات کا بہت بڑا میدان ہے۔ اس میدان میں ان کی بہترین ذہنی وفکری صلاحیتوں کا اظہار ہوا ہے۔ ان کے مطالعہ ونظر کی گہرائیوں کی کیفیات اور مختلف علوم وفنون سے ان کی دل چسپی اور ان میں ان کے علم وبصیرت کا واقعی اندازہ ان کی صحافت سے ہوتا ہے۔

ان کی صحافت ایک آئینہ خانہ ہے، جس کا ہر پہلو اپنے اندر ایک الگ رنگینی اور دل کشی کے مختلف انداز رکھتا ہے۔ ان کی تصنیفات —— تذکرہ، جامع الشواہد، مسئلہ خلافت، ترجمان القرآن، غبارِ خاطر، ان کی علمی، ادبی اور مذہبی شخصیت اور ان میدانوں میں ان کے کمالات کے الگ الگ رُخ پیش کرتی ہیں۔ لیکن ان کے صحیفۂ الہلال کا ایک ایک صفحہ ان کی مختلف الجہات علمی شخصیت اور ان کے ذہنی وفکری کمالات کی داستان بیان کرتا ہے۔ کم از کم الہلال کے جتنے کالم تھے، وہ گویا مولانا آزاد کی علمی، ادبی، مذہبی فنی زندگی کے مختلف پہلو تھے۔ ان کے مطالعے سے مولانا کے تبحرِ علمی اور ان کے ذوق ونظر کے نئے نئے گوشے سامنے آتے ہیں، جن کی جلوہ سامانیاں عقل کو مبہوت کر دیتی ہیں۔

مولانا آزاد اور ان کے صحیفۂ الہلال کو اگر ہم صحافت کے عام اصول وفن کی کسوٹی پر جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کریں گے تو یہ نہ صرف اُن کے ساتھ ظلم ہوگا بلکہ یہ اپنے ذوق کے حوالے سے بھی انصاف سے بعید ہوگا اور اس طرح ہم کسی اور کے ذہن پر کوئی اچھا تاثر نہ چھوڑیں گے۔

مولانا آزاد کو الہلال کے مقامِ صحافت تک پہنچنے میں بارہ سال سے زیادہ تجربات ومجاہدات کی آزمائشوں اور مطالعے اور مشاہدے کی کٹھنائیوں سے گزرنا پڑا تھا۔ ان آزمائشوں سے گزرتے ہوئے انھوں نے پیشہ وارانہ صحافت اور تقلیدِ فن کے مقام کو

بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ الہلال کا آغاز انھوں نے ایک مجتہد فن کی حیثیت سے کیا تھا۔ الہلال کا وجود ہر اعتبار سے اردو صحافت میں ایک انقلاب تھا۔ وہ ایک جامع علوم و فنون صحیفہ تھا اور اپنے ظاہر و باطن اور جسم و روح، ہر اعتبار سے اُردو صحافت میں ایک بالکل نئی چیز تھا۔ اس نے نہ صرف صحافت میں بلکہ مذہب میں، تاریخ میں، ادب میں، سیاست میں اپنی راہ خود بنائی، اور اپنا نام اور اپنا مقام پیدا کیا، اور اپنے نام اور اپنے کام کو دوسروں کے لیے بہ طور نمونہ و معیار چھوڑ گیا۔

الہلال کا پہلا پرچہ ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء کو نکلا تھا، اور آخری پرچہ ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو شائع ہوا تھا۔ پھر ایک سال کے وقفے کے بعد البلاغ کے نام سے ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء سے نکلنا شروع ہوا، اور ۳ر اپریل ۱۹۱۶ء کو بند ہوگیا۔ ۱۹۲۷ء میں اس کا احیا کیا گیا، لیکن اس کے دَور میں مولانا آزاد اس پر پوری توجہ نہ دے سکے۔ اس زمانے میں انھوں نے بہت کم لکھا، اور مشوروں اور ہدایتوں سے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی رہنمائی فرماتے رہے۔ بلا شبہ ۱۹۲۷ء کا الہلال بھی مولانا آزاد کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے، لیکن مولانا کی صحافیانہ عظمت کا جس چیز پر دار و مدار ہے، جہاں مولانا نے بذاتِ خود کارنامے انجام دیے ہیں اور صحافت، سیاست، ادب، تاریخ، مذہب اور اس کے علوم و معارف کے میدانوں میں اپنی مجتہدانہ نظر و بصیرت کے جھنڈے گاڑے ہیں اور ایک عالَم نے جس کی بدولت ان کے فضائل علمی کا اعتراف کیا ہے، وہ ان کی الہلالی صحافت کا دَورِ اوّلین (۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء) ہے۔

مولانا آزاد کی صحافت کا یہ دَور صرف دو سال نو ماہ کی مدت پر محیط ہے۔ صحافت کے میدان میں یا ملک کی مذہبی، سیاسی زندگی میں کسی ذہنی و فکری انقلاب کے لیے یہ مدت بہت مختصر ہے۔ لیکن مولانا اس مختصر مدت ہی میں وہ انقلاب برپا کرنے سے فارغ ہو چکے تھے جو دوسرے لوگ قرنوں میں برپا کرتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ الہلال نے یہ کارنامہ اسی مختصر مدت میں کر دکھایا جو ایک طویل عرصے کی جد و جہد کے بعد متوقع ہو سکتا تھا۔

مولانا آزاد کی صحافت، اور اس میدان میں ان کی خدمات کے تذکرے میں بے شمار مقالے لکھے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابھی ایک بھی نہیں لکھا گیا! اس موضوع پر جس دیدہ ریزی، غور و فکر، تحقیق و جامعیت کے ساتھ اس کے اثرات اور انقلابات کے تمام دائروں کا احاطہ کرتے ہوئے کام کیا جانا چاہیے تھا، کہنا چاہیے کہ ابھی اس کا آغاز بھی نہیں ہوا، لیکن کیا اس بات کی توقع ہے کہ آیندہ اس کام کا قرار واقعی حق ادا کرنے کے لیے کوئی اہل علم عازم سفر ہو؟ میں اس معاملے میں کچھ زیادہ پُر امید نہیں!

۱۔ میرا خیال ہے کہ ادیبوں اور انشا پردازوں کا یہ میدان نہیں۔

۲۔ اصحابِ علم کسی صحیفے یا کسی شخص یا کسی خاص دَور کی صحافت کو موضوعِ تحقیق بنانا، اپنی شان سے بعید خیال فرمائیں گے۔

۳۔ آج کل کے صحافیوں میں ایسے کم ہی لوگ نکلیں گے جو مولانا آزاد کی عبارت کی چند سطریں بھی صحت کے ساتھ پڑھ سکیں۔

۴۔ صحافت کے وہ اصحابِ علم و فن جو جامعات میں داد تدریس دیتے نظر آتے ہیں، ان میں سے بیشتر پاکستان سے ہندوستان تک، طلبہ سے اپنے علم و فضل کا خراج وصول کرتے ہیں یا محدود دائروں میں دادِ تالیف دیتے ہیں۔

۵۔ محققین کی ایک خاص قسم اور بھی ہے۔ یہ قسم یونیورسٹیوں میں مصروف تحقیق نظر آتی ہے، لیکن نہ ان کی فکر میں بلندی، نہ نظر میں گہرائی، نہ عزم میں پختگی، نہ محنت کی عادت، نقطۂ نظر ناقص، دائرہ کار محدود اور مقصد صرف ڈگری کا حصول ہوتا ہے۔ وہ تحقیق میں مفروضات سے کام لیتے، اور نتائج تحقیق کو خیال آرائی کی مدد سے مرتب فرماتے ہیں۔

ان حالات میں کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ مولانا آزاد کی صحافت، اس کے خصائص و کمالات اور اس کے اثرات و فیضان پر کوئی جامع و معیاری کام اور اعلیٰ تحقیق کا کوئی شاہ کار وجود میں آئے گا۔ لیکن امکان کو ہر حال میں نظر انداز نہیں کر دیا جا سکتا۔ کوئی کارنامہ کسی وقت بھی انجام دیا جا سکتا ہے، اور کوئی شاہ کار بھی وجود میں آ سکتا ہے۔ خواہ اس

میں وقت لگے خواہ یہ کام الگ الگ مختلف حضرات انجام دیں، اور مولانا آزاد کے اصل کارنامے پر قلم اٹھانے والا کوئی اور صاحب علم و نظر ہو۔

میرے اندازے کے مطابق مولانا آزاد کے صحافتی کارنامے پر آیندہ جو کام الگ الگ حصوں میں انجام پائیں گے، انھی میں سے ایک یہ کام ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں اسے کسی اہم کام اور کارنامے کی حیثیت سے پیش نہیں کرتا۔ یہ اس موضوع پر ایک ابتدائی کام ہے۔ لیکن اس میں بعض خوبیاں ہیں اور افادیت کا حامل بھی ہے۔ اس میں مولانا آزاد کی صحافت کے بارے میں تاریخی اور ضروری معلومات ہیں، اور مولانا کے کارنامۂ صحافت پر تبصرہ اور ان کی خدمات کے مختلف پہلوؤں کا تعارف بھی ہے۔

مولانا آزاد کی صحافت کے تاریخی سفر کے تعارف اور تبصرے کے ساتھ، ان کے بعض رسائل لسان الصدق (۵-۱۹۰۳ء)، البلاغ (۱۶-۱۹۱۵ء)، پیغام (۱۹۲۱ء)، الجامعہ (۲۴-۱۹۲۳ء) اور الہلال (۱۹۲۷ء) کے اشاریے بھی شامل ہیں۔ اس میں الہلال دورِ اوّل (۱۴-۱۹۱۲ء) کا اشاریہ بھی شامل ہونا چاہیے تھا۔ لیکن الہلال چوں کہ پاکستان میں (عکسی) چھپ گیا ہے اور اب اہلِ علم کی دسترس سے باہر نہیں رہا۔ عام طور پر اہل علم کے پاس یا کتب خانوں میں دستیاب ہے۔ مولانا کے دیگر رسائل لسان الصدق، البلاغ، پیغام، الجامعہ اور الہلال (۱۹۲۷ء) اب بھی نایاب ہیں، اور ہر صاحبِ ذوق کی دسترس میں نہیں[۱]۔ اس لیے ان کے مندرجات سے واقفیت کے لیے اشاریوں کی تدوین و شمولیت یقیناً ایک مفید عمل قرار پائے گی۔

ابوسلمان شاہجہان پوری

۸ ستمبر ۱۹۸۹ء

---

[۱] میرے اس کام کی تکمیل کے دوران میں لسان الصدق (نئی کتابت میں) دہلی سے شائع ہو گیا ہے، پیغام خاکسار کی سعی تدوین سے پاکستان (آزاد نیشنل کمیٹی) اور بھارت (خدا بخش اورنٹیل پبلک لائبریری، پٹنہ) سے عکسی شائع ہو گیا ہے، لسان الصدق کی عکسی اشاعت بھی خاکسار کے پیش نظر ہے۔ البلاغ (۱۶-۱۹۱۵ء) اور الہلال (۱۹۲۷ء) کی اشاعت بھی، الہلال (۱۴-۱۹۱۲ء) کے ساتھ اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ کے زیر اہتمام عمل میں آچکی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ الہلال کی اشاریہ سازی میں کشمیر کے کوئی صاحب مصروف ہیں۔ یہ اشاریہ چھپ جائے تو علمی تحقیقی کام کی ایک بنیادی ضرورت پوری ہو جائے گی۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صحافت

(پہلی نظر)

صحافت کے میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد نے مختلف حیثیتوں سے کام کیا ہے:

۱۔ بعض جرائد ان کی ملکیت تھے، اور انھوں نے ان کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔

۲۔ بعض جرائد ان کی ملکیت میں ضرور تھے لیکن ادارتی کاموں کی ذمہ داری دوسروں کی تھی۔

۳۔ بعض اخبارات مولانا کی نگرانی میں تھے لیکن مولانا کا ان سے مالکانہ و مدیرانہ تعلق نہ تھا۔

۴۔ بعض رسائل کے وہ نہ مالک تھے، نہ مدیر لیکن ادارتی کاموں کی ذمہ داری انھوں نے سنبھال رکھی تھی۔

۵۔ بعض رسائل کے مولانا مدیر تھے لیکن مولانا ان کے مالک نہ تھے۔

۶۔ ایک رسالے کے وہ وقتی یا مہمان مدیر ہوگئے تھے۔

۷۔ بعض رسائل میں انھوں نے نائب مدیر کی حیثیت سے کام کیا تھا۔

ان گوناگوں حیثیتوں میں کام کرنے کی وجہ سے مولانا کو اخبارات کے ہر طرح کے کاموں کا تجربہ ہوگیا تھا، اور ان چیزوں نے انھیں ایک کامیاب صحافی بنانے میں بہت مدد کی تھی۔ مناسب ہوگا کہ مولانا کی ان مختلف حیثیتوں کے مطابق اخبارات کی تقسیم پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

۱۔ ایسے جرائد جو مولانا آزاد کی ادارت میں نکلے، اور ان کے مالکانہ حقوق بھی مولانا کو حاصل تھے، نیرنگ عالم، المصباح، لسان الصدق اور الہلال و البلاغ ہیں:

الف : نیرنگ عالم۔ کلکتہ؛ یہ ایک گل دستہ تھا جو مولانا نے شاعری کی تکمیل کے شوق میں خود ہی نکالا تھا اور وہ خود ہی اس کے ایڈیٹر تھے۔

ب : المصباح۔ کلکتہ؛ شاعری کے بعد مولانا کو مضمون نگاری کا شوق ہوا تو اس شوق کی تکمیل کا ایک لازمہ سمجھ کر المصباح جاری کیا۔ مولانا ہی اس کے مالک تھے، اور وہی اس کے مدیر بھی تھے۔

ج : لسان الصدق۔ کلکتہ؛ یہ ایک علمی رسالہ تھا جو بعض دوستوں، خصوصاً مولوی محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی کے مشورے اور خصوصی تعاون سے جاری کیا گیا تھا۔ اگرچہ عملاً یہ مولانا آزاد کا ذاتی پرچہ تھا لیکن ذاتی انتفاع کے بجائے اجتماعی علمی مفاد کے تحت جاری ہوا تھا۔ رنجور مرحوم نے اس کی انتظامی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا تھا۔ مولانا آزاد اس کے مدیر مسئول تھے، اور انھی کی شخصیت اور افکار کی اس پر چھاپ لگی ہوئی تھی۔

د : الہلال۔ کلکتہ؛ الہلال مولانا آزاد کا ذاتی جریدہ تھا جو اسلام، ملّت اسلامیہ اور ملک و قوم کی خدمت کے جذبے کے تحت نکالا تھا۔ اس کا اپنا پریس تھا، انتظامی اور ادارتی عملہ تھا۔ ایک منظم ادارے کی حیثیت تھی۔ مولانا آزاد خود اس کے مدیر مسئول اور تمام کاموں کے نگراں اور ذمہ دار تھے۔

ہ : البلاغ۔ کلکتہ؛ البلاغ کو اس کی ملکیت، ادارت، کاموں کی نگرانی و ذمہ داری اور نظم و ضبط کے اعتبار سے الہلال سے الگ نہ سمجھنا چاہیے نام کی تبدیلی کے ساتھ وہ الہلال ہی تھا۔

۲۔ وہ جرائد جو مولانا آزاد کی ملکیت ضرور تھے، ضابطے کے مطابق ان کے ایڈیٹر بھی وہی تھے لیکن ان کی ادارت کی ذمہ داری دوسروں کے سپرد کردی تھی۔ وہ خود ان کی پالیسی کے نگراں تھے۔ ادارت اور انتظامی معاملات میں وہ ذمہ دار حضرات کو ہدایت فرمادیتے تھے۔

پیام اور الہلال (۱۹۲۷ء) اسی قسم کے اخبار تھے۔

الف: پیام ۔کلکتہ؛ پیام کے بارے میں واحد بیان مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کا ہے، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مولانا آزاد کا ذاتی اخبار تھا، وہی اس کے ایڈیٹر اور نگران تھے لیکن ادارتی امور کی انجام دہی مولانا ملیح آبادی کے سپرد تھی۔ مولانا بعض معاملات میں ہدایت فرما دیتے تھے، مداخلت نہیں کرتے تھے۔

ب: الہلال ۔کلکتہ؛ (۱۹۲۷ء) یہ بھی مولانا آزاد کا ذاتی صحیفہ تھا۔ ضابطے کے مطابق قانونی ایڈیٹر مولانا آزاد ہی تھے لیکن ادارت کے تمام کام مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی انجام دیتے تھے۔ مولانا آزاد اپنے مشوروں سے ان کی ہدایت فرما دیتے تھے۔

۳۔ وہ اخبار جو مولانا آزاد کی نگرانی میں جاری ہوئے تھے۔ مولانا اس کے ایڈیٹروں کو ہدایت فرماتے رہتے تھے، لیکن یہ اخبار نہ مولانا کی ملکیت تھے، اور نہ ضابطے کے مطابق وہ ان کے ایڈیٹر اور قانونی جواب دہ تھے۔ میرے خیال میں اقدام، پیغام اور الجامعہ کا تعلق اسی قسم کے اخبارات سے تھا۔

الف: اقدام ۔کلکتہ؛ یہ روزنامہ اخبار مولانا محی الدین قصوری کی ملکیت تھا، اور وہی اس کے ایڈیٹر تھے۔ چوں کہ قصوری خاندان کے تمام اکابر و اصاغر کے مولانا آزاد سے بہت قریبی تعلقات تھے، اور مولانا کے علم و فضل کے معترف اور معتقد تھے۔ کلکتہ سے اس کے اجرا کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا کو اس کی نگرانی میں سہولت ہو اور صبح و شام مولانا کی ہدایات حاصل کی جاسکیں۔ مولانا ہی نے اس اخبار کی پالیسی طے کی تھی، اور مولانا کی نگرانی ہی میں نکلتا تھا۔

ب: پیغام ۔کلکتہ؛ ہفت روزہ پیغام کے مالکانہ حقوق مرکزی خلافت کمیٹی کو حاصل

تھے۔ خلافت کمیٹی کے مقاصد کی تکمیل اور ترک موالات کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ اخبار کی پالیسی اور اس کے کاموں کی نگرانی مولانا ابوالکلام آزاد کے سپرد تھی، اور ادارت کی تمام ذمہ داری مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی تھی۔ مدیر (مولانا ملیح آبادی) اور نگران (مولانا آزاد) کی گرفتاری کے بعد اس کے ایک دو شمارے مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی نے شائع کیے تھے۔

ج۔ الجامعہ۔ کلکتہ: یہ عربی کا پندرہ روزہ جریدہ مرکزی خلافت کمیٹی کی ملکیت اور اسی کا ترجمان تھا۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اس کے مدیر تھے، اور مولانا ابوالکلام آزاد اس کی پالیسی کے نگراں تھے۔

۴۔ یہ دو رسالے تھے جو نہ تو مولانا آزاد کی ملکیت تھے، اور نہ مولانا ان کے ضابطے کے ایڈیٹر تھے۔ مالک و مدیر دوسرے تھے۔ مولانا آزاد نے شوقیہ طور پر ان کی ادارت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ اس ضمن میں تحفہ احمدیہ اور احسن الاخبار کا ذکر آنا چاہیے۔

الف: تحفہ احمدیہ کلکتہ: اس کے مالک اور ضابطے کے مدیر مولوی احمد حسن تھے جو پہلے کان پور سے تحفہ محمدیہ نکالتے تھے۔ جب تحفہ محمدیہ بند ہو گیا اور مولوی احمد حسن کلکتہ آ گئے تو مولانا آزاد نے انھیں اپنے ڈھب کا پا کر، انھیں رسالہ نکالنے کی ترغیب دی، اور اس کا تمام کام کر دینے کی پیش کش کی تو وہ اس پر آمادہ ہو گئے۔ اب کی بار تحفہ احمدیہ کے نام سے انھوں نے رسالہ نکالا۔ مولانا آزاد ضابطے کے مطابق تو اس کے مدیر نہ تھے لیکن ادارت کا کام عملاً وہی انجام دیتے تھے۔

ب: احسن الاخبار کلکتہ: اس رسالے کے مالک کلکتے کے ایک کتب فروش اور

مصطفائی پریس کے مالک تھے، اور ضابطے کے ایڈیٹر مولوی احمد حسن تھے۔ مولانا آزاد نے احمد حسن مرحوم سے تعلقات اور کام کرنے کے شوق کی بنا پر اس کی ادارتی ذمہ داریوں کو خود سنبھال رکھا تھا۔

۵۔ یہ وہ رسائل یا اخبار ہیں جن کے مدیر تو مولانا آزاد تھے اور ان کی پالیسی میں بھی دخیل تھے لیکن وہ ان کی ملکیت نہ تھے۔ وکیل اور دار السلطنت کا تعلق اخبار کی اسی قسم سے تھا۔

الف: وکیل۔ امرتسر: شیخ غلام محمد کا اخبار تھا۔ پہلے ہفت روزہ تھا۔ مولانا آزاد اس کے مدیر ہوئے تو ہفتے میں تین بار نکلنے لگا، پھر اسے سہ روزہ کر دیا گیا، مولانا آزاد پہلے ۱۹۰۶ء میں پھر ایک وقفے کے بعد ۱۹۰۷ء میں اس کے تنخواہ دار ایڈیٹر مقرر ہوئے تھے۔

ب: دار السلطنت۔ کلکتہ: یہ رسالہ کلکتہ کے ایک تاجر چرم مولوی عبداللطیف نے اپنے والد مولوی عبدالباری کی یاد میں (دوبارہ) جاری کیا تھا۔ مولانا آزاد اس کے باقاعدہ تنخواہ دار ایڈیٹر تھے۔ اس رسالے کے اجرا اور مولانا آزاد کی ادارت کے لیے مولوی محمد یوسف جعفری رنجور نے جو مولوی عبداللطیف کے دوست بھی تھے، تحریک کی تھی۔

۶۔ اس ضمن میں اس رسالے کا ذکر کیا جانا چاہیے، جس کی ادارت کے فرائض مولانا نے وقتی یا مہمان ایڈیٹر کی حیثیت سے انجام دیے تھے۔

الف: ایڈورڈ گزٹ۔ شاہجہان پور: لسان الصدق میں ایک جگہ مولانا آزادؒ نے ایڈورڈ گزٹ کی وقتی ایڈیٹری کا ذکر کیا ہے۔ آج کل وقتی ایڈیٹر کے لیے "مہمان ایڈیٹر" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس سے مراد وہ ایڈیٹر ہوتا ہے جو نہ ضابطے کے مطابق اپنی کوئی قانونی حیثیت رکھتا ہو، نہ جس نے اعزازی طور پر مستقل ادارتی ذمہ داریٔ

سنبھالنے کا وعدہ کیا ہو۔ البتہ ایک دو ماہ کے لیے عارضی طور پر کسی ضرورت یا مصلحت سے ذمہ داری قبول کرلی ہو۔

۷۔ وہ رسالے جو کسی اور کی ملکیت اور ادارت میں نکلتے تھے اور مولانا نے اعزازی طور پر یا تنخواہ کی شرط کے ساتھ نائب مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہوں۔ خدنگ نظر اور الندوہ کا شمار ایسے ہی رسائل میں ہوتا ہے۔

الف: خدنگ نظر۔ لکھنؤ: یہ ایک گلدستہ تھا جو منشی نوبت رائے نظر کی ادارت میں نکلتا تھا۔ وہی اس کے مالک تھے۔ مولانا آزاد نے انھیں مشورہ دیا کہ اس میں علمی، ادبی مضامین بھی شائع کیے جایا کریں۔ منشی صاحب نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور حصہ مضامین کی ادارت انھیں کے سپرد کر دی۔ منشی صاحب نے خدنگ نظر میں ایک اعلان بھی چھاپ دیا کہ آیندہ سے اس میں حصہ نثر بھی شامل ہوگا، اور ابوالکلام آزاد دہلوی ان کے نائب کی حیثیت سے اس حصے کی ادارت کے فرائض انجام دیں گے۔

ب: الندوہ۔ لکھنؤ: یہ ماہنامہ ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کا ترجمان تھا اور ندوہ ہی اس کا مالک تھا۔ اس کے ابتدائی چند پرچے شاہجہان پور سے شائع ہوئے تھے، پھر لکھنؤ سے نکلنے لگا۔ اس کے ایڈیٹر شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی اور نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں حسرت شروانی تھے۔ ۱۹۰۵-۶ء میں چھ سات ماہ تک مولانا آزاد اس کے تنخواہ دار نائب مدیر رہے تھے، الندوہ میں مولانا آزاد کی نیابت اور معاونت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، لیکن اس حیثیت سے الندوہ میں ان کے کام کرنے اور شبلی کی معاونت کا سب کو علم ہے۔

یہ مختلف حیثیتوں سے صحافت کی خدمات انجام دینے کے سفر کی روداد ہے۔ مولانا

آزاد اپنے اس صحافتی سفر میں مختلف مرحلوں سے گزرے، لیکن ان کے قدم کس مقام پر رکے نہیں، وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ اس سفر کے ہر مرحلے میں ان کی صلاحیتوں کو جلا ملی، اور قابلیتوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ تا آں کہ انھوں نے صحافت کی معراج کو پالیا۔ مولانا کا یہ سفر پستی سے بلندی کی طرف اور تقلید سے اجتہاد کی طرف مسلسل ارتقا کا سفر تھا۔ اس سفر کا نقطۂ آغاز نیرنگ عالم اور المصباح تھا، اور نقطۂ عروج الہلال و البلاغ تھا۔

آیندہ صفحات میں مولانا کے اس سفرِ ارتقا کے مراحل، مولانا کے افکار اور ان کی کامیابیوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

ابوسلمان شاہجہان پوری
۱۴ر ستمبر ۱۹۸۹ء

نیرنگ عالم کلکتہ

نیرنگ عالم مولانا نے شاعری کے شوق کی تکمیل کے لیے نکالا تھا۔ یہ اخبار کن ولوں اور تمناؤں کے ساتھ منصہ شہود پر آیا تھا۔ مولانا کے الفاظ میں پڑھیے:

"طبیعت کا یہ شوق اس قدر بڑھا کہ ایک گلدستہ نکالنے کا خبط ہوا۔ گویا اس وقت یہ خیال ہوا تھا کہ شاعری کی تکمیل کے لیے اس منزل کا طے کرنا بھی ضروری ہے گلدستہ بلا روپے کے نکل نہیں سکتا تھا۔ مگر اس وقت کے خیالات بھی عجیب تھے۔ ہمارا خیال یہ تھا۔ کہ جس قدر بھی روپے کی ضرورت ہے صرف پہلے نمبر کے لیے ہے اور جہاں ایک نمبر نکل گیا تو تمام دنیا اس طرح اس کے انتظار میں ہے کہ فوراً ہزاروں آدمی اس کے خریدار ہو جائیں گے۔ پھر روپے کی کیا کمی رہے گی۔

چنانچہ ہم نے اس وقت کے بچپنے اور طالب علمی کی بے سرو سامانی میں پچاس روپے کا انتظام کیا۔ لکھنو کا ایک پریس "ہادی پریس" کے نام سے ہریسن روڈ کلکتہ میں تھا۔ والد مرحوم کی بعض چیزیں وہاں چھپا کرتی تھیں۔ ہم نے وہیں طباعت کا انتظام کیا اور فوراً اعلان چھاپ کر شائع کر دیا۔ اعلان کا مضمون عبدالواحد نے لکھا تھا۔ اس کا نام "نیرنگ عالم" تجویز کیا گیا۔ اس تصور سے کس قدر طبیعت کو مسرت حاصل ہوتی تھی کہ عنقریب ایک ایسی چیز نکلے گی۔ جس کی لوح پر میرا نام بحیثیت مہتمم و ایڈیٹر کے درج ہوگا پہلے نمبر کے لیے طرح (مصرع) ملتے کے لیے اور پچھلے کے لیے" قرار دی تھی۔ چنانچہ غزلیات کا کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ جلال مرحوم شوق، خورشید جاوید، اختر، احسان شاہجہان پوری سے خاص طور پر غزلیں منگوائی تھیں اور انھوں نے بھیج دی تھیں چنانچہ پہلا نمبر چھپ کر شائع ہوا اور اب اپنی توقع کے مطابق ہم اس انتظار میں ہوتے کہ کم از کم ایک ہزار خریدار دوسرے نمبر کی اشاعت سے پہلے فراہم ہو جائیں گے۔ لیکن اس کا نتیجہ ظاہر تھا۔ بمشکل ڈیڑھ سو درخواستیں آئیں اور ان میں سے تھوڑے ہی آدمیوں نے پیشگی قیمت بھیجی۔ تاہم ہم نے ہمت

منہاری اور چند مہینوں تک اسے جاری رکھا" [1]

نیرنگ عالم کے پرچے ابھی تک کہیں دستیاب نہیں ہوئے اس لیے اس کے زمانۂ اشاعت کا قطعی تعین تو مشکل ہے۔ لیکن زمانے کا اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔ خدنگ نظر لکھنو بابت ماہ جون ۱۸۹۹ء میں مولانا کی جو غزل چھپی ہے۔ اس میں ان کے نام کے ساتھ "مہتمم گلدستہ نیرنگ عالم" کے الفاظ بھی چھپے ہیں ان الفاظ نے یہ مسئلہ صاف کر دیا کہ نیرنگ عالم کا زمانہ ۱۸۹۹ء کا وسط ہے۔ اگرچہ اس کے اجراء و بندش کے مہینوں کا تعین اس سے بھی نہیں ہوتا ہے۔ لیکن سال اور اس کے حصے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں۔ یعنی وسط ۱۸۹۹ء میں نیرنگ عالم کے وجود کا پتا چلتا ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا کی شاعری کی ابتدا ۱۸۹۸ء میں ہوئی ہوگی جب کہ ان کی عمر صرف دس سال کی تھی۔ چند ماہ کی مشق کے بعد انھوں نے وہ غزل کہی جو مولوی عبدالواحد ادیب سہسرامی کو سنائی اور ارمغان فرخ میں چھپی تھی میرا خیال ہے یہ اسی زمانے کی بات ہے۔ اس کے بعد کلام کی اشاعت، مشاعروں کی شرکت اور لوگوں کی داد و تحسین نے انھیں گلدستہ نیرنگ عالم نکالنے کی ہمت دلائی ہوگی۔

ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے اس کا دورانیۂ اشاعت آٹھ ماہ بتایا ہے [2]

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۴۲

[2] مولانا ابوالکلام آزاد۔ عابد رضا بیدار، رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز۔ ۱۹۶۸ء ص ۱۰۷

المصباح کلکتہ

شاعری کا شوق اگرچہ مولانا کو ۱۹۱۲ء بلکہ ۱۹۱۳ء تک باقی رہا لیکن شاعری کے شوق کے ساتھ انھیں مضمون نویسی کا شوق بھی پیدا ہو گیا اور اس شوق کی تکمیل کے لیے بھی کسی رسالے کا اجرا لازم ٹھہرا۔ اس زمانے کے خیال کے مطابق مضامین لکھنا، ان کا رسائل میں چھپنا اور پھر کسی اخبار یا رسالے کا ایڈیٹر بننا ایک بلند مقام تھا جس کا حصول زندگی کا گویا مقصد تھا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"سب سے زیادہ بلند تر مقام جو کسی انسان کے لیے ہو سکتا تھا، یہ نظر آتا تھا کہ مضامین لکھے جائیں اور وہ ہمارے نام سے شائع ہوں۔ اس کے بعد اس سے بلند تر مقام یہ تھا کہ کسی اخبار یا رسالے کے ایڈیٹر ہوں"[1]

اس شوق کی تکمیل کے لیے مولانا نے "المصباح" کے نام سے ایک پرچہ جاری کیا جس کا پہلا نمبر عید الفطر ۱۳۱۸ھ (۲۲ر جنوری ۱۹۰۱ء) کے موقع پر نکلا تھا مولانا فرماتے ہیں:

"محمد موسٰی نامی ایک شخص نے نیا نیا پریس جاری کیا تھا۔ والد مرحوم کے بعض کاغذات وغیرہ لینے کے لیے وہ آمد و رفت رکھتا تھا، اس نے خیال کیا کہ تجارتی اغراض سے کوئی اخبار نکالے۔ یہ میرے خاص ذوق کی بات تھی۔ میں نے اسے اور زیادہ ترغیب دی اور بالآخر وہ آمادہ ہو گیا "المصباح الشرق" مصر سے نکلتا تھا۔ میں نے اس کا نام "المصباح" تجویز کیا، اور ہفتہ وار اخبار کی شکل میں جاری ہوا، یہ دراصل پہلا اخبار ہے جو میں نے ایڈٹ کیا۔ یہ ٹھیک ۱۹۰۰ء کے اواخر کی بات ہے پہلا نمبر عید الفطر کے موقع پر نکلا تھا"[2]

المصباح کے زمانہ اجرا کے تعین میں مولانا کے ان الفاظ سے مدد ملتی ہے "یہ ٹھیک ۱۹۰۰ء

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۷۴، ۲۷۵

[2] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۷۵

کے اواخر کی بات ہے۔ پہلا پرچہ عید الفطر کے موقع پر نکلا تھا"

غور کیجیے کہ ۱۹۰۰ء کے اواخر میں عید کس تاریخ کو پڑی تھی؟ تقویم سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۰ء کے اواخر میں نہ عید الفطر پڑی نہ عید الاضحیٰ۔ ۱۹۰۰ء میں عید الفطر ۲ر فروری کو ہوتی تھی۔ لیکن اگر ہم ۱۹۰۰ء کے اواخر کا خیال رکھیں تو اس سے قریب تر عید الفطر ۲۲ر جنوری ۱۹۰۱ء کو ہوتی تھی، چوں کہ مولانا کے قیاس (اواخر ۱۹۰۰ء) اور ۱۹۰۱ء کی عید الفطر میں صرف اکیس دن کا فرق ہے، اس لیے ایک ایسے اندازے میں جو ۲۰، ۲۱ سال کے بعد کیا جا رہا ہو، غلطی ہو جانا عین ممکن ہے البتہ یہ محال ہے کہ مولانا پورے یقین و اعتماد کے ساتھ کہیں کہ "یہ ٹھیک ۱۹۰۰ء کے اواخر کی بات ہے" اور وہ بات ٹھیک ۱۹۰۰ء کے اوائل کی ہو اس لیے میں نے مولانا کے یقین و اعتماد کا لحاظ کرتے ہوتے اس سے قریب تر زمانے کی عید الفطر کو بنیاد بنایا ہے، اس لیے المصباح کی اشاعت کے بارے میں یہ میری قطعی رائے ہے کہ اس کا پہلا پرچہ ۲۲ر جنوری ۱۹۰۱ء مطابق یکم شوال ۱۳۱۸ھ گویا اس موقع پر شائع ہوا ہوگا۔

المصباح کے پہلے نمبر کا افتتاحیہ مولانا نے "عید" کے عنوان سے لکھا تھا جسے بہت پسند کیا گیا۔ اور پیسہ اخبار اور بعض دوسرے اخباروں نے اسے نقل کیا مولانا کے لیے اس وقت گویا یہ بڑی رفعت اور منزلت کی بات تھی۔ المصباح کی ترتیب میں موقتہ مسائل و مباحث کے علاوہ علمی، تاریخی اور سوانحی مضامین کے لیے الگ الگ صفحات مقرر کیے گئے تھے۔ اس اخبار میں مولانا کو پہلی مرتبہ واقعات و اخبار پر باسلوب جرا تدبحث کرنے کا موقع ملا اور بلا کسی دقّت کے انھوں نے ہر نمبر کے لیے مختلف قسم کے مضامین لکھے، امام غزالی، نیوٹن اور مسئلہ کشش ثقل وغیرہ مضامین اس میں مولانا کے قلم سے نکلے کشش ثقل غالباً وہی مضمون ہے جس کا تعارف مولانا نے اپنی ۱۳ برس سے ۱۸ برس تک کی عمر کی تصانیف میں کشش مادہ اور کشش عشق کے نام سے ان الفاظ میں کرایا ہے!۔

"اس میں دکھایا ہے کہ جس طرح عالم مادہ ہے اسی طرح جذبات کا عالم ہے اور دونوں کے قوانین یکساں ہیں"[۱]

مولانا کے بیان کے مطابق المصباح تین چار مہینے سے زیادہ نہ چل سکا اور بند ہو گیا[۲]

---

[۱] ذکر آزاد۔ عبدالرزاق ملیح آبادی، آزاد ہند کلکتہ ۱۹۶۰ء صـ ۲۸۲۔

[۲] آزادی کی کہانی خود آزاد کی زبانی صـ ۲۷۵۔

خدنگ نظر لکھنؤ

یہ منشی نوبت رائے نظر کا مشہور گلدستہ تھا۔ ۱۹۰۲ء میں چند ماہ تک مولانا اس کے حصہ مضامین کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے تھے۔ مارچ ۱۹۰۲ء کے شمارے میں "عرض حال" کے عنوان سے مہتمم خدنگ نظر کی جو تحریر ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

"ہم نے اپنی کوششوں میں اپنے دلی دوست ابوالکلام مولوی محی الدین صاحب آزاد دہلوی کو بھی شریک کر لیا ہے جن کے اکثر مضامین خدنگ اور دوسرے معزز اردو جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آئندہ سے وہ خدنگ نظر کے حصہ مضامین کے لیے اسسٹنٹ ایڈیٹر کے فرائض ادا کریں گے جو انھوں نے بخوشی قبول فرمائے ہیں"[1]

مئی اور جولائی کے پرچوں میں مولانا کے مضمون میں ان کے نام کے ساتھ "اسسٹنٹ ایڈیٹر" کے الفاظ بھی چھپے ہیں۔ اس زمانے کے خدنگ نظر کے پرچوں کا پاکستان کی کسی لائبریری یا کسی ذاتی علمی ذخیرے میں پتا نہیں چل سکا۔ جناب مشفق خواجہ کے پاس ۱۸۹۹ء کی ایک جلد ہے۔ ۱۹۰۲ء-۱۹۰۳ء کے کچھ شمارے جناب عبدالقوی دسنوی کی نظر سے گزرے ہیں۔ موصوف کی تحقیق کے مطابق مئی ۱۹۰۲ء سے جولائی ۱۹۰۳ء تک کے شماروں میں مولانا کے مندرجہ ذیل مضامین شائع ہوئے ہیں[2]

۱۔ زمانہ قدیم میں کبوتروں کی ڈاک (نمبر ۱) .... مئی ۱۹۰۲ء

" " " " (نمبر ۲) .... جون "

۲۔ پنگچوئیشن۔ (نمبر ۱) .... اکتوبر "

" (نمبر ۲) .... نومبر "

۳۔ مبادلہ سنین .... جنوری ۱۹۰۳ء

۴۔ آثار قدیمہ .... فروری "

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد اور خدنگ نظر۔ ہماری زبان علی گڑھ۔ یکم نومبر ۱۹۶۹ء

[2] مولانا ابوالکلام آزاد اور خدنگ نظر۔ ہماری زبان علی گڑھ۔ یکم نومبر ۱۹۶۹ء

۵۔ منار خسرو گرد (بسلسلۂ آثار قدیمہ) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مارچ ۔۔

۶۔ افغانستان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اپریل ۔۔

۷۔ ضوء غیر مرئی (نمبر ا) ایک جرمن پروفیسر کی حیرت انگیز ایجاد۔ مئی ۔۔

۔۔ (نمبر ۲) ۔۔ ۔۔ ۔۔۔۔ جولائی ۔۔

مولانا آزاد کے یہ مضامین اگرچہ ۱۴-۱۵ برس کی عمر کے ہیں لیکن ایسے نہیں ہیں کہ انھیں یک قلم انداز کردیا جاتے۔ مولانا آزاد کے بارے میں علامہ شبلی مرحوم کی جو بہت اچھی رائے تھی اس کے قیام میں ان مضامین کا حصہ بھی تھا۔ اکس ریز یعنی ضوء غیر مرئی کی تاریخ انکشاف اور حقیقت پر مولانا کا مضمون شائع ہوا تو علامہ شبلیؒ نے ان کے نام ایک خط میں اپنی پسندیدگی کا اظہار[1] کیا تھا بعد میں اس مضمون کے حوالے سے الندوہ کے لیے مضمون لکھنے کی ان سے فرمائش کی تھی ۱۹۰۵ء میں علامہ مرحوم سے اپنی ملاقات کے سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں:

"ایک دن (علامہ شبلی) میرے یہاں بیٹھے تھے اور کتابوں کی الماریوں سے کتابیں نکال کر دیکھ رہے تھے۔ اس میں خدنگ نظر کا ایک مجموعہ نکل آیا۔ اس میں میرے مضامین بھی تھے، پڑھ کر انھوں نے (حیدر آباد دکن آنے کے لیے) بہت زیادہ اصرار کیا، اس میں ایک مضمون اکس ریز کی ایجاد و حقیقت پر تھا۔ انھوں نے کہا۔ جب تم ایسے مضامین لکھ سکتے ہو تو کیوں اس طرح بلا کسی مشغلے کے ہو؟ کم از کم ایک مضمون الندوہ کے ہر نمبر کے لیے لکھ دیا کرو"[2]۔

مولانا کے یہی مضامین تھے جن سے متاثر ہو کر علامہ مرحوم نے انھیں الندوہ کی زمام ادارت اپنے ہاتھ میں لینے کی دعوت دی تھی۔

---

[1] آزاد کی کہانی صفحہ ۲۸۱۔

[2] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی صفحہ ۱۲-۳۱۱

ایڈورڈ گزٹ شاہجہان پور

کچھ دنوں تک مولانا ہفتہ وار ایڈورڈ گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے تھے۔ لسان الصدق کے شمارۂ آخر بابت ماہ اپریل مئی ۱۹۰۵ء میں "مسلم پریس کانفرنس" پر نوٹ میں لکھتے ہیں۔

"ایڈورڈ گزٹ شاہجہانپور کی وقتی ایڈیٹری کے زمانے میں ہم نے ایک نوٹ لکھ کر منشی صاحب (منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور) کو پھر پریس کانفرنس کی طرف توجہ دلائی"

ایڈورڈ گزٹ کی ایڈیٹری اور اس میں مضمون نویسی کے بارے میں اس سے زیادہ ابھی تک کوئی علم نہیں ہو سکا۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا خیال ہے کہ اس کی ایڈیٹری کا زمانہ ۳-۱۹۰۲ء کا کوئی مختصر وقفہ ہے[1]

تحفۂ احمدیہ کلکتہ

تحفۂ محمدیہ کے نام سے مولانا محمد علی مونگیری بانی دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کان پور سے ایک مذہبی رسالہ نکالا کرتے تھے۔ مولانائے موصوف اس زمانے میں مدرسہ فیض عام کانپور میں مدرس تھے، عیسائی مشنریوں سے مناظرے اور ان کے رد میں انھیں مقالات و رسائل لکھنے کا بہت شوق تھا۔ تحفۂ محمدیہ انھوں نے اسی ضرورت سے نکالا تھا۔ مولوی سید احمد حسن فتحپوری، مولانا محمد علی مونگیری کے بعد کچھ دنوں تک تحفۂ محمدیہ کے ایڈیٹر بھی رہے تھے، عیسائی مشنریوں

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد، عابد رضا بیدار، انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز۔ رام پور، ۱۹۶۸ء ص ۷۹

سے ایک مناظرے کے سلسلے میں ایک مقدمے کے بعد ۱۸۹۹ء میں تحفہ محمدیہ بند ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد مولوی سید احمد حسن نے تحفہ احمدیہ کے نام سے اس کا اجرا کیا۔ مولوی صاحب مرحوم ندوۃ العلماء کے نہایت پرزور حامی تھے ندوے سے اسی دلچسپی کی بنا پر ۱۹۰۰ء کے اواخر یا ۱۹۰۱ء کے شروع میں کلکتہ آگئے تھے، جہاں اس سال ندوے کا سالانہ اجلاس ہونے والا تھا اور اس کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔

تحفہ احمدیہ ۱۹۰۰ء میں کان پور میں بند ہوگیا تھا۔ اب مولوی احمد حسن کلکتہ آگئے اور مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات ہوئی تو تحفہ احمدیہ کے احیا کے لیے مولانا نے انھیں خاص طور پر ترغیب دی چوں کہ یہ بات ان کے خاص ذوق اور دلچسپی کی تھی اس لیے وہ اس شرط پر اسے نکالنے پر آمادہ ہوگئے کہ مولانا اس کی ترتیب کی ذمے داری لے لیں۔ مولانا تو چاہتے ہی یہ تھے کہ ایک رسالہ ان کے ہاتھ میں ہو، انھوں نے حامی بھر لی اور تحفہ احمدیہ جاری ہوگیا۔ اس مرتبہ وہ ایک عام علمی و دینی رسالہ تھا، اس کے ایڈیٹر مولوی سید احمد حسن تھے۔ لیکن اس کی ترتیب کی ذمے داری مولانا آزاد پر تھی۔

تحفہ احمدیہ ایک شعلہ مستعجل تھا جو بھڑکا اور بجھ گیا اس کی مدت عمر چند ماہ سے زیادہ نہیں بڑھی[1]، ابھی تک یہ پتا نہیں چل سکا کہ تحفہ احمدیہ کے دور کلکتہ کا کوئی پرچہ کہیں دستیاب ہوا ہے اور اس لیے ابھی یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ تحفہ احمدیہ میں مولانا آزاد کے قلم سے کون کون سے مضامین نکلے۔ یہ بات واضح ہے کہ تحفہ احمدیہ کا یہ دور جس میں ترتیب کی ذمہ داری مولانا آزاد نے قبول فرمائی تھی ۱۹۰۱ء کا کوئی مختصر عرصہ ہے۔

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، ص ۲۷۹

احسن الاخبار۔ کلکتہ

الصباح کی اشاعت سے مولانا کو مضمون نگاری اور ادارت کا جو شوق پیدا ہو گیا تھا، وہ اب ایک نئے میدان کا متلاشی تھا۔ اتفاق سے انھیں دنوں مولوی سید احمد حسن فتح پوری نے کلکتہ کے ایک کتب فروش اور مصطفائی پریس کے مالک عبد الغفور کو ایک ہفتہ وار اخبار جاری کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ احسن الاخبار کے نام سے ایک رسالہ جاری ہو گیا۔ مولوی احمد حسن مرحوم کے مولانا آزاد سے بہت گہرے تعلقات تھے، مولوی صاحب اکثر اوقات مولانا آزاد کے یہاں بیٹھتے تھے، اخبار کا دفتر بھی مولانا کے مکان سے قریب ہونے کی وجہ سے ہر وقت کا آنا جانا تھا۔ احسن الاخبار کی صورت میں ایک قریبی مصرف طبع آزمائی مولانا کے ہاتھ آ گیا اس وقت تک تحریر کی مشق بھی کافی ہو گئی تھی۔ مولوی احمد حسن مرحوم کو مولانا کے قلم اور خیالات پر اعتماد ہو گیا تھا۔ اس لیے مولانا جو کچھ لکھتے براہ راست کاتبوں کو دیدیتے اور چھپ جاتا۔ احسن الاخبار سے مولانا کو دو فائدے پہنچے۔ جس کا انھوں نے اعتراف کیا ہے پہلا فائدہ یہ تھا کہ احسن الاخبار کے تبادلے میں مصر، قسطنطنیہ، طرابلس تیونس الجزائر، امریکہ کے تمام عربی اخبارات و رسائل آتے تھے۔ مولانا کو ان کے مطالعے کا موقع ملا۔ یہیں انھیں مصر کے علمی رسائل "الہلال، المقتطف، المنار وغیرہ کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ ان کے مطالعے سے مولانا کی معلومات میں اضافہ ہوا۔ دنیائے اسلام کے مسائل سے دلچسپی پیدا ہوئی اور عربی ادب کے ذوق کی بنیاد مستحکم ہو گئی، المنار سے مولانا خاص طور سے متاثر ہوئے۔ فرماتے ہیں:

> "المنار کیا باعتبار ادب و بلاغت کے اور کیا باعتبار مباحث کے میرے لیے بالکل ایک نئی چیز تھی۔ عربی کتابت و بلاغت کے ایسے صحیح و صادق نمونے کا اس وقت طبیعت پر جو اثر پڑا وہ آگے چل کر عربی علم و ادب کے ذوق میں نہایت کارآمد ثابت ہوا" [1]

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۷۲۔

دوسرا فائدہ احسن الاخبار کی وجہ سے مولانا کو یہ پہنچا کہ مولانا کو ہر طرح کی مضمون نویسی کا موقع ملا، عربی اخبارات کے مضامین اور جزوں کا انتخاب و ترجمۂ علمی و ادبی مضامین کی ہر نمبر کے لیے تالیف و ترتیب، رسالوں اور کتابوں پر ریویو، نیز اخبار و حوادث پر بحث و نظر وغیرہ مختلف قسم کے مضامین لکھنے کا موقع ملا۔[1]

مولانا کے بیان کے مطابق خواجہ حافظ شیرازی اور عمر خیام پر پورا ایک سلسلۂ مضمون اس میں شائع ہوا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ ان شعرا کے کلام سے ان کی زندگی اور کیریکٹر پر روشنی پڑتی ہے یا نہیں؟ اور اس کا امکان ہے یا نہیں کہ ان کے جام و ساقی کی صدائیں محض شاعرانہ ہی نہ ہوں بلکہ واقعی ہوں؟۔

احسن الاخبار کے مضامین میں معرکے کا مضمون وہ تھا جو "اسلام اور محرم" کے عنوان سے نکلا تھا جس میں بدعات و رسوم محرم پر سخت۔۔ تنقید کی گئی تھی۔ اس کی وجہ سے عوام میں ایک سخت اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔

مولانا نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس مضمون سے پیدا شدہ حالات بیان کیے ہیں۔ اس ہنگامے کا نتیجہ اور تو کچھ نہ نکلا "احسن الاخبار" بند ہو گیا۔

احسن الاخبار کے اجرا کا زمانہ یقینی طور پر ۱۹۰۲ء کے شروع کا ہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی نظر سے احسن الاخبار کے ۱۸ر جولائی ۱۹۰۲ء سے ۱۹ ستمبر تک کے چند پرچے گزرے ہیں۔ ۱۸ر جولائی کا پرچہ پہلی جلد کا ۲۲واں شمارہ ہے اور ۱۹ ستمبر کا پرچہ ۳۱واں شمارہ ہے۔ گویا اس مدت میں پابندی کے ساتھ پرچہ نکلتا رہا۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ۱۸۔ جولائی سے پہلے اس کے ابتدائی پرچے بھی پابندی کے ساتھ ہفتہ وار نکلتے رہے ہوں گے تو اس کا پہلا پرچہ فروری ۱۹۰۲ء کے دوسرے ہفتے کی کسی تاریخ کا ہونا چاہیے۔

یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عمر خیام پر احسن الاخبار میں جو سلسلۂ مضمون نکلا تھا وہ مولانا آزاد کے قلم سے نہ تھا، بلکہ ان کے بڑے بھائی مولوی غلام یٰسین آہ کے قلم سے تھا جو بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہو گیا تھا۔[2]

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۷۔

[2] مولانا ابوالکلام آزاد۔ عابد رضا بیدار، انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز رام پور ۱۹۶۸ء ص ۴۹۔

احسن الاخبار کے جو چھ پرچے ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی نظر سے گزرے ہیں ان میں مولانا کا کوئی مضمون نہیں۔ ابتدائی پرچوں میں یقیناً مولانا کے مضامین بھی ہوں گے، اس لیے کہ مولانا آزاد، مولوی سید احمد حسن کے شروع سے معاون تھے رزاق فاروقی صاحب کی نظر سے احسن الاخبار یکم جون ۱۹۰۴ء کا ایک پرچہ گزرا ہے[1] اس میں مولانا کے ایک مضمون کی دوسری قسط ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا کے مضامین اس سے پہلے شائع ہوئے ہیں۔ ممکن ہے ستمبر کے بعد کے پرچوں میں بھی مولانا کا کوئی مضمون ہو۔

ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا خیال ہے کہ احسن الاخبار ۱۹۰۳ء کے وسط تک بند ہو چکا تھا۔[2]

---

[1] سب رس، حیدر آباد دکن، اکتوبر ۱۹۶۴ء

[2] مولانا ابوالکلام آزاد، محولہ بالا، ص ۸۰

لسان الصدق، کلکتہ
تاریخِ اجراء ، مقاصد و خدمات پر ایک نظر

"لسان الصدق" مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافتی زندگی میں ایک اہم موڑ اور سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا اجرا کیوں کر عمل میں آیا تھا، اس کی تفصیل مولانا نے اپنی کہانی میں بیان کی ہے۔

انجمن اصلاح:

جس زمانے میں "احسن الاخبار" نکالا تھا۔ مولانا کو خیال ہوا کہ ایک انجمن قائم کرنی چاہیے، جس کا دفتر علمی، ادبی، سرگرمیوں، بحث و مذاکرہ اور تبادلِ خیالات کے لیے ایک مرکز یا کلب کا کام دے اور اس کی دل چسپی برابر قائم رکھنے کے لیے ایک ریڈنگ روم کا قیام بھی ضروری ہے۔ چناں چہ مولوی احمد حسن مالک احسن الاخبار، کے تعاون سے حمیدیہ ہوٹل کے اوپر ایک کمرے اور ہال کا انتظام کر لیا گیا اور "الاصلاح" کے نام سے انجمن اور "دار الاخبار" کے نام سے ریڈنگ روم کا قیام عمل میں آگیا۔ احسن الاخبار کے تبادلے میں آنے والے اخبارات اور رسائل وہاں رکھ دیے جاتے تھے اور مقامی انگریزی اخبار خرید لیے جاتے تھے۔ کتابوں کا ایک ذخیرہ بھی جو عام مطالعے کے لیے مفید ہو سکتا تھا، مہیا کر دیا گیا۔

مقاصد الاصلاح:

مولانا آزاد کے بیان کے مطابق انجمن الاصلاح کے مقاصد یہ قرار پائے تھے:

۱۔ شہر (کلکتہ) میں علمی مذاق کو فروغ دینا۔

۲۔ عام اتحاد و ائتلاف پیدا کرنا۔

۳۔ تقریر و تحریر کے ذوق کو ترقی دینا اور اس کی مشق و ترقی کے لیے عمدہ وسائل مہیا کرنا۔

۴۔ ایک ایسے مرکز علم و تہذیب کا وجود میں لانا، جہاں علمی ذوق رکھنے والے اکٹھے ہوں

اور جس کے ذریعے علم و فن کا چرچا عام ہو سکے ۔

۵ ۔ اصلاح رسوم وغیرہ ۔

دارالاخبار :

انھی مقاصد کے لیے ایک قرائت خانہ جس کا نام " دارالاخبار" طے پایا تھا، قائم کیا گیا ۔ مولانا فرماتے ہیں :

" (انجمن) اصلاح کے ہفتے وار جلسے ہوتے تھے ۔ موضوع مقرر ین کو دیے جاتے تھے اور بعض لوگ تحریریں اور بعض لوگ زبانی تقریریں کرتے تھے اور بعض موضوعوں کے متعلق مباحثے کا وقت رکھا جاتا تھا ۔ اس وقت کالجوں کے بعض ذہین انڈر گریجویٹ بھی آنے لگے اور تحریر و تقریر میں حصہ لینے لگے ۔ باہر سے کوئی مشہور آدمی آجاتا تو وہ بھی وہیں لیکچر دیتا ۔ ۔ ۔ کلکتے میں فی الحقیقت ایسی صحبت بالکل ناپید تھی ۔ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں علمی ذوق رکھنے والے اکٹھے ہوں اور علم و فن کا چرچا ہو سکے ۔ اخبار بینی کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا ۔ اس لیے اس کلب کے قائم ہو جانے سے واقعی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہو گئی ۔"[1]

لسان الصدق :

جب احسن الاخبار بند ہو گیا تو اس کے تبادلے میں آنے والے اخبارات و رسائل بھی بند ہونے لگے اور چوں کہ یہ اخبارات و رسائل انجمن اور دارالاسلام کے قیام کی بنیاد تھے ۔ یہ بند ہونے لگے تو ان کا وجود بھی خطرے میں پڑ گیا ۔ اُسے بچانے کی فکر کی گئی اور طے یہ پایا کہ " لسان الصدق" کے نام سے ایک پندرہ روزہ یا ماہوار رسالہ جاری کر دیا جائے تاکہ احسن الاخبار کے تبادلے میں آنے والے اخبارات و رسائل آتے رہیں اور انجمن الاصلاح اور دارالاخبار کے مشغلے کے ساتھ لکھنے پڑھنے کا مشغلہ بھی باقی رہے ۔ مولانا آزاد نے اپنی کہانی میں یہ داستان بھی بیان کی ہے ۔ فرماتے ہیں :

" یہی دارالاخبار ایک دوسرے مشغلے کا باعث ہوا، یعنی لسان الصدق کی اشاعت

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، بہ روایت عبدالرزاق ملیح آبادی ۔ دہلی، حالی پبلشنگ ہاؤس، اپریل ۱۹۵۸ء، ص ۲۰۲

گا۔ جب احسن الاخبار بند ہوگیا تو اس کے تبادلے میں جو اخبارات آتے تھے، وہ بھی آہستہ آہستہ بند ہونے لگے۔ دار الاخبار کے وجود کی بنیاد انھی پر تھی۔ اب بڑی مشکل پیش آئی۔ لوگ وسیع مطالعے کے عادی ہو چکے تھے۔ اخبارات کی کمی کا نتیجہ یہ تھا کہ دار الاخبار بند ہو جائے۔ یہ قیمت اگر اس قدر اخبارات منگوائے جاتے تو اس کے لیے ایک بہت بڑے فنڈ کی ضرورت تھی اور اس کا مہیا کرنا دشوار تھا۔ . . . . . اس زمانے میں مولوی محمد یوسف جعفری سے . . . ملاقات بہت بڑھ چکی تھی اور روزانہ دار الاخبار میں ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ابتدا سے وہ احسن الاخبار، انجمن (الاصلاح) اور دار الاخبار کی تجویز اور انتظام کے ایک شریک اور معاون رہے تھے۔ ان سے میں نے کہا کہ اخبارات کے حصول کی یہی ایک راہ نظر آتی ہے کہ ایک چھوٹا سا ماہوار یا پندرہ روزہ رسالہ نکال دیا جائے اور اس کے مبادلے میں اخبارات حاصل کیے جائیں۔ جو خرچ اس کی چھپائی وغیرہ میں ہوگا، وہ اول تو خریداروں سے کچھ نہ کچھ حاصل ہی ہو جائے گا۔ بالفرض سیکڑوں اخبارات کی قیمت کے مقابلے میں یہ خرچ بہت ہی ہلکا ہوگا۔ انھوں نے یہ رائے پسند کی اور اس کا انتظام اپنے ذمے رکھنے پر راضی ہوگئے۔

ہادی پریس سے انتظام کیا گیا اور تجویز ہوئی کہ بالفعل فل اسکیپ تقطیع پر ایک جزکا رسالہ نکالا جائے اور مہینے میں دو بار نکلے۔ میں نے اس کا نام لسان الصدق تجویز کیا اور بلا کسی اعلان کے پہلا نمبر چھاپ کر شایع کر دیا"[1]

انجمن ترقی اردو کا پہلا ترجمان:

لسان الصدق کے مقاصد کی تالیف اور انجمن ترقی اردو سے اس کے تعلق کے ذیل میں مولانا آزاد کے ایک اور بیان سے استفادہ ضروری ہے اور مناسب معلوم ہوتا کہ یہ استفادہ اسی مقام پر کر لیا جائے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اس زمانے میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخ "انجمن ترقی اردو" قائم

---

[1] ایضاً، ص ۳۰۲-۳۰۳

ہو چکی تھی اور مرحوم مولانا شبلی اُس کے ناظم تھے۔ انجمن ہی کے سلسلے میں میں نے خط و کتابت کی تھی اور انھوں نے خط و کتابت کے بعد مجھے بڑا شائق اور کارکن سمجھ کر انجمن کے ارکانِ انتظامیہ میں چن لیا تھا۔

دوسری شاخ خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے اصلاحِ رسوم کی قائم کی تھی اور "عصرِ جدید" نکالا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لسان الصدق کے خاص مقاصد میں یہ دو مقصد بھی داخل کیے گئے تھے۔ یعنی ترقی اردو اور اصلاحِ رسوم۔ اس کے علاوہ عام طور پر علمی و ادبی مضامین کا وہ مجموعہ تھا۔

انجمن ترقی اردو نے اُس کی دلچسپی دیکھ کر اسے اپنا آرگن قرار دے دیا تھا۔ اور مولانا شبلی مرحوم انجمن کے متعلق، جس قدر مفید و دلچسپ باتیں ہوتی تھیں، اُنھیں سب سے پہلے اسی میں اندراج کے لیے بھیج دیتے تھے۔ اور تمام ممبران انجمن کے نام ایک اطلاع شائع کر دی تھی کہ اس پرچے کو ضرور منگائیں۔ اس کی وجہ سے ایک بڑی تعداد متعلقین انجمن کی اُس کی خریدار ہو گئی تھی۔ دو تین نمبروں کے بعد ہی چھ سات سو خریدار ہو گئے تھے۔

پہلے تو خیال تھا کہ محض دارالاخبار کے قیام کا یہ ایک ذریعہ ہے، رسالہ مقصود بالذات نہ تھا۔ اس لیے اُس کی زیادہ اہمیت نظروں میں نہ تھی۔ لیکن جب اُسے لوگوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ اخبارات نے لمبے چوڑے ریویو لکھے۔ اس کے ہر نمبر کے مضامین وکیل وغیرہ میں نقل کیے گئے تو خیال ہوا کہ اسے ایک اچھا رسالہ بنانا چاہیے۔ چھ مہینے کے بعد (اُسے) ماہوار کر دیا گیا اور کتاب کی شکل میں کم از کم تین جز کی ضخامت تک پہنچ گیا۔ باہر سے لوگ مضامین بھیجنے لگے تھے۔[1]

پندرہ روزہ یا ماہوار:

ایک بات کی تصحیح یہیں کر دی جائے تو مناسب ہوگا۔ یہ کہ لسان الصدق پہلے پندرہ روزہ نکلنا شروع ہوا پھر ماہوار کر دیا گیا۔ فیصلہ شاید یہی ہوا ہوگا کہ پندرہ روزہ نکالا جائے۔ اُس

---

[1] ایضاً، ص ۵ - ۴ - ۳۰

کے لیے ہر ماہ کی ۵ر اور ۲۰ر تاریخ اشاعت مقرر ہوئی ہو گی۔ لیکن لسان الصدق عملاً شروع ہی سے ماہوار نکلا تھا۔ ابتدا میں چند ماہ (نومبر ۳ء تا اپریل ۴ء) اس پر ہر ماہ کی ۲۰ر تاریخ درج ہوتی تھی۔ مئی سے یہ صراحت بھی ختم کر دی گئی۔ شاید یہی زمانہ اس کی پندرہ روزہ اشاعت کا دور مراد ہے۔ مئی ۴ء سے اس کی اشاعت ماہوار شمار کی گئی۔

دستور العمل:

مقاصد کے دائرے میں سچائی اور راست بازی کو لسان الصدق کا موٹو یا دستور العمل قرار دیا گیا تھا۔ اس کا پہلا پرچہ اپنے صفحہ اوّل پر اس اعلان کے ساتھ شائع ہوا تھا:

"اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُهْلِكُ"

"لسان الصدق کا دستور العمل ہے۔ اس کا فرض ہے کہ یہ قوم کو کذب سے بچائے اور راستی پر لائے۔ جب اس کا فرض منصبی صرف حق گوئی قرار دیا گیا تو اس کی امید قوم کو اس سے نہیں رکھنی چاہیے کہ یہ انھیں ایسے ترانے سنائے گا جو نہایت شیریں معلوم ہوں۔ سچی بات ہمیشہ کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ پھر "سچائی کی زبان" کیوں کر شیریں معلوم ہو گی۔ یہ ہمیشہ تم کو کڑوی کسیلی باتیں سنائے گا۔ جو اگرچہ تمھیں ناگوار معلوم ہوں گی۔ لیکن اس زمانے کو دور نہ سمجھو جب کہ صدق کا منجی ہونا اور کذب کا مہلک ہونا تم پر ظاہر ہو جائے گا۔"

مقاصد:

لسان الصدق کے چار مقاصد قرار پائے تھے جو مولانا آزاد کی ترتیب کے مطابق انھی کی زبان میں یہ تھے:

۱۔ سوشل ریفارم؛ یعنی مسلمانوں کی معاشرت اور رسومات کی اصلاح کرنی۔

۲۔ ترقی اردو؛ یعنی اردو زبان کے علمی لٹریچر کو وسیع کرنا۔

۳۔ علمی ذوق کی اشاعت ____ بالخصوص بنگالہ میں

۴۔ تنقید؛ یعنی اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو کرنا

مولانا آزاد نے لسان الصدق کے پہلے پرچے میں ان مقاصد کا اعلان کیا تھا اور اسی شمارے میں اس کی وضاحت اور تشریح بھی کر دی تھی۔ ہم یہاں بہ ترتیب دفعات مولانا کی زبان میں اس کے مطالعے کا موقع فراہم کرتے ہیں:

سوشل ریفارم:

اس مقصد کی تشریح میں مولانا لکھتے ہیں:

"اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کے موجودہ رسم و رواج کی بنا ہندوؤں کے میل جول سے پڑی۔ مسلمانوں نے جب ہندوستان فتح کیا تو مفتوح قوم کے رسم و رواج سے واقف ہونے کی انھیں ضرورت ہوئی واقفیت کے ساتھ جب میل جول بڑھا تو خود بہ خود مفتوح قوم کے رسم و رواج نے فاتح قوم کے افعال پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ ادھر اکبر اعظم کی غیر متعصبیت نے یہاں تک ترقی کی کہ ہندوؤں کے رسم و رواج پر مائل ہو کر مسلمانوں میں غیر محسوس طریقے پر میلان پیدا کر دیا۔ مذہبی کمزوری نے بھی بہت سے توہمات پیدا کر دیے اور ان سب باتوں نے مل کر مسلمانوں کے افعال پر یہاں تک اثر کیا کہ انیسویں صدی" میں مسلمانوں کے خاص رسم و رواج نظر آنے لگے۔ ان کی اس عربی سادگی اور ایرانی تکلف کی جگہ، ایک خاص ہندوستانی مخلوط رنگ نظر آنے لگا۔ اُن کے رسم و رواج نے انھیں اپنے قدیم سرچشمے سے ایسا جدا کر دیا کہ کوئی دیکھنے والا انھیں کبھی وہ قدیم مسلمان نہیں سمجھ سکتا، جنھوں نے ہندوستان کو فتح کیا تھا۔ اسی رسم و رواج کی بدولت انھوں نے اپنی تمام قدیم صفتیں[1] کھو دیں وہ جو کچھ اپنے ساتھ لے کر ہندوستان آئے تھے، اُسے برباد کر کے ہندوستان کا سرمایہ بھی تباہ کر دیا جس کی جانب حالی نے "شکوۂ ہند" میں کیا خوب اشارہ کیا ہے:

رخصت اے ہندوستاں اے بوستانِ بے خزاں	رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں
تو نے ثروت دی، حکومت دی، ریاست دی ہمیں	شکر کس کس مہربانی کا کریں تیری ادا،
نبھ سکیں لیکن نہ آخر تک بہ خاطر داریاں	جو دیا تھا تو نے، وہ آخر کو سب رکھوا لیا
خیر اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار	جس نے چاہا لے لیا اور جس کو چاہا دے دیا

[1] "صفتیں" کی جگہ لسان الصدق "صنعتیں" چھپا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ اسی لیے اپنے خیال کے مطابق اسے "صفتیں" کر دیا ہے (ا۔س۔ش)

پر گلہ یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ — وہ بھی تو نے ہم سے لے کر کر دیا بالکل گدا

سب سے بڑی وجہ ان بیہودہ رسم و رواج کی طبیعت ثانیہ ہونے کی یہ ہوئی کہ مذہبی توہمات اور علما کی غفلت نے عوام کو اچھا موقع دے دیا کہ وہ انھیں داخل مذہب سمجھ کر ہر مسلمان کے لیے لازمی سمجھ لیں۔ بعض رسومات ایسے تھے، جن سے علما اور واعظین کو بالخصوص مالی منفعت ہوتی تھی اور یہ منفعت انھیں اعلانِ حق سے باز رکھتی تھی۔ ایک مدت تک جب کسی قسم کی اصلاح نہ کی گئی تو ان کے طبیعتِ ثانیہ ہونے میں کیا دیر تھی؟ اسلامی حکومت کا آخری دور بالکل عیش و عشرت کا زمانہ تھا۔ لکھنو میں تمول اور بے فکری نے خود بہت سے نئے رواج پیدا کر دیے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شادی و غمی کی بے جا رسمیں زیادہ تر لکھنو ہی کی بے فکرانہ زندگی سے پیدا ہوئی ہیں۔

جب ہندوستان میں زمانے نے دوسرا دور شروع کیا اور وہ ایک متمدن سلطنت کے قبضے میں آیا تو یہ غیر ممکن تھا کہ ہر شخص قدیم روش کی طرح بے فکری کی زندگی بسر کرتا۔ اسباب کا پیدا کرنا اور تعلیم کا حاصل کرنا لازمی ہو گیا۔ لیکن رسم و رواج میں باوجود تعلیمی انہماک کے کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ ہر ایک رسم اسی طرح ہر معین موقع کے لیے ضروری رہی اور قدیم روش کی تقلید اسی طرح ہر شخص کے لیے لازمی قرار دی گئی لیکن چونکہ وہ بے فکری اور تمول ایک متمدن سلطنت کے زیر سایہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس لیے یہ قدیم روش سیکڑوں خاندانوں کے لیے بربادی کا باعث ہوئی۔ معمولی معمولی تقریبوں پر ہزاروں روپے صرف ہونے لگے اور سوسائٹی کے دباؤ سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ ان ظالم رسومات سے ذرا بھی مخالفت کر سکے۔

ہمارے ایک دوست نے ہندوستان کی یہ حالت دیکھ کر ہم سے بیان کیا کہ "ہندوستان کی غربت کی ایک بڑی وجہ یہاں کے رسم و رواج ہیں جو سوسائٹی کا زور لے کر ہر شخص سے مجبوراً سیکڑوں روپے صرف کرا لیتے ہیں"۔ لکھنو میں تمھیں اکثر یہ آوازیں سننے میں آئیں گی کہ بنّن میاں کی شادی میں پانچ ہزار کا قرضہ ہو گیا اور چھٹّن میاں کے ختنے میں دو مکان گروی ہو گئے۔ اب اور آمدنی کی کوئی صورت

نو ہے نہیں خاندان کا خاندان فاقوں مر رہا ہے اور سود کا خیال خون خشک کر رہا ہے۔ اگر اصلی معنوں میں سادگی کے ساتھ شادی کر دی جاتی اور صرف ختنہ کر دیا جاتا تو یہ بیسیوں اور چھپن خاندانوں کے تباہ ہونے کے باعث نہ ہوتے۔ رسم و رواج کی پابندی نے بہ کچھ خرابیاں ہندوستان میں پیدا کر رکھی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان کی اصلاح کی جانب آج تک کسی نے توجہ نہیں کی اور یہ مرض اسی طرح قوم میں ترقی کرتا گیا۔

اکثر اس خیال میں رہے کہ ہم جن ضروری اصلاحوں میں مشغول ہیں وہ اس اصلاح سے بدرجہا ضروری ہیں اس لیے اس اصلاح سے قوم کو وحشت ہوئی اور رسم و رواج کی محبت نے ہمیں ان کا مخالف سمجھ کر ہم سے بدظن کرا دیا تو اصلی کوشش میں خرابی پیدا ہو جائے گی اور اس اصلاح کی بدولت اور ضروری اصلاحیں بھی رہ جائیں گی۔

بعضوں نے یہ خیال کیا کہ جب قوم میں تعلیم عام ہو جائے گی اور جدید اثرات ہر دماغ تک پہنچ جائیں گے تو خود بخود اصلاح مراسم کا خیال طبیعتوں میں پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے اس وقت کوشش کرنی قبل از وقت ہے۔ یہ خیالات آج تک اس ضروری اصلاح سے مانع رہے اور حکیم کا بے جا سکوت اور مریض کی بے خبری نے مرض کو لاعلاج ہونے کے قریب کر دیا۔

اگر اس وقت بھی ہم اس قسم کی دور اندیشیوں میں مست رہیں گے، تو اس زمانے کو کچھ دور نہیں سمجھنا چاہیے جب کہ مرض کلیتہً لاعلاج ہو جائے گا اور تمام مسیحا بے وقت اس کے علاج سے عاجز ہو جائیں گے۔"

گزشتہ سطروں میں ایک طبقۂ فکر کے اس خیال کا ذکر آیا ہے کہ ضرورت تعلیم کے عام ہونے کی ہے۔ تعلیم کے فروغ کے ساتھ رسم و رواج کی خود بخود اصلاح ہو جائے گی۔ مولانا کے خیال میں رسم و رواج خود تعلیم کی راہ میں رکاوٹ ہیں تو تعلیم کی اشاعت سے رسم و رواج کی اصلاح کی منزل قریب کیوں کر آسکتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا کی نظر میں رسم و رواج کی اصلاح کی تحریک تعلیم کے فروغ کی تحریک سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی تھی بلکہ مولانا اسے دوسری اصلاحات قومی کے لیے بھی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ مولانا اس نقش کو اجاگر کرنے کے لیے

اسی سلسلۂ بیان میں فرماتے ہیں:

"وہ پہلی جماعت، جسے ہم نے "اکثر" کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ بیشک بہت سی ضروری اصلاحوں میں مشغول ہے اور بلاشبہ ان کا قوم میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اصلاحِ رسومات دراصل ایسی ضروری اصلاح ہے کہ ہر قسم کی اصلاح اس پر مبنی ہے۔ تعلیم کو مسلمانوں میں آج تک جو نا کامیابی ہوئی وہ بہت کچھ رسم و رواج کی پابندی سے ہوئی۔ اکثر خاندانوں میں اب تک انگریزی اسی لیے نہیں پڑھائی جاتی کہ ان کے یہاں ایک خاص نصاب تعلیم کی رسم پڑ گئی ہے اور رسم و رواج کے لحاظ سے اس کا پڑھانا ضروری ہے۔ انگریزی اگر اولاد کو پڑھائی جائے تو اس تعلیم کا وقت نہ ملے اور یہ رسم و رواج کے خلاف ہو۔ اسی قسم کی بہت سی رکاوٹیں ہر قسم کی اصلاحوں میں ان رسومات کی پابندی نے پیدا کر دی ہیں جو بلا اصلاحِ مراسم کے دور نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے اس جماعت کا اور اصلاحوں کو اس سے ضروری سمجھ کر ادھر توجہ نہ کرنا دراصل ایک بیّن غلطی ہے۔"

ان سطروں میں مولانا نے جو بات ارشاد فرمائی ہے۔ اُس پر غور فرمائیے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک اصلاحِ رسم و رواج کا مطلب صرف شادی اور موت کی رسموں کی اصلاح تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ اصلاحِ قومی کا ایک وسیع اور جامع تصور رکھتے تھے اور اُسی وقت (۱۹۰۳ء) سے وہ تعلیم کے نصاب میں اصلاح کے قائل تھے جس کے لیے زندگی کے آخری دور اور ملک کی آزادی کے بعد تک ان کی جدوجہد جاری رہی۔

اس کے بعد اسی پہلی جماعت — جسے مولانا نے "اکثر" کے ساتھ تعبیر کیا ہے، کے دوسرے خیال کی تردید میں فرماتے ہیں:

"اب رہی دوسری بات کہ رسم و رواج چوں کہ غایت درجے کی قوم میں وقعت رکھتے ہیں۔ اس لیے اگر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو قوم کو ہماری طرف سے تنفر بڑھے گا اور ہماری اور اصلاحوں میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک تو ہم نے کون سی ایسی اصلاحی کوشش کی ہے جسے قوم نے بلا کسی تنفر کے قبول کر لیا ہو؟ انگریزی تعلیم کی اشاعت پر جو کچھ ہمیں خطاب

سلے اور جس قدر ہم سے تنفر ظاہر کیا گیا، وہ ہمیں ابھی بھولا نہیں ہے۔

ایک ایسی قوم کی جس میں ایک مدت سے غایت درجے کی جہالت پھیلی ہوئی ہو، جب اصلاح کی جائے گی۔ چاہے وہ جس قسم کی ہو اور جس طرح کی ہو مصلحین سے اس کا متنفر ہونا ایک ضروری امر ہے۔ صرف اس خوف سے اصلاح مراسم جیسی ضروری اصلاح سے چشم پوشی کرنی کتنی بڑی غلطی ہے۔"

اس کے بعد مولانا دوسری جماعت کے خیالات پر بحث کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"دوسری جماعت کا اس توقع میں رہنا کہ جب تعلیم عام ہو جائے گی تو خود بخود قوم کو اصلاح کا خیال پیدا ہو جائے گا، کس قدر بے جا توقع ہے؟

تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ قدیم رسم و رواج جو خاندانوں میں نسلاً بعد نسلٍ قائم ہوتے چلے آئے ہیں، کبھی تعلیم سے دور نہیں ہو سکتے۔ سوسائٹی کا دباؤ، قدیم خاندانی اثر تعلیم پر غالب آجاتا ہے اور ایک تعلیم یافتہ شخص جو گھر سے باہر آزاد اور مہذب نظر آتا ہے۔ گھر کی چار دیواری کے اندر آکر پھر رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور وہ تعلیمی اثر جس نے اُسے گھر سے باہر مہذب اور آزاد دکھلایا تھا خاندانی اثر سے ناشائستہ رسومات کا پابند ہو جاتا ہے۔

تعلیم بے شک ایک قسم کا خفیف احساس پیدا کر دیتی ہے، لیکن ایک زبردست تحریک کی محتاج ہوتی ہے۔ جب تک وہ تحریک طبیعت میں آمادگی پیدا نہ کرے، طبیعت کسی چیز کے ترک کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔ اسی تحریک کا نام اصلاح کی کوشش ہے اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ اس کی کوشش کی جائے اور اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ فضول گفتگو اور بحث میں وقت ضائع کیا جائے بلکہ جو کچھ کرنا ہے اُسے شروع کر دینا چاہیے۔ "کن بداً و لاتکن لساناً" "گفتگو از حد گذشت و مرگ نزدیک آمدہ۔

اے عزیزان! آخر این بیمار را باشد علاج! بڑی مسرت کی بات ہے کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوۃ العلماء نے اصلاح تمدن اور اصلاح مراسم پر توجہ شروع کر دی ہے۔

ندوۃ العلماء نے آج تک جو کچھ کیا ہے، اُسی پر ہمیں اس وقت بحث مقصود

نہیں ہے، لیکن دہلی کے جلسے میں جو علمی کارروائی کانفرنس نے شروع کی ہے، وہ واقعی قابلِ توجہ ہے اور اسے دیکھ کر امید بندھتی ہے کہ یہ کوشش ضرور کوئی نتیجہ پیدا کرے گی۔

کانفرنس نے اصلاح تمدن کا علاحدہ صیغہ قائم کیا ہے۔ جس کے سکریٹری علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ جناب غلام الثقلین ہیں، جو واقعی اس اہم عہدے کے پورے لائق ثابت ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اسی مقصد کے لیے "عصرِ جدید" نامی ایک رسالہ بھی شائع کیا ہے اور ایسے ممبروں کے بڑھانے کا ایک عمدہ ذریعہ پیدا کر لیا ہے، جو اس امر کا عہد کر لیں کہ آیندہ کسی رسم کی پابندی نہیں کریں گے۔ ہم خواجہ صاحب کی اس کوشش کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جب وہ کانفرنس بمبئی میں اپنا سالانہ کارنامہ پیش کریں گے تو تمام قوم بھی ان کی خدمت کو ہماری طرح قدر کی نگاہ سے دیکھے گی۔ انھیں ضرورتوں کو دیکھ کر "لسان الصدق" کے مقاصد میں یہ مقصد داخل کیا گیا۔ لیکن چوں کہ سب سے زیادہ مضر رسومات وہ ہیں جن کا تعلق معاشرت سے ہے۔ اس لیے اصلاح معاشرت پر اس کی توجّہ زیادہ رہے گی۔"

اصلاح معاشرت کے سلسلے میں مولانا کے یہ عزائم اعلان تک ہی محدود نہ رہے تھے۔

لسان الصدق کے صفحات میں نہایت مفید اور فکر انگیز مضامین موجود ہیں اور جس طرح اردو کی ترقی کی ایک تحریک پیدا کر دی تھی اور معیاری تنقید کے ذوق کے نشوونما میں حصّہ لیا تھا۔ اصلاح معاشرت کا شعور پیدا کرنے اور غلط رسم و رواج اور توہّمات، اسراف، قرض، فضول خرچی وغیرہ سے نجات حاصل کرنے کی تحریک پیدا کرنے میں بھی لسان الصدق کا قابلِ قدر حصّہ ہے۔ اصلاح معاشرت کے سلسلے میں لسان الصدق میں یہ مضامین شائع ہوئے ہیں:

اسلام اور رسوم	مولوی محمد یوسف جعفری رنجور	ج ۱ ش ۲
" " (۲)	" " "	ج ۱ ش ۱
معاشرانہ زندگی (ترجمہ)[1]	" " "	ج ۲ ش ۵

[1] یہ سرجان لیبک کی کتاب "دی یوزآف لائف" کے ایک باب کا ترجمہ (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

معاشرانہ زندگی (ترجمہ) مولوی محمد یوسف جعفری رنجور ج ۲ ش ۶، ۷

شادی ابوالنصر آہ دہلوی ج ۱ ش ۲

توہمات کی زندگی 〃 〃 ج ۲ ش ۱

شگون 〃 〃 ج ۲ ش ۲

اصلاح معاشرت: حقوقِ نسواں اور اس کے متعلق

ایک بڑی غلط فہمی کی اصلاح مولوی سید محمد سعید بلگرامی ج ۲ ش ۵

〃 〃 〃 : شادی خانہ آبادی 〃 〃 〃 ج ۲ ش ۶، ۷

اس سلسلے میں مولانا آزاد کا ایک شذرہ جو انھوں نے کلکتہ کے ایک تاجر کی بیٹی کے کان چھیدنے کی رسم کے موقعے پر بے جا اسراف کے بارے میں لکھا تھا (ج ۱ ش ۱) اور مولوی سید محمد سعید بلگرامی کے مضمون پر ان کا نوٹ (ج ۲ ش ۵)، نیز مولوی محمد یوسف جعفری رنجور مرحوم کے ترجمے "معاشرانہ زندگی" (ضمیمہ ج ۲ ش ۵) پر ان کی تعارفی تحریر نہایت مفید، فکر انگیز اور اعلیٰ خیالات پر مبنی ہے۔

اصلاحِ معاشرت کا مسئلہ جس طرح اب سے سو برس پہلے سرسید مرحوم کے عہد میں اہم تھا۔ اسی طرح ۸۵ برس قبل لسان الصدق کی اشاعت کے دور میں لائقِ توجہ تھا، اسی طرح آج بھی یہ مسئلہ انتہائی اہم ہے اور ضرورت ہے کہ اس کے لیے ایک منظم اور مستقل تحریک پیدا کر دی جائے اور اسے مسلسل جاری رکھا جائے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کی بعض قومیں اور برادریاں بے جا رسموں، غلط رواجوں، قرض، فضول خرچیوں اور اسراف سے نجات پانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور کسی حد تک انھوں نے اس مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے تو اس میں سرسید مرحوم کی ایجوکیشنل کانفرنس کی تحریک اصلاح معاشرت، خواجہ غلام الثقلین کے "عصرِ جدید" اور مولانا آزاد کے لسان الصدق کا بھی حصہ ہے[1]

ہے جو مئی اور جون جولائی کے رسالے کے ساتھ بہ طور ضمیمہ شامل کیا گیا تھا منصوبہ یہ تھا اسی طرح ماہانہ اقساط میں رسالے کے ساتھ بہ طور ضمیمہ یہ ترجمہ شائع ہوتا رہے گا اور کچھ عرصے کے بعد قارئین لسان الصدق ایک عمدہ کتاب کا ترجمہ اپنے پاس موجود پائیں گے۔ لیکن یہ سلسلہ دو قسطوں سے آگے جاری نہ رہ سکا۔

---

[1] دراصل ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ زوال میں اصلاحِ معاشرت کی (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ہے)

دو سال کی جدوجہد اور مطالعہ و مشاہدے کے بعد مولانا آزاد کی نظر میں اصلاح معاشرت کی ضرورت اور اہمیت اور بڑھ گئی اور وہ لسان الصدق کے صفحات کے محض ایک حصّے کو اس اہم مقصد کے حصول کے لیے ناکافی سمجھنے لگے۔ چناں چہ ۱۹۰۵ء میں جب انھوں نے لسان الصدق کے نئے دور کے آغاز کا عزم کیا تھا تو یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ اصلاحِ معاشرت کے میدان کو کلیتاً "عصر جدید" کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ اہل علم اور اصلاح کا جذبہ رکھنے والوں کا تعاون اسے حاصل ہو اور وہ زیادہ دل جمعی اور اطمینان کے ساتھ اس مہم کو سر کرنے کی کوشش کر سکے۔

لیکن گزشتہ دو سال کے تجربات سے یہ بات بھی ان کے قلب پر نقش ہو گئی تھی کہ اصلاح معاشرت کی مہم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی :

۱۔ جب تک اصلاحِ خیالات کا مرحلہ طے نہ ہو جائے۔

۲۔ اصلاحِ خیالات کا مرحلہ طے کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ عورتوں کی جہالت ہے۔

۳۔ عورتوں کی جہالت دور کرنے کے لیے ان کی تعلیم ضروری ہے۔ اس لیے "اصلاح خیال" کے مقصد کا اس نئے دور کے مقاصد میں اضافہ کیا گیا۔

مولانا کے نزدیک معاشرتی برائیوں کا سرچشمہ عورتوں کی جہالت سے پھوٹتا ہے۔ پس اگر اصلاحِ معاشرت کے معاملے میں کوئی مخلص ہے اور قوم میں اصلاح کے عمل کا دل سے خواہشمند تو اسے سب سے پہلے عورتوں میں اشاعتِ تعلیم کی مہم سر کرنی چاہیے۔

اس وقت جب کہ میں یہ بات لکھ رہا ہوں اور مولانا آزاد کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہوں تو میرے سامنے لسان الصدق کے علاوہ بھی اسی دور کی مولانا کی بعض تحریرات ہیں۔

ترقی اردو :

اس مقصد کی وضاحت و تشریح میں مولانا لکھتے ہیں :

پہلی تحریک امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے پیدا کی تھی۔ انھوں نے اصلاح کی ضرورت محسوس کی اور جماعت میں اس کا احساس پیدا کیا، شاہ عبدالعزیز اور ان کے اخوان نے اسے آگے بڑھایا اور سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید وغیرہم نے اس تحریک کو منظم کیا اور اپنی زبان، قلم اور عمل سے اس سلسلے میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ سرسید کی اصلاحی تحریک بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی اور حضرت شاہ شہید کا فیضانِ نظر تھا اور خواجہ د آزاد کی اصلاحی کوششیں اسی کے سنابل۔

"اردو زبان نے آج تک جس قدر علمی ترقی کی ہے، وہ کسی خاص کوشش پر مبنی نہیں ہے۔ مسلمان آج تک اس سے بے خبر رہے اور صرف معمولی طور سے علمی تصانیف ان کے ذخیرے کو وسیع کرتی رہیں۔ غور کیا جائے تو چار زبانیں مشرقی زبانوں میں ایسی ملیں گی جو اردو کے ساتھ شمار کی جاسکتی ہیں۔ ترکی، عربی، فارسی اور بنگلہ۔ یہ وہ زبانیں ہیں جنھوں نے جدید اثرات اردو کی طرح اسی آخری دور میں حاصل کیے ہیں۔ ان میں سے تین زبانیں خاص اسلامی ممالک کی زبانیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فارسی نے بہ نسبت اردو کے کوئی قابلِ ذکر ترقی نہیں کی۔ لیکن ترکی اور عربی زبانوں کے مقابلے میں اگر اردو لائی جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ عربی زبان میں جدید علوم و فنون کی جس کثرت سے کتابیں موجود ہیں اور ہر ماہ جس قدر کتابیں عربی ترجمہ ہو کر شائع ہوتی ہیں، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جو بیروت اور مصر کی موجودہ حالت سے واقف ہو۔ ترکی زبان میں تمام جدید علوم کی کتابیں موجود ہیں اور روز بروز ترقی کرتی جاتی ہیں۔ اردو میں تو عربی کی دائرۃ المعارف (عربی انسائی کلوپیڈیا) اور "النقش فی الحجر" ہی کا جواب نہیں۔ اس مقابلے سے مقصود یہ ہے کہ اردو ابھی اور مشرقی اسلامی زبانوں سے بہت پیچھے ہے اور اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ علوم و فنون کے ترجمے کا اردو میں سلسلہ قائم نہیں ہوا اور صرف تعلیم کی جانب اب تک توجہ رہی۔

اس کے علاوہ اردو میں عمدہ تصانیف کی بھی کمی ہے۔ سوا چند مشہور مصنفوں کے جن کا نام انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے اور کسی قابل شخص کے قلم سے عمدہ تصنیف نہیں نکلتی۔ برخلاف اس کے مخربِ اخلاق ناولوں کی اور فضول کتابوں کی اس قدر کثرت ہے کہ شاید فارسی کی کتبِ عشقیہ نظم و نثر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ملک میں کافی تعداد ایسے اہلِ قلم کی موجود ہے جن کی کوششوں سے عمدہ کتابیں تصنیف ہو سکتی ہیں۔ لیکن عام میلان دیکھ کر وہ اس کی توقع نہیں کر سکتے کہ کسی علمی تصنیف کے ذریعے وہ کاپی رائٹ کے قاعدے سے مستفیض ہو سکیں گے۔ اس لیے انھیں بجائے مفید کتابوں کے ناولوں میں وقت صرف کرنا پڑتا ہے اور اس طرح اردو زبان کا علمی دائرہ بجائے وسیع ہونے کے

روز بروز زنگ ہوتا جاتا ہے۔

یہ تمام ضرورتیں ایک ایسی انجمن کی منتظر تھیں جو اردو زبان کی ترقی کے وسائل پیدا کرے اور اہل قلم کی مدد کر کے ان سے علمی خدمت لے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے لٹریری سیکشن کا انجمن ترقی اردو قائم کرنا واقعی ہمیں امید دلا رہا ہے کہ اس انجمن کی بدولت یہ تمام ضرورتیں رفع ہو جائیں گی اور ہم ایک دن اپنی زبان کو علمی زبانوں کی ہمسری کرتے ہوئے دیکھیں گے۔

لسان الصدق کا دوسرا مقصد "ترقی اردو" اسی انجمن کے متعلق ہے۔ یہ ان تمام وسائل کو عمل میں لائے گا جو ترقی اردو کے لیے انجمن قرار دے گی۔ بالخصوص بنگالہ میں انجمن کے مقاصد کی اشاعت اور بنگالہ کی اہلِ قلم جماعت کو اس پر متوجہ کرنا لسان الصدق کا اہم فریضہ ہے۔"

تنقید:

لسان الصدق کا تیسرا مقصد "تنقید؛ یعنی اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو کرنا" قرار پایا تھا۔ اس مقصد کی اہمیت پر بھی مولانا آزاد نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

"انگریزی میں کسی کتاب پر "ریویو" کرنا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ اس کتاب کے حسن و قبح پر بحث کی جائے اور ریویو نویس اپنی رائے ظاہر کرے۔ لیکن اردو میں ہمیشہ ریویو کا ترجمہ "تقریظ" کیا گیا ہے، جس سے ریویو کا اصلی مفہوم ہی مفقود ہو گیا۔ اس لیے کہ تقریظ تو عام طور پر کسی کتاب کی مدح و تحسین کرنے کا مفہوم رکھتی ہے۔ برخلاف ریویو کے کہ اس کا مفہوم صرف اس کے حسن ہی پر بحث کرنی نہیں ہے بلکہ اس کے قبح پر بھی نکتہ چینی کرنی ہے۔ اکثر کتابوں کے آخر میں بعض ہم عصر افاضل کی تقریظیں نظر آتی ہیں، جن میں مدح و تحسین سے دو تین صفحے کالے کرنے کے سوا "کریٹسزم" کے اصول سے ذرا بھی کام نہیں لیا جاتا۔ تقریظ کا صرف مدح و تحسین کا مفہوم رکھنا یہاں تک مسلم ہو گیا ہے کہ اگر کسی تقریظ میں کتاب پر کوئی ذرا سا اعتراض کیا ہو یا کتاب کی کسی قدر خرابی ظاہر کی ہو تو وہ تقریظ کے دائرے ہی سے باہر سمجھ کر اس قابل نہیں سمجھی جاتی کہ کتاب کے ساتھ شائع کی جائے۔

سر سید احمد خاں نے جب اپنے ابتدائی زمانے میں "آئینِ اکبری" کی تصحیح کی اور

اُسے طبع کیا تو مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ مرحوم سے تقریظ کی فرمایش کی۔ مرزا صاحب یورپ کے جدید آئین کے دلدادہ تھے اور آئینِ اکبری کو ایک فضول کام سمجھتے تھے۔ انھوں نے سرسید کی خاطر تقریظ تو نظم میں لکھ دی، لیکن اظہارِ رائے سے نہ بچ سکے۔ تقریظ کا پہلا شعر یہ ہے :

مژدہ یاراں را کہ ایں دیرین کتاب
یافت از اقبالِ سید فتح باب

اس کے بعد انھوں نے انگریزوں کے آئین اور ایجادات کی تعریف کی ہے اور اس کتاب میں سرسید نے جو عرق ریزی کی تھی، اُسے شاعرانہ پہلو سے فضول بتلایا ہے اور چند شعر سرسید کی مدح میں لکھ کر تقریظ ختم کر دی ہے۔

سرسید نے جب تقریظ دیکھی تو بہت ناراض ہوئے اور کتاب کے ساتھ شائع نہیں کی۔ اس ناراضی کا اصل سبب یہ تھا کہ سرسید "ریویو" کے اصلی مفہوم کے عادی نہ تھے۔ تقریظ میں صرف مدح و تحسین کا ہونا ان کے ذہن نشین تھا۔

"ریویو" کا اصلی ترجمہ ہماری زبانوں میں "تنقید" سے بہتر نہیں ہو سکتا اور ممالک اسلامیہ میں "ریویو" کی جگہ یہی لفظ مستعمل ہے۔ ہندوستان کے عام اخبارات میں آج کل جس طریقے سے کتابوں پر بالعموم ریویو کیا جاتا ہے، اُسے ریویو کی جگہ تقریظ کہنا چاہیے۔ نہ کتاب کی پوری کیفیت ظاہر کی جاتی ہے اور نہ اس کے حسن و قبح پر بحث ہوتی ہے۔ صرف مصنف اور جائے طبع اور قیمت کی اطلاع دے دینی ریویو نویسی کا فرض سمجھا گیا ہے۔ ایسے ریویو سے علاوہ اس کے کہ ریویو نویسی کا اہم فرض نہیں پورا کیا جاتا، سب سے بڑی یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ کتاب کے نقائص نہ پبلک پر ظاہر ہوتے ہیں اور نہ مصنف پر۔ رفتہ رفتہ مصنف بھی تقریظ کے عادی ہو جاتے ہیں اور پھر وہ کسی قسم کے اعتراض سننے کی قابلیت نہیں رکھتے۔

لسان الصدق کا فرض ہوگا کہ وہ ہر کتاب پر اپنی سچی رائے ظاہر کرے۔ اور جس طرح کتاب کا روشن پہلو پبلک کے سامنے کر دے، اسی طرح اس کے تاریک پہلو کو بھی پیش کر دے۔ وہ اس کی بالکل پروا نہیں کرے گا کہ اس کا مصنف کون

ہے اور کس پائے کا ہے؟ وہ تصنیف گو کیسے ہی بااقتدار اور مشہور شخص کی کیوں نہ ہو۔ یہ اس کی سچی خوبیاں ظاہر کر دے گا۔ کیوں کہ یہ لسان الصدق ہے اور سچائی اس کا دستور العمل ہے۔"

لسان الصدق میں مولانا کے قلم سے تنقید کے بہترین نمونے موجود ہیں لیکن تنقید کی جو اہمیت مولانا کی نظر میں تھی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا خود اس سے مطمئن نہ تھے اور لسان الصدق کے محدود صفحات کو اس کے لیے ناکافی خیال کرتے تھے۔ اس لیے انھوں نے خاص اس مقصد کے لیے "ریویو" کے نام سے ایک رسالہ نکالنے کا عزم کیا۔ اس سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں:

"..... انتقاد اس قدر ضروری اور اہم ہے کہ اس کے لیے ایک ایسا رسالہ جو اور مقصد کے لیے بھی اپنے اوراق صرف کرنا چاہتا ہو، کافی نہیں ہو سکتا اور اس لیے ہم نے اس مقصد کے لیے لسان الصدق کا ایک ضمیمہ "ریویو" جاری کرنا تجویز کیا ہے۔ جس کا اشتہار کسی دوسری جگہ درج کیا جائے گا۔"

اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے اس مشترکہ شمارے میں پورے ایک صفحے پر "ریویو" کا اشتہار بھی چھپا ہے۔ اس میں تفصیل کے ساتھ "ریویو" کے نصب العین اور مقاصدِ اجرا کی صراحت فرمائی ہے۔

۱۵ رجون سے اسے نکالنے کا عزم بھی کر لیا تھا۔ اگرچہ ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

علمی مذاق کی اشاعت:

یوں تو پورے ملک میں علمی مذاق کی اشاعت مولانا کے پیشِ نظر تھا۔ لیکن بنگال میں جس کے مرکز کلکتہ میں مولانا ایک مدت سے مقیم تھے، خاص طور پر علمی مذاق کی اشاعت چاہتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"لسان الصدق کا چوتھا مقصد علمی مذاق کی اشاعت بالخصوص بنگال میں ہے اگرچہ یہ مقصد عمومیت کے ساتھ تمام ہندوستان سے تعلق رکھتا ہے لیکن بنگالہ کی خصوصیت خاص اس صوبے کے مسلمانوں کی حالت پر مبنی ہے۔ ہندوستان میں تعلیم روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے اور بالخصوص مسلمانوں میں تعلیم یافتہ جماعت بڑھتی جاتی ہے لیکن باوجود اس کے علمی مذاق جس چیز سے عبارت ہے اس

کی مسلمانوں میں بڑی کمی ہے۔ زندہ دلان پنجاب ہمارے کلیتے سے کسی قدر مستثنیٰ ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں ورنہ ہندوستان کی عام حالت کے متعلق تو ہمارا اندازہ بہت صحیح ہے۔

علمی مذاق سے ہماری مراد اخبارات کا مطالعہ، علمی رسائل کی کثرت، مجالس علمی کی شرکت، علمی مباحث کا چرچا جو پنجاب کے سوا اور کہیں خال خال نظر آتا ہے۔ یہ تو ہمارے مقصد کے عام پہلو کی تشریح تھی۔ بنگالہ کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی اسلامی سوسائٹی اس مذاق سے بالکل معرّا ہے۔ اور اگر ہمارے بعض احباب بنگالہ اجازت دیں تو ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انھیں اپنی غلطی کا احساس بھی نہیں ہے۔

برخلاف مسلمانوں کے اگر اس صوبے کے ہندو بنگالیوں کو دیکھا جائے تو زمین و آسمان کی اَن نیچرل تشبیہ نیچرل معلوم ہوگی، جو علمی مذاق اور دماغی ترقی ہندوؤں میں نظر آتی ہے اسے دیکھ کر ایک باریک بیں نگاہ حیرت میں آجاتی ہے کہ ایک ہی خاک کے دو نوجوان ایک ہی یونیورسٹی سے کامیاب ہو کر نکلتے ہیں لیکن مسلمان نوجوان کسی خاص شغل کو حاصل کر کے ایسا بے خود ہو جاتا ہے کہ اسے کسی قسم کی علمی تحریک ہشیار نہیں کر سکتی۔ برخلاف اس کے وہ ہندو نوجوان باوجودے کہ ایک اعلیٰ درجے کے کام میں منہمک ہوتا ہے، علمی مذاق سے اپنی دماغی قوت کو قوی کرتا ہے اور شب و روز مسائل علمی اور مباحث فنّی کے مطالعے میں مشغول رہتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا کوئی نیز یا لوجسٹ ہمیں بتلا سکتا ہے کہ بنگالہ کے مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی دماغی امتیاز نہ ہے؟ یہ ممکن تھا کہ ہم بلا دریافت کے خارجی امتیاز کی بنا پر دماغی امتیاز بھی تسلیم کر لیتے۔ لیکن جب ہم انھیں بنگالی مسلمانوں میں بعض ایسے گراں مایہ وجود بھی دیکھتے ہیں جن کی علمی قابلیتوں کا تمام انڈیا معترف ہے اور جن کا قابلِ عظمت جوہر اپنی ملکی زبان میں ظاہر نہیں ہوا ہے بلکہ ایک غیر مانوس علمی زبان میں انھوں نے اپنا سکہ بٹھایا ہے تو ہمارا یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوتا ہے اور ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندوؤں کی علمی قابلیت کی اصلی وجہ ان کا علمی مذاق ہے، جس میں وہ کالج سے

نکل کر ہمیشہ مشغول رہتے ہیں اور مسلمانوں کی عدم قابلیت کی حقیقی وجہ اس مذاق سے بے بہرہ ہونا ہے جس کا انھیں بالکل احساس نہیں ہے "

لسان الصدق اپنی کوششوں سے پہلے ان میں اس کا احساس پیدا کرے گا اور پھر اس مذاق کی اشاعت کرے گا۔ اس صوبے سے کسی علمی رسالے کا اردو میں نہ نکلنا اس مذاق کے نہ ہونے کی بین دلیل تھی، جس کمی کو لسان الصدق نے عالم وجود میں قدم رکھتے ہی پورا کر دیا اور اسی طرح اپنی اور کوششوں میں بھی کامیاب ہوگا۔ والسعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ "

(لسان الصدق، ۲۰ر نومبر ۱۹۰۳ء ج ۱ ش ۱)

لسان الصدق کے مقاصد کی اس تفصیلی وتشریح کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا آزاد نے اوائل عمر اور علمی زندگی کے آغاز ہی میں پختہ علمی، ادبی اور لسانی و سماجی شعور حاصل کر لیا تھا۔ اس وقت مولانا کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی اور اس وقت انھوں نے جو بات کہی تھی، اس سے بلند بات آج تک زبان و قلم پر نہیں آئی۔

لسان الصدق کے تمام مضامین اس کے مقاصد کے دائرے کے اندر رہی ہیں۔ سوشل ریفارم اور تنقید کے میدان میں لسان الصدق کی علمی خدمات کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اردو کی ترقی اور اسے ایک علمی زبان بنانے کے سلسلے میں لسان الصدق کے تمام اہل قلم کے کاموں پر تبصرے کے لیے تو ایک دفتر مطلوب ہوگا۔ یہاں صرف مولانا آزاد کی خدمت پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔ مولانا آزاد کے قلم سے لسان الصدق میں مندرجہ ذیل مضامین اور نوٹس ہیں:

۱۔	اردو شارٹ ہینڈ	فروری ۱۹۰۴ء
۲۔	ملکی زبان سے غفلت	" "
۳۔	دارالسلطنت ہند میں ایک عمدہ پریس کی ضرورت	اپریل "
۴۔	اردو انسائیکلوپیڈیا	جون جولائی "
۵۔	دیسی اور ولایتی الفاظ	اگست ستمبر "
۶۔	ترقی اردو اور تراجم علوم و فنون (۱)	" " "
	" " " (۲)	اپریل مئی ۱۹۰۵ء

مضامین پر سرسری تبصرہ :

اس فہرست میں سب سے پہلا عنوان " اردو شارٹ ہینڈ رائٹنگ " کی ایجاد سے متعلق ایک نوٹ ہے ۔ اس کے مطابق یہ فن منشی غلام رسول (بمبئی) نے ایجاد کیا تھا ۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کے سامنے اردو کی علمی ترقی ہی کا مسئلہ نہ تھا بلکہ عام اور کاروباری زندگی اور سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں میں اردو کے نفاذ و رواج کا مسئلہ اور زمانے کی تیز رفتاری اور اس کی ضروریات و مقتضیات بھی تھیں ۔

دوسرا مضمون مصر کے روزنامے " المؤید " کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے ، جس کے شروع میں مولانا نے ایک نوٹ دیا ہے ۔ اس نوٹ میں مولانا نے شکوہ کیا ہے کہ ہمارے نوجوان کئی عالمی زبانوں میں عبور حاصل کرتے ہیں لیکن اپنی ملکی زبان سے غفلت برتتے ہیں ۔ حالاں کہ مہذب دراصل وہی شخص ہے جو اپنے قومی اور مذہبی لٹریچر سے بھی واقف ہو ۔ مولانا نے توقع ظاہر کی ہے کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اپنی ملکی اور قومی زبان کی تحصیل کی بھی سعی کرنی چاہیے ۔

زبان کی ترقی میں پریس کا جو اہم کردار رہا ہے اور آیندہ بھی اسے جو اہمیت حاصل رہے گی ، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ مولانا آزاد کو اس کا شدید احساس تھا ۔ اس لیے پریس کی ترقی اور آزادی کے لیے جو کوششیں مولانا نے الہلال کے آغاز اشاعت (۱۹۱۲ء) سے کی تھیں اور الہلال کے دور ثانی (۱۹۲۷ء) تک جاری رہیں ۔ ان کا سرآغاز ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں ملتا ہے جب انھوں نے ایڈورڈ گزٹ شاہجہان پور کی وقتی ایڈیٹری کے زمانے میں پریس کے سلسلے میں ایک نوٹ لکھا تھا اور پھر مخزن ، لاہور مئی ۱۹۰۲ء میں انھوں نے فنِ اخبار نویسی کے عنوان سے مضمون لکھا تھا ۔ اس کے دو سال کے بعد لسان الصدق اپریل ۱۹۰۴ء میں مولانا نے دارالسلطنت ہند میں ایک عمدہ پریس کی ضرورت کے عنوان سے یہ مضمون لکھا تھا ۔

اردو انسائیکلوپیڈیا کی تحریک کی ایک طویل تاریخ ہے ۔ مختلف اوقات میں کئی حضرات نے اس کی تالیف و تدوین کا عزم کیا لیکن مختلف وجوہ سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی مولانا آزاد نے کئی ایسی تجویزوں اور عزائم کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے :

> " فی الحقیقت اردو انسائیکلوپیڈیا کی اشد ضرورت ہے اور انجمن ترقی اردو کو ضرور اس پر توجہ کرنی چاہیے ۔ اس کی ترتیب کے متعلق ایک اور آسان تجویز ہے جو پیش کر دی جائے گی ۔ "

مولانا کے اس نوٹ سے جو لسان الصدق کے جون جولائی ۱۹۰۴ء کے مشترکہ شمارے میں چھپا تھا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا اپنی علمی و ادبی زندگی کے آغاز ہی سے اردو زبان کی ترقی اور اس کے علمی لٹریچر میں اضافے کے بارے میں سوچتے تھے اور اس کے لیے ان کے ذہن میں تجاویز تھیں جن کا اظہار لسان الصدق کے مقاصد کی تشریح اور مختلف مضامین وغیرہ میں ہوا ہے۔

لسان الصدق اور بعض دیگر مآخذ کے حوالے سے اردو زبان اور علوم و فنون کی ترقی، تراجم کی اہمیت اور موضوع کے اطراف و جوانب پر مولانا آزاد کی خدمات کے بارے میں اپنی کتاب "اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ[1]" میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ اس لیے یہاں اس بحث کی تکرار مناسب نہیں۔

لسان الصدق کے نئے دور کا آغاز:

جنوری ۱۹۰۵ء سے مولانا آزاد لسان الصدق کا ایک نیا دور شروع کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ اس شمارے کی اشاعت میں اتنی تاخیر ہوئی کہ جنوری کے شمارے کو اپریل مئی ۱۹۰۵ء کا مشترکہ شمارہ بنانا پڑا۔ اس شمارے میں مولانا نے اپنے تجربے اور مطالعہ و مشاہدہ کی روشنی میں لسان الصدق کے مقاصد کی از سرِ نو تالیف کی ہے۔

اس میں مولانا نے اس کے پہلے مقصد سوشل ریفارم کو ان سے الگ کر دیا ہے کہ یہ مقصد نہایت توجہ کا طالب تھا اور لسان الصدق کے دیگر مقاصد کے ساتھ ان پر قرار واقعی توجہ کی جا سکتی تھی اور نہ اس کی اہمیت کے مطابق اس کے لیے صفحات کی گنجایش پیدا کی جا سکتی تھی۔ نیز یہ خدمت "عصرِ جدید" نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہا تھا۔ عصرِ جدید کا اجرا آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبۂ اصلاحِ معاشرت کے تحت عمل میں آیا تھا۔ خواجہ غلام الثقلین مرحوم اس شعبے کے سکریٹری اور عصرِ جدید کے ایڈیٹر تھے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"لسان الصدق کے قدیم مقاصد میں پہلا مقصد سوشل ریفارم درحقیقت ایک

---

[1] خاکسار کی یہ کتاب ہندوستان میں "انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دلی ۲۰۰۱" سے اور پاکستان میں "ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان، کراچی ۱۱" سے شائع ہوئی ہے۔ اس میدان میں مولانا آزاد مرحوم کی خدمات کے تفصیلی مطالعے کے لیے اس کتاب سے رجوع کرنا چاہیے۔

مفید اور ضروری مقصد ہے اور اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ ایسے اہم مقصد کو ضمنی طور پر داخلِ مقاصد کیا جائے۔ معزز ''عصرِ جدید'' اس کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے اور یہ اسی کا حصّہ ہے۔ لہٰذا یہ مقصد آیندہ کے لیے مقاصدِ لسان الصدق سے الگ کرتے ہیں''

اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کے دل میں اس مقصد کی اہمیت کم نہیں ہو گئی تھی بلکہ اس کا نقش کچھ اور گہرا ہو گیا تھا نیز یہ کہ وہ صحافت میں تقسیم موضوعات کے قائل تھے اور اس اصول کے تحت چاہتے تھے کہ علم و ادب اور سماجی، معاشرتی، تاریخی، مذہبی اصلاح و ترقی کے مقاصد کے لیے الگ الگ رسالے جاری کیے جائیں اور ان پر پوری توجہ دی جائے۔

یہ مقصد ہمیشہ مولانا کے سامنے رہا اور اس سلسلے میں اہم، فکر انگیز اور نہایت مفید مضمون لسان الصدق میں شائع ہوئے۔ لکھنے والوں میں مولانا آزاد کے علاوہ مولانا محمد یوسف جعفری رنجورؔ، مولوی ابوالنصر غلام یاسین آہؔ وغیرہ شامل ہیں۔

اس سلسلے میں اہم چیز جو مولانا کے خیالات کے مطالعے سے سامنے آتی ہے کہ غلط عوائد و رسوم کی اصلاح میں سب سے بڑی رکاوٹ غلط خیالات اور توہمات ہوتے ہیں اس لیے اگر عمل اصلاح میں یہ ترتیب رکھی جائے کہ پہلے غلط عقائد کو درست کر دیا جائے، باطل خیالات کی اصلاح کر دی جائے اور توہمات میں مبتلا ذہنوں کو اس کے سحر سے نجات دلا دی جائے تو اصلاح کی راہ آسان اور منزل نزدیک ہو جاتی ہے۔ مولانا آزاد کے نزدیک اصلاحِ خیال کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ ۱۹۰۵ء سے جب لسان الصدق کے نئے دور کا آغاز کر رہے تھے تو اس کے مقاصد میں یہ اضافہ کیا۔

۲۔ لسان الصدق کا دوسرا مقصد دورِ اوّل میں ''ترقی اردو'' تھا۔ یہ مقصد دوسرے دور میں بھی اسی طرح پیشِ نظر رہا۔ بلکہ دوسرے دور میں مولانا نے اسے لسان الصدق کا ''اصلِ اصول'' قرار دیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں :

''دوسرا مقصد ''ترقی اردو'' درحقیقت لسان الصدق کی آیندہ زندگی کا اصل اصول ہے کیوں کہ اردو کی ترقی محض علمی مضامین کی اشاعت اور اردو داں پبلک کے علمی مذاق پر موقوف ہے اور لسان الصدق بھی اپنا آیندہ مقصد

قرار دیتا ہے۔"

۳۔ دورِ اوّل میں تیسرا مقصد علمی مذاق کی اشاعت تھا۔ دوسرے دور میں بھی اس کی اہمیت برقرار رہی اور اردو کی ترقی کو علمی مضامین کی اشاعت پر موقوف قرار دیا گیا ہے۔ اور آیندہ کے لیے اس کی پہلی خصوصیت قرار دی گئی مولانا لکھتے ہیں:

"بے نتیجہ لٹریری اور تفریحی (مضامین) ترک کر کے صرف کارآمد اور علمی مضامین اس میں شائع کیے جائیں گے۔"

اگرچہ کہنے کو اب دوسرا مقصد "ترقی اردو" ہے لیکن غور کیجیے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اصل اور بنیادی مقصد علمی مضامین کی اشاعت اور علمی ذوق کی تربیت ہے اور حاصل اس کا "ترقی اردو"۔ اس مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لٹریچر نے گو اس کا ساتھ نہیں چھوڑا اگر وہ لٹریری دنیا سے بالکل ترک تعلق کرتا ہے اور اب ہمیشہ کے لیے علوم و فنون کے چٹیل میدان میں قدم رکھتا ہے۔"

چند خاص موضوعات:

لیکن علوم و فنون کی دنیا جو سیکڑوں علوم و فنون تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اس باب میں کوئی نظام پیش نظر نہ ہوتا تو قارئین کے علمی ذوق کی تربیت ممکن نہ ہوتی۔ اگر سیکڑوں علوم و فنون میں سے کبھی کسی ایک علم سے متعلق کبھی کسی فن کے متعلق کسی نظام کے بغیر مختلف و متفرق علمی مضامین شائع کیے جاتے رہے تو علمی ذوق کی تربیت میں ان سے وہ فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا تھا جو پیش نظر تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ چند علوم کو منتخب کر لیا جاتا اور اسی دائرے میں علمی مضامین شائع کیے جاتے اور ایک محدود دائرے میں یکے بعد دیگرے مضامین کی اشاعت سے وہ فوائد حاصل کیے جاتے جو پیش نظر تھے۔

مولانا آزاد نے لسان الصدق کو علمی مضامین کی اشاعت کے لیے وقف کر دینے کا فیصلہ کیا تو اس کے لیے ایک منصوبہ اور نظام ان کے ذہن میں تھا جس کا اظہار انھوں نے اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے شمارے میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"لسان الصدق کے آیندہ مضامین کے لیے ہم نے "علوم" سے تین سبجیکٹ انتخاب کر لیے ہیں۔ جن کی اشاعت اس کا مقصد ہو گا۔ سائنس، تاریخ، اخلاق۔

چوں کہ لسان الصدق کی آنے والی زندگی کا مذہبی تحقیقات سے بھی تعلق رہے گا۔ اس لیے مذہب کا مقدس سبجیکٹ بھی اس کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے اور تین سے چار تک تعداد بڑھائی جاتی ہے۔

انھیں میدانوں تک لسان الصدق کی آئندہ قلمی کوشش محدود رہے گی۔ اور یہی وہ میدان ہیں جن میں محدود رہنے کی لسان الصدق کوشش کرے گا۔ وہ ایسی بلند پروازی کو پسند نہیں کرتا جو اس دائرے سے اس کو باہر کر دے۔"

آخری جملے میں مولانا نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے۔ علم و عمل کے کسی میدان میں بھی بہترین نتائج کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ تقسیم کار اور دائرہ بحث و عمل کے اصول کی سختی سے پابندی کی جائے اور جو دائرہ کار مقرر کر لیا جائے اس سے باہر قدم نہ نکالا جائے۔

۴۔ دورِ اوّل میں چوتھا مقصد "تنقید" — یعنی اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو کرنا تھا۔ دوسرے دور میں یہ مقصد تیسرے مرتبے میں نمایاں ہوا لیکن اس اہمیت کے ساتھ کہ لسان الصدق کے محدود صفحات کو اس کے لیے ناکافی سمجھا گیا اور خاص اس مقصد کے لیے "ریویو" کے نام سے ایک مستقل ضمیمہ نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"تیسرا مقصد "انتقاد" اس قدر ضروری اور اہم مقصد ہے کہ اس کے لیے ایک رسالہ جو اور مقاصد کے لیے بھی اپنے اوراق صرف کرنا چاہتا ہو، کافی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہم نے اس مقصد کے لیے لسان الصدق کا ایک ضمیمہ "ریویو" جاری کرنا تجویز کیا ہے۔ جس کا اشتہار کسی دوسری جگہ درج کیا جائے گا۔"

۵۔ دورِ اوّل میں لسان الصدق کے چار مقاصد بیان کیے گئے تھے۔ لیکن چوں کہ سوشل ریفارم کے مقصد کو اس سے الگ کر دیا گیا تھا، اس لیے "دورِ ثانی" میں تین مقصد باقی رہے اور ایک نئے مقصد کا اضافہ کیا گیا اس طرح دورِ ثانی میں بھی چار مقصد ہی اس کے صفحات پر نمایاں ہوئے تھے۔

اصلاحِ خیال۔ ایک نئے مقصد کا اضافہ:

اس دور میں مولانا نے لسان الصدق کے مقاصد پر نظر ڈالی اور اس میں جو ترمیم و

اصلاح ضروری سمجھی اس کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن اس دور کی ایک اہم خصوصیت ایک مقصد "اصلاحِ خیال" کا اضافہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"لسان الصدق کے آئندہ مقاصد میں ایک مقصد" اصلاحِ خیال" بڑھایا جاتا ہے۔ جس کی زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ قوم میں جو مذہبی، اخلاقی، تاریخی اور علمی غلط فہمیاں طبیعت ثانی ہو کر پھیل گئی ہیں، ان کو مختلف دلائل اور مختلف علمی ذرائع سے دور کرنے کی کوشش کرنا، خیالات میں صلاحیت پیدا کر کے تاریکی سے نکالنا اور روشنی کا عادی بنانا تاکہ آیندہ نسلیں ان کمزوریوں سے محفوظ رہیں اور آنے والا زمانہ توہمات کی تاریکی سے پاک وصاف ہو جائے۔"

اس سلسلے میں جو اہم چیز مولانا کے خیالات اور لسان الصدق کے اصلاحی مضامین کے مطالعے سے سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ عوائد ورسوم کی اصلاح میں سب سے بڑی رکاوٹ غلط خیالات اور توہمات ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر اصلاح عمل میں یہ ترتیب رکھی جائے کہ پہلے غلط عقائد کو درست کیا جائے، باطل خیالات کی اصلاح کی جائے اور توہمات میں مبتلا ذہنوں کو اس کے سحر سے نجات دلا دی جائے تو" اصلاحِ عمل" کی راہ صاف اور آسان ہو جاتی ہے۔

اوپر مولانا آزاد کی تحریر کا جو اقتباس گزرا ہے اس کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ "اصلاحِ خیال" کا مفہوم مولانا کے ہاں عوائد ورسوم کے میدان میں غلط خیالات کی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ مذہب، اخلاق، تاریخ کے میدانوں تک وسیع ہے۔ مولانا کے نزدیک جہاں بھی غلط خیالات و توہمات موجود ہیں، ان کی اصلاح کی ضرورت ہے اور یہی "اصلاحِ خیال" کے مقصد کے اضافے کا مطلوب ہے۔

پچھلے صفحات میں لسان الصدق کے نئے دور میں مولانا آزاد کے جن خیالات اور عزائم کا ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ اعلان واظہارِ عزائم سے یہ بات آگے نہ بڑھی اور ان عزائم کے مطابق لسان الصدق کا کوئی نقش دنیا کے سامنے نمایاں نہ ہو سکا۔ لیکن مولانا کے خیالات بہ تفصیل ہمارے سامنے آ گئے ہیں، جن سے ہم آج کی صحافت کے مقاصد و مضامین کی تالیف وتہذیب اور تقسیم و ترتیب میں ضرور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اگرچہ صحافت کا قافلہ برق رفتار گزشتہ پچاسی سال کی مدت میں کہیں سے کہیں پہنچ چکا ہے لیکن سوشل ریفارم، علمی مضامین کی اشاعت، علمی ذوق کی تربیت اور کسی زبان کی ترقی میں علمی مضامین کی اہمیت اور مختلف مقاصد کے لیے الگ الگ رسائل کی اشاعت کی ضرورت اور منصوبہ بندی اور تقسیم کار کے اصول پر سختی سے عمل کرنے کی ضرورت اور اہمیت میں آج بھی کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ علوم و فنون کے بے حد پھیلاؤ، زندگی کی مصروفیات و افکار میں اضافے اور تیز رفتاری کے دور میں ان امور کی اہمیت زیادہ ہو گئی ہے۔

لسان الصدق کی چہارگانہ خصوصیات:

خصوصیات کے ضمن میں مولانا نے یورپ میں صحافت کی چار خصوصیات ایسی بتلائی ہیں جن کی ہندوستان کی اردو صحافت میں کوئی مثال موجود نہیں تھی لیکن لسان الصدق میں مولانا یہ خصوصیات پیدا کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں:

"اب لسان الصدق ایک ایسے رسالے سے عبارت ہے جو کار آمد مفید ملک اور رسائن ٹی ٹک مضامین کا ایک عمدہ مخزن ہے۔ جس کے کار آمد اور مفید بنانے میں ہندوستانی کوشش کے تمام ممکن ذرائع سے کام لیا گیا ہے اور جس سے بہتر نمونہ اردو پریس کی موجودہ حالت نہایت مشکل سے پیش کر سکتی ہے۔

اس میں چند خصوصیتیں یورپ اور ممالک اسلامیہ کے رسائل کی تقلید میں ایسی جمع کی گئی ہیں، جن کی نظیر آج اردو کا کوئی رسالہ پیش نہیں کر سکتا۔۔۔۔ یورپ میں مختلف مذاق کے جو رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ان کی تقلید میں مصر و ترکی آج تمام ایشیا میں فوقیت رکھتا ہے۔ ان ممالک کے رسائل میں چند خصوصیتیں ایسی ہیں جن کی اردو رسالوں میں نظیر نہیں ملتی:

۱۔ اوّل یہ کہ چھپائی، لکھائی اور کاغذ کی عمدگی ان کی ظاہری صورت میں دل فریبی اور خوش نمائی پیدا کر دیتی ہے جو اردو رسائل میں بالکل نہیں ہے۔ اگر ایک دو رسالے اس امر میں زیادہ کوشش کرتے بھی ہیں تو بھی ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔

۲۔ دوم یہ کہ ان کی ضخامت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ضخامت کے اردو

رسالے کو اس کا تیسرا حصہ بھی بہ مشکل کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے ان میں مضامین ہر قسم کے بہ کثرت آ سکتے ہیں اور ایک مہینے کی دل چسپی کا فی سامان جمع کر سکتے ہیں۔

۳۔ سوم یہ کہ مضامین کے جمع کرنے میں نہایت کوشش اور محنت سے کام لیتے ہیں۔ اردو رسالوں میں دو چار رسالے ایسے بہ مشکل نکلیں گے جن کے ہر نمبر میں کوئی نہ کوئی عمدہ مضمون ضرور ہو۔ ورنہ عموماً صفحات پری کے لیے ہر قسم کے ردی اور بے نتیجہ مضامین جمع کر دیے جاتے ہیں۔

۴۔ چہارم یورپ اور امریکہ کے رسالوں میں ایک ایسی عجیب قوت سے کام لیا جاتا ہے جو رسالے میں ایک نئی روح پیدا کر دیتی ہے اور یہی وہ روح ہے جس سے ہمارے اردو رسالے بالکل خالی ہیں۔ اس لیے ان کے مقابلے میں بے جان مُردے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ وہ عجیب قوت "تصاویر" ہیں، جن کا مضامین کی دل چسپی اور اہم مطالب کی تسہیل کے علاوہ رسالے کی ظاہری صورت پر بھی نمایاں اثر پڑتا ہے۔

"تصویر" آج بیسویں صدی میں تاریخی، اخلاقی مضامین کا جزو اعظم تسلیم کر لی گئی ہے اور روز بہ روز اس کی ضرورت پر زیادہ توجہ ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے جب تک اردو رسائل اس قوت سے کام نہ لیں گے، ان میں وہ خوبیاں پیدا نہیں ہو سکتیں جو یورپ کے رسالوں کی خصوصیات تسلیم کی گئی ہیں۔

یہ وہ خصوصیتیں ہیں جن سے اردو رسالے بالکل محروم ہیں۔ اس لیے متعدد رسائل کی موجودگی پر بھی اردو میں ایسے رسالوں کی سخت ضرورت باقی ہے جو یہ خصوصیات حاصل کر کے مغربی تقلید کا کامل نمونہ پیش کریں اور دل چسپ مگر بے نتیجہ مضامین کو ترک کر کے خشک مگر کار آمد مضامین سے ملک میں علمی مذاق پیدا کریں۔"

تصاویر:

مولانا نے یورپ اور بعض اسلامی ممالک کی صحافت کی جن چہار گانہ خصوصیات

کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ نہایت واضح ہیں۔ ان کی حقیقت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ میں یہاں صرف چوتھی خصوصیت "تصویر" کے حوالے سے چند خیالات کے اظہار پر اکتفا کروں گا۔

لسان الصدق میں تصاویر شائع نہیں ہوتی تھیں۔ اس وقت کا عام چلن بھی یہی تھا لیکن ۱۹۰۵ء میں جب نئے دور کا آغاز کیا جا رہا تھا تو مولانا آزاد نے تصاویر کی شمولیت کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن یہ فیصلہ رسالے کے ظاہر کو محض خوبصورت اور دل کش بنانے کے نقطۂ نظر سے نہ تھا جیسا کہ بعض ادبی تفریحی رسائل میں ایک دو خوبصورت تصاویر شامل کر لی جاتی تھیں یا سرورق کو کسی تصویر سے حسین و رنگین بنا دیا جاتا تھا۔ مولانا نے تصاویر کی تاریخی و علمی افادیت کے پیش نظر اور کسی مضمون کی تفہیم و تسہیل اور اس سے دلچسپی پیدا کرنے کے نقطۂ نظر سے یورپ اور امریکہ کے رسائل کی تقلید میں یہ فیصلہ کیا تھا۔ اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے شمارے میں جہاں لسان الصدق کے آئندہ خصائص کے بارے میں بحث کی ہے۔ اس دفعہ (۴) کے تحت مولانا نے جو تحریر فرمایا اس پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے۔ اس سے مولانا کے علمی ذوق اور اس کے فروغ و تربیت کے لیے ذرائع و وسائل کے باب میں مولانا کے شعور اور آزادو بلند خیال کا اندازہ ہوتا ہے۔

تصاویر کی علمی افادیت اور مضامین کی تفہیم و تسہیل میں، ان کی اہمیت کے بارے میں مولانا نے ۱۹۰۵ء میں ان خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ اس سے ہمیں الہلال کو باتصویر نکالنے کے فیصلے کا پس منظر بھی معلوم ہو جاتا ہے اور الہلال میں مطبوعہ تصاویر پر نظر ڈالنے سے ان کی علمی، تاریخی اہمیت اور مضمون کی تسہیل کے نقطۂ نظر سے ان کی افادیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

سورہ کہف میں ذوالقرنین کی بحث میں مولانا نے ترجمان القرآن میں سائرس کے ایک مجسمے کی تصویر شامل کی تھی۔ یہ مجسمہ ایران میں آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران میں دریافت ہوا تھا۔ مولانا نے تفسیر کے اس مقام پر جہاں ذوالقرنین کی شخصیت کے تعین کی بحث کی ہے، اس میں اگر یہ تصویر سامنے ہو تو تاریخ میں مذکور ایران کے سائرس اور قرآن کے ذوالقرنین کے خصائص فکر و سیرت کے موازنے میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ لیکن

جو ذہن کسی تصویر کی علمی افادیت سے آشنا نہ ہو، وہ اسے گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ چناں چہ یہی ہوا کہ ایک بزرگ نے یہ سن کر کہ تفسیر میں تصویر چھاپی گئی ہے مفسر کے خلاف کفر کا فتویٰ داغ دیا۔

تصویر و تمثیل کی علمی افادیت و اہمیت کے بارے میں مولانا آزاد نے ایک مستقل تحریر میں بھی نہایت اہم اور مفید اشارے کیے ہیں۔ مولانا کی یہ تحریر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے "ذکرِ آزاد" میں شائع کی ہے۔ خاکسار نے "افاداتِ آزاد" میں اسے شامل کر لیا ہے۔

لسان الصدق کے دیگر خصائص کے مطالعہ و مشاہدہ کے لیے تو قارئین کو آئندہ شماروں کا انتظار کرنا تھا لیکن بد قسمتی سے یہ سلسلہ اس نمبر سے آگے نہ بڑھ سکا۔ البتہ تصویر کے بارے میں مولانا نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر عمل کا آغاز اسی پرچے سے کر دیا گیا چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ یونان کے ایک فاتح لیکچرار "ڈی ماس تھینز" کا جو ترجمہ ابو النصر آہ دہلوی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اس عظیم خطیب کے اسٹیچو کی تصویر بھی شامل ہے۔

اس سے بڑھ کر سر سید احمد خاں اور ان کے نورتنوں کی وہ تصویر ہے جو بڑے سائز پر چھاپ کر لسان الصدق کے خریداروں کی خدمت میں بھیجی گئی تھی اور "دربار سید اعظم" کے عنوان سے ایک نوٹ اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے اسی شمارے میں (سرورق ص ۳) شامل کر لیا تھا۔

آج ہمارے سامنے مرقع نہیں لسان الصدق میں مولانا کا صرف یہ نوٹ ہے۔ اس کے مطالعے سے ہم مرقع کی اہمیت اور مولانا کے ذوق کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اس نمبر کے ساتھ ایک دل چسپ گروپ خریدارانِ رسالہ کی خدمت میں نذر کیا جاتا ہے جو غالباً اردو رسالوں میں پہلا قدم تسلیم کیا جائے گا۔

اکبر کا نورتن دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں ایک خاص امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن مجددانِ اعظم کے درباروں میں سر سید اعظم کا نورتن[1] بھی ہمیشہ ممتاز نظروں سے دیکھا جائے گا۔ اکبر اعظم نے اپنے مشیروں

---

[1] "سر سید کا دربار اعظم" ـــــ معلوم نہیں یہ کس سنہ کا اور کون سا (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ہے)

کے کمال سے فائدہ اٹھا کر اگر ہندوستان کے بڑے بڑے مقامات کو فتح کر لیا تھا تو سر سید اعظم نے اپنے مشیروں کی ہمدردی سے فائدہ اٹھا کر ہندوستانیوں کے سخت دلوں کو فتح کر لیا تھا۔

یہ گروپ ایسی صورت میں حاضر کیا جاتا ہے جو چوکھٹوں میں لگا کر کمروں کی زینت کا کام دے سکے۔ ورنہ دوسری حالت میں رسالے کے ساتھ بھی غیر موزوں حالت میں رہتا۔

یہ گروپ درحقیقت ایک ادنیٰ نمونہ ہے، ان بے شمار تصویروں کا جو آئندہ خریداران لسان الصدق کی خدمت میں حاضر ہوا کریں گی ؎ (اپریل و مئی ۱۹۰۵ء، سرورق ص ۲)

لسان الصدق کے دور میں اکبر اعظم، اس کے دربار، اس کی فتوحات اور نورتنوں کی مناسبت سے سرسید کے لیے "سید اعظم" ان کے مجمع علمی کے لیے "دربارِ سید اعظم" ان کے رفقائے کار کے لیے "نورتن" ان کے کارنامے کے لیے سخت دلوں کو فتح کرنے کی اصطلاحات و تراکیب کا استعمال مولانا آزاد کے نکتہ آفرین ذہن اور ان کے ادبی ذوق کا بڑا ثبوت ہے۔

سرسید کے حلقۂ علمی کے لیے "نورتن" کی اصطلاح مولانا آزاد کی اپنی ایجاد تھی۔ اپنی کہانی میں مولانا نے بیان کیا ہے کہ سرسید کے ساتھ ان کا حلقہ یا اس وقت میری اصطلاح

مرقع ہے جو مولانا آزاد کے نزدیک تحفے کی حیثیت رکھتا تھا اور لسان الصدق کے قارئین کی نذر کیا تھا۔ شاید کسی لائبریری، کسی گیلری یا کسی صاحبِ ذوق کے ذخیرۂ نوادر میں موجود ہو۔ یہ بھی پتا نہیں کہ اس میں واقعی "نو" رتن موجود تھے یا اکبر کے نورتن کی ترکیب سے فائدہ اٹھایا ہے اور سرسید کے عظیم رفقا کے لیے نورتن کی ترکیب استعمال کی ہے۔ خواہ تعداد کم و بیش ہوا بہرحال یہ یقین ہے کہ سرسید کے حلقۂ علمی کی زیادہ سے زیادہ شخصیات ہوں گی اور حضرت سرسید اعظم کے علاوہ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین، شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی، مولوی سمیع اللہ خان، شمس العلما شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، مولوی چراغ علی ہو سکتے ہیں اور شاید حاجی محمد اسماعیل خاں بھی ہوں جو سرسید کے رفیق، اہل علم، صاحبِ تصانیف اور بقول حالی سرسید کے شل اعضاء و جوارح کے تھے۔ اگرچہ یہ مرقع کہیں محفوظ ہے تو بلاشبہ یہ ایک تاریخی اور یادگار مرقع ہے۔

کے مطابق "نورتن"، بھی اسی درجے محترم تھا جس قدر سرسید[1]

لیتھو طباعت میں تصویروں کی اشاعت میں اس وقت جو فنی دشواری پیش آتی تھی اس پر بھی مولانا کی نظر تھی۔ اس کے باوجود مولانا نے فیصلہ یہی کیا تھا کہ ایک دو تصویریں ہر نمبر میں الگ سے چھاپ کر لگادی جایا کریں گی۔

لسان الصدق اور تہذیب الاخلاق:

مولانا آزاد نے لسان الصدق جاری کیا تو آیا ان کے ذہن میں کسی موقت الشیوع رسالے کی اس کی ظاہری شکل و صورت، معیار علمی، اور مضامین کی ترتیب و تہذیب، مباحث و عنوانات کی تقسیم، موضوعات کے تنوع اور مقاصد کی تالیف کا کوئی نمونہ بھی تھا؛ اس بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی لیکن وقت کے بعض رسائل کے مقاصد کی اہمیت اور بعض خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً عصر جدید، زمانہ، ترقی وغیرہ۔ لیکن یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ یہ رسائل اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے مولانا کے نزدیک نمونے کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا نے ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۵ء میں لسان الصدق کے مقاصد اور اس کی ظاہری اور معنوی خوبیوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعے سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ملکی صحافت میں کوئی معاصر بھی ان کے لیے معیار اور نمونے کا کام نہیں دے سکتا تھا۔ بلاشبہ یورپ، امریکہ اور عالم اسلام کی علمی صحافت کے نمونے ان کے سامنے تھے، وہ ان سے متاثر نظر آتے ہیں اور لسان الصدق میں ان کی خوبیوں کو جمع کر لینا چاہتے تھے۔

معاصر صحافت کے بارے میں وہ اتنے فراخ قلب تھے یا تقسیم کار کے اصول کے پابند تھے کہ سوشل ریفارم کے عظیم مقصد کو جو "عصر جدید" کا اہم موضوع تھا، مناسب نہ سمجھا کہ اپنے رسالے میں ضمنی طور پر بھی باقی رکھیں۔ انھوں نے اسے لسان الصدق کے دائرہ مقاصد سے خارج کر دیا تھا۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سرسید کے تہذیب الاخلاق سے بھی متاثر نہ تھے۔ یہ دور (۱۹۰۳ء ـــ ۱۹۰۵ء) ان کا سرسید کی عقیدت سے سرشاری کا دور تھا۔ وہ سرسید کے علمی و ادبی ذوق اور فکر و نظر سے متاثر تھے، مذہبی، تعلیمی اور

---

[1] آزاد کی کہانی، محولۂ بالا، ص ۳۰۶

اصلاحی میدان میں سرسید کے کام ان کے نزدیک کارنامے تھے، ان کی ذات علوم وفنون اور نظر وبصیرت میں جامع الصفات اور مجتہد مطلق کے مقام کی حامل تھی۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن تھا کہ مولانا آزاد تہذیب الاخلاق کے لٹریچر، اس کے مضامین کے تنوع، مقاصد کی اہمیت، اس کے علمی معیار اور اس کی ترتیب وتہذیب سے متاثر نہ ہوتے۔ حالاں کہ تہذیب الاخلاق اور اس کی خدمات کے بارے میں مولانا کی رائے آخر تک بہت اچھی رہی تھی، جب کہ تعلیم اور سیاست کے میدان وہ سرسید کی آرا سے اختلاف کر چکے تھے۔ تہذیب الاخلاق کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

"ہندوستان کے کسی موقت الشیوع رسالے نے شاید ایسے اثرات وقت کی دماغی رفتار پر نہ ڈالے ہوں گے، جیسے تہذیب الاخلاق سے مرتب ہوئے...... فی الحقیقت جدید اردو علم وادب کی بنیادیں اسی رسالے نے استوار کیں ۔۔۔ جدید ہندوستان کے بہترین مسلمان مصنف اس حلقے کے زیر اثر پیدا ہوئے اور یہیں نئے قسم کی اسلامی تحقیق وتصنیف کی راہیں پہلے پہل کھولی گئیں۔"[۱]

تہذیب الاخلاق کے اس کارنامے پر نظر ڈالیے اور پھر لسان الصدق کے مقاصد وخصائص کی بحث (شمارہ اول ۱۹۰۳ء اور شمارہ آخر ۱۹۰۵ء) کو پڑھیے تو لسان الصدق کے بارے میں مولانا کے عزائم اور تہذیب الاخلاق کے کارنامے میں بہت تھوڑا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر لسان الصدق کے مقاصد ومعیار کے بارے میں مولانا کا عزم یہ ہے کہ اُسے تہذیب الاخلاق بنا دیا جائے۔ پھر مولانا کی کم عمری، علمی صحافت کے آغاز، ناتجربہ کاری اور سرسید کی عمر، ذہن وفکر کی پختگی، ان کے علم اور تجربے کا لحاظ کیا جائے تو یہ فرق بالکل مٹ جاتا ہے آخر سترہ برس کی عمر میں وہ پختہ کار سرسید تو نہیں بن سکتے تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے سرسید کی صحافت سے مولانا آزاد کے متاثر ہونے میں پہلی مثال لسان الصدق ہی کی دی ہے۔ نظامی صاحب لکھتے ہیں:

"سرسید کی صحافتی زندگی اور اس کی روایات سے مولانا آزاد نے پورا پورا

---

[۱] کانووکیشن ایڈریس، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، ۱۹۴۸ء۔

اثر قبول کیا۔ لسان الصدق اور الہلال دونوں میں تہذیب الاخلاق کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔

سرسید نے ۹ رجنوری ۱۸۹۷ء کے تہذیب الاخلاق میں اپنے رسالے کے جن مقاصد کی وضاحت کی ہے، بالکل اسی انداز میں اور انھی خطوط پر مولانا آزاد نے ۲۰ رنومبر ۱۹۰۳ء کے لسان الصدق میں اپنے مقاصد کا اعلان کیا ہے۔ مولانا آزاد جب ان مقاصد کی تفصیل بیان کرتے ہیں تو ان کا ذہن محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، اس کے شعبۂ اصلاحِ تمدن، سرسید اور ان کے حلقے کی طرف جاتا ہے۔ وہ بنگال کو زندہ دلانِ پنجاب کی مثال دے کر ابھارتے ہیں۔[۱]

اردو زبان کی اہمیت اور اس میں علوم و فنون کی اشاعت، اصلاح رسوم و عوائد اور علمی و تحقیقی مضامین کی اشاعت سے علمی ذوق کی تربیت اور مسلمانوں کو توہمات کی زندگی سے نکالنے کے لیے مولانا کے پیشِ نظر ٹھیک وہی مقاصد تھے جو سرسید کی علمی و تعلیمی تحریک کے تھے۔ جس طرح سرسید نے تہذیب الاخلاق کے صفحات کو شاعری سے بچایا تھا، لسان الصدق میں مولانا آزاد کا یہی اہتمام نظر آتا ہے۔ لسان الصدق میں مولوی احمد حسن کے قطعۂ تاریخ انتقال (دسمبر ۱۹۰۳ء) یا لسان الصدق کے قطعۂ تاریخ اشاعت (نومبر ۱۹۰۳ء) یا پھر خواجہ الطاف حسین حالی کو شمس العلماء کا خطاب ملنے کا قطعۂ تاریخ ہے (جون ۱۹۰۴ء)۔ ان کے سوا کوئی نظم، غزل وغیرہ نظر نہیں آتی۔ یہ تینوں قطعے مولوی محمد یوسف جعفری رنجورؔ عظیم آبادی کی جودتِ طبع کا نتیجہ ہیں۔

۱۹۰۵ء میں جب مولانا لسان الصدق کے نئے دور کا آغاز کر رہے تھے تو مختلف احباب اور قارئین نے انھیں اپنی آرا سے استفادے کا موقع دیا تھا کہ آیندہ لسان الصدق کو کیا اور کس قسم کا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں بعضوں نے رائے دی تھی کہ اس میں

"اس قسم کے مضامین بھی شائع کیے جائیں، جن میں کسی مذہبی اصول کی تحقیق کی گئی ہو۔ کیوں کہ مرحوم تہذیب الاخلاق کے بعد اب اور کوئی رسالہ

---

[۱] آجکل، دہلی، مولانا آزاد نمبر، نومبر ۱۹۸۸ء ص ۶۲۔

اس رنگ کا نظر نہیں آتا۔" (لسان الصدق۔ اپریل و مئی ۱۹۰۵ء)

تعجب نہیں کہ مولانا اس رسالے سے متاثر ہوئے ہوں۔ اس لیے کہ یہ کوئی ایک رائے نہ تھی بلکہ "بعضوں کی رائے" تھی۔ اور شاید انھی آراء کا اثر ہو کہ مولانا نے لسان الصدق کے لیے جو تین علوم "سائنس، تاریخ اور اخلاق" منتخب کیے تھے ان میں مذہبی تحقیق کا اضافہ کر کے، انھیں تین سے چار کر دیا گیا تھا۔ (ایضاً)

لسان الصدق کی اہمیت ___ معاصر صحافت کا اعتراف:

لسان الصدق پر پہلا تبصرہ جو اس میں نقل کیا گیا ہے، شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن، لاہور کا ہے۔ یہ تبصرہ لسان الصدق کے پہلے پرچے کو دیکھ کر لکھا گیا تھا اور مخزن کے شمارہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں چھپا تھا۔ ایڈیٹر مخزن لکھتے ہیں:

"ابوالکلام مولوی محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے جو عرصے سے کلکتہ میں مقیم ہیں، لسان الصدق نام کا ایک ماہوار رسالہ جاری کر کے ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے اور وہ کمی یہ تھی کہ دارالسلطنت ہند میں اس وقت ہندوستان کی مشہور علمی زبان اردو میں کوئی رسالہ نہیں نکلتا تھا۔ اس رسالے کے مقاصد بہت مفید ہیں۔"

اس کے بعد ایڈیٹر مخزن نے مقاصد کی افادیت اور ضرورت پر تبصرہ کیا ہے اور توقع ظاہر کی ہے:

"مولوی صاحب (ایڈیٹر لسان الصدق) کے نام سے ہمارے ناظرین خوب واقف ہیں۔ مخزن کے اوراق میں ان کے متعدد مضامین نکل چکے ہیں۔ اس کے سوا انھیں ایڈیٹری سے بھی تعلق رہا ہے۔ کلکتہ کے ایک ہفتہ وار اخبار اور لکھنؤ کے مشہور رسالے کی ترتیب کی خدمت دیر تک ان کے سپرد رہی ہے۔ ان کی ذاتی خداداد لیاقت اور واقفیتِ فن سے امید پڑتی ہے کہ یہ رسالہ اپنے مقاصد کو پورا کر سکے گا۔ ہماری دعا ہے کہ ایسا ہو۔"

مولانا ظفر علی خاں نے اپنے رسالے "افسانہ" کے شمارہ فروری ۱۹۰۴ء میں لسان الصدق پر تبصرہ شائع فرمایا۔ ان کے سامنے لسان الصدق کے دو نمبر تھے۔ مولانا ظفر علی خاں رسالے کے اجراء، ایڈیٹر کے نام کی صراحت اور مقاصدِ اجراء کے تعارف کے بعد لکھتے ہیں:

"اس رسالے کے دو نمبر ہم نے دیکھے، جن سے ہمارے اس حسن ظن کی تصدیق ہوگئی، جو ہم کو مولانا ابوالکلام کی نسبت پہلے سے تھا۔ پرچے کا نام ایسے زمانہ میں جب کہ کثیر التعداد رسالہ جات و اخبارات کی اشاعت سے عمدہ ناموں کا کال پڑ گیا ہے، ایڈیٹر کے حسن انتخاب کا شاہد ہے۔"

عین الاخبار، مراد آباد کے ایڈیٹر نے بھی لسان الصدق کا پہلا شمارہ دیکھنے کے بعد جو تبصرہ شائع کیا تھا، اس میں وہ لکھتے ہیں:

"لسان الصدق: یہ اردو رسالہ ابوالکلام آزاد دہلوی کی ایڈیٹری میں ہندوستان کے دارالسلطنت شہر کلکتہ سے ماہوار شائع ہوتا ہے۔ اس کا پہلا نمبر جس کو دیکھ کر ہم یہ تنقید لکھ رہے ہیں۔ باعتبار چھپائی و لکھائی اچھی ہے۔ مضامین کے بارے میں یہ عرض کرنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اس کے ایڈیٹر کے خیالات ایسے ہی پاکیزہ ہیں جیسے ایک خیر خواہ مذہب کے ہونے چاہییں۔"

آخر میں لکھتے ہیں:

"مگر افسوس کہ کلکتہ کے عظیم شہر ہونے کے باوجود بھی اس کی اشاعت ہنوز بہت محدود ہے، جو لائق ایڈیٹر کی ہمت کو توڑنے کی دھمکی دے رہی ہے۔ قدردان پبلک کو چاہیے کہ ایسے نایاب رسالے کی خریداری میں کوشش کر کے ایڈیٹر کی ہمت بڑھائیں۔"

یہ تینوں تبصرے لسان الصدق کے فروری ۱۹۰۴ء کے شمارے سے نقل کیے گئے ہیں۔

رسالہ "دلچسپ" کے شمارۂ دسمبر ۱۹۰۳ء میں لسان الصدق پر جو تبصرہ کیا گیا تھا، اس کے خاص جملے یہ ہیں:

"کلکتہ سے ایک ماہوار رسالہ جاری ہوا ہے، جس کے مہتمم اور ایڈیٹر مولوی ابوالکلام محی الدین صاحب دہلوی ہیں جو ہندوستان کے مشہور انشا پرداز ہیں اور عرصۂ دراز سے ملک و قوم کو اپنے مفید اور برجستہ خیالات سے مستفیذ کر رہے ہیں۔ یہ رسالہ صرف قومی خدمت کے جوش میں جاری کیا گیا ہے۔۔۔ قابل ایڈیٹر صاحب کا خیال ہے کہ رسالے کی خدمات کی پسندیدگی اہل ملک سے خود اس کی ترقی کا سامان مہیا کرائے گی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور یہ امر

مولانا ابوالکلام آزاد جیسے قادرالکلام انشاپرداز کی قلم زوربیوں کے سامنے کچھ مشکل نہیں۔"

ایڈورڈ گزٹ۔ شاہجہان پور نے اپنی ۲۹ر جنوری ۴۰ء کی اشاعت میں لسان الصدق پر مفصل تبصرہ شائع کیا تھا۔ ایڈیٹر لکھتا ہے:

"ہمارے لائق مہربان ابوالکلام محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے "لسان الصدق" نام کا ایک ماہوار رسالہ کلکتہ سے جاری فرمایا ہے۔ اس کے مقاصد نہایت عمدہ اور مفید ہیں۔"

اس کے بعد اس کے مقاصدِ اجرا کا تعارف کرایا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

"ہماری دلی تمنا ہے کہ لسان الصدق جلد جلد ترقی کے زینے طے کرے اور ملک کے واسطے ایک مفید پرچہ ثابت ہو۔ لسان الصدق علاوہ مضامین کی عمدگی کے لکھائی، چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی بہت اچھی حالت میں ہے۔"

لسان الصدق کے ایک شمارے میں یہ تذکرہ بھی آیا ہے کہ مولانا آزاد کچھ عرصے ایڈورڈ گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے تھے۔

ان رسائل کے علاوہ نظام الملک، مراد آباد نے اپنے ۱۶ر مارچ ۰۴ء کے شمارے میں لسان الصدق کے اجرا اور ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد کے عزائم کے بارے میں ان الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے:

"لسان الصدق ایک رسالہ ہے جو کلکتہ سے ابوالکلام محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے ماہوار شائع کیا۔ اس رسالے کا دوسرا نمبر اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس نمبر کو دیکھتے ہوئے ہم ضرور یہ کہیں گے کہ ہمارے آزاد دہلوی نے ایک بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اگرچہ یہ رسالہ مسلمانوں سے مخصوص ہے لیکن جس وقت آپ کے مفید مضامین کے مقاصد پر نظر ڈالی جاتی ہے تو بے ساختہ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ذرا پبلک اس کی قدردانی کرکے دیکھ تو لے کہ ہمارے آزاد صاحب کس آزادی سے اس کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔

اگرچہ اس کی لکھائی، چھپائی بہت عمدہ ہے لیکن اس کی لکھائی چھپائی کی تعریف کرنا اس رسالے کی صورت کی تعریف کرنا ہے اور ہم اس کی صورت سے بہت زیادہ اس کی سیرت کی تعریف کرتے ہیں۔ ہندوستان کے دارالسلطنت یعنی کلکتہ میں ایسے رسالے کے شائع ہونے کی بہت ضرورت تھی؎

یہ تینوں تبصرے لسان الصدق کے اپریل ۰۴ء کے شمارے میں نقل کیے گئے ہیں۔

لسان الصدق کے طابع و مقامِ اشاعت:

لسان الصدق کلکتہ سے جاری ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی پرچے ہادی پریس۔ کلکتہ میں چھپے تھے۔ لیکن ۱۹۰۴ء کے وسط سے مولانا آزاد کا قیام زیادہ تر بمبئی میں رہنے لگا، اس لیے جون جولائی ۱۹۰۴ء سے ایڈیٹر سے مراسلت اور مضامین بھیجنے کا پتا "۱۳۔ بلاس روڈ۔ پوسٹ آفس بھائی کلہ، بمبئی" ہو گیا تھا۔ البتہ رسالے کی خریداری کی درخواستوں اور ترسیلِ زر کا پتا حسب سابق "مینیجر دفتر لسان الصدق۔ تاراچند دت اسٹریٹ نمبر ۱۶، کلکتہ" تھا۔

اگست و ستمبر ۰۴ء (ج ۲ ش ۸، ۹) کا شمارہ "مطبع فیض رساں، بمبئی" میں چھپا اور وہیں سے شائع بھی ہوا۔ لسان الصدق کا آخری پرچہ جو جلد نمبر ۲ کا شمارہ نمبر ۱، ۲ ہے مفید عام پریس۔ آگرہ" میں چھپا تھا اور ۱۳۔ بلاس روڈ۔ پوسٹ آفس بھائی کلہ۔ بمبئی" سے شائع ہوا تھا۔

قیمت:

لسان الصدق کا پہلا پرچہ سولہ صفحات (ایک جز) پر مشتمل شائع ہوا تھا اور اس کی قیمت عہ؍ (ایک روپیہ چھ آنے) سالانہ مقرر کی گئی تھی۔ ۱۹۰۴ء کے آخری پرچے تک اس کی یہی قیمت رہی۔ اگرچہ صفحات ۱۶ سے ۲۴، ۳۲ اور ۴۸ تک ہو گئے اور ایسا بھی ہوا کہ کئی اشاعتیں دو دو ماہ کی مشترکہ نکلیں، لیکن قیمت کم یا زیادہ نہیں کی گئی۔ البتہ ۱۹۰۵ء سے جب نئے دور میں کتابت و طباعت میں معیار کے اہتمام، تصاویر کی شمولیت اور ضخامت میں دو جز (بتیس ۳۲ صفحے) سے لے کر تین جز (اڑتالیس ۴۸ صفحے) تک اضافے کا فیصلہ کیا گیا تو اس کی سالانہ قیمت میں بھی ایک روپیہ اضافے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس طرح جنوری ۰۵ء سے ۲؍۶ (دو روپے چھ آنے) سالانہ قیمت کا اعلان کیا گیا۔ لیکن اعلان کے مطابق پرچہ جنوری ۰۵ء سے نہ نکل سکا بلکہ تین ماہ کی تاخیر سے اور وہ بھی دو ماہ (اپریل و مئی) کا مشترکہ شمارہ نکلا جو

آخری شمارہ بھی ثابت ہوا۔

لسان الصدق کے لکھنے والے:

لسان الصدق کی تاریخ اس اعتبار سے بھی نہایت شاندار ہے کہ اس کے اہل قلم میں وقت کی کئی بڑی شخصیتیں شامل تھیں جن کا قلمی تعاون اسے حاصل رہا۔

لسان الصدق کے معاونین میں پہلا نام شمس العلماء مولوی محمد یوسف جعفری رنجورؔ عظیم آبادی کا آنا چاہیے۔ لسان الصدق کو شروع ہی سے نہ صرف ان کا قلمی تعاون حاصل تھا بلکہ وہ اس کے اجراء کے فیصلے میں شامل تھے۔ اس کے نظام کو چلانے کی ذمہ داری انھی پر تھی اور جیسا کہ رنجورؔ مرحوم کے نام مولانا آزاد کے خطوط (مطبوعہ جرنل خدا بخش لائبریری پٹنہ۔ شمارہ ۴۷ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایڈیٹر کی عدم موجودگی میں جو دنوں اور ہفتوں کی نہیں سہ ماہیوں اور ششماہیوں تک طویل ہوتی تھی، لسان الصدق کے انتظام کی کل ذمہ داری رنجورؔ مرحوم ہی کے کاندھوں پر آپڑتی تھی۔

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی علمی سرپرستی لسان الصدق کو شروع ہی میں حاصل ہوگئی تھی اور آخر تک حاصل رہی۔ مولوی ابوالنصر آہؔ دہلوی شروع ہی سے لسان الصدق کے قلمی معاونوں، مشیروں اور مددگاروں میں ایڈیٹر کے ساتھ تھے۔ محسن الملک اس کے لکھنے والوں اور قدردانوں میں تھے۔ علامہ رضا علی وحشت، سید محمد سعید بلگرامی، علی محمود (بانکی پور) کا شمار اس وقت کے مشہور ادیبوں اور اہلِ قلم میں ہوتا ہے۔ ان حضرات کے علاوہ ایس ایم شفیع اور سید شاہد حسین انجمؔ امروہوی ہیں، جن کے رشحات فکر و قلم کے نمونے لسان الصدق کے صفحات کی زینت بنے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے جب مولانا آزاد نے لسان الصدق کے دوسرے دور کے آغاز کا فیصلہ کیا تھا تو اس کا یہ پہلو بھی ان کی توجہ فرمائی سے محروم نہ رہا تھا کہ مضامین کی ترتیب و تہذیب، حسن کتابت، تصویروں کی شمولیت سے اسے حسین و مفید بنانے کے ساتھ وقت کے اہل قلم اور بہترین لکھنے والوں کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلیؔ اور رنجورؔ مرحوم کے علاوہ جن اہل علم نے ایڈیٹر کو اپنے قلمی تعاون کا یقین دلایا تھا ان میں شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاءاللہ، مولوی عبدالحلیم شررؔ ایڈیٹر دلگداز و اتحاد، مولوی محمد عبدالرزاق کانپوری، وحیدالدین سلیمؔ (پانی پتی) اور مولوی امجد علی اشہری جیسے کہنہ مشق اہل قلم اور

مشاہیر علم وادب شامل ہیں۔

کسی رسالے کو وقت کے اتنے بڑے بڑے اہل علم اور اصحاب قلم کا تعاون حاصل ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

لسان الصدق میں ایڈیٹر کا تحریری حصّہ:

لسان الصدق کی تین جلدیں ہیں۔ شماروں کے لحاظ سے تیرہ اور اشاعتوں کے شمار سے کل دس نمبر نکلے۔ سات اشاعتیں الگ الگ ماہانہ اشاعتوں کی صورت میں ہیں اور آخری تین اشاعتیں دو دو شماروں کی مشترکہ اشاعتیں ہیں۔

تمام شماروں یا اشاعتوں کے تقریباً تین سو صفحات ہیں۔ ان میں سے تقریباً ایک سو ستر صفحے ایڈیٹر کی تحریروں سے پُر ہیں۔ ان تحریروں میں تقریباً ہر علم و فن کی ہلکی پھلکی اور بعض بھاری بھرکم تحریریں شامل ہیں۔ علوم و فنون کے لحاظ سے تاریخ، تعلیم، مذہب، سیاست، صحافت، تمدن، معاشرت، سماجیات، سوانح، سفرنامہ، ادب وغیرہ ہیں اور نوعیت کے لحاظ سے ان تحریروں کو شذرات، تبصرے، تعارف، علمی ادبی جائزے، علمی مقالات، مفید معلومات اور دوسرے اہل قلم کے مضامین پر تمہیدی، تعارفی، تنقیدی نوٹس وغیرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

لسان الصدق ___ ایڈیٹر کے بعض کمالات کا مظہر:

لسان الصدق کے مطالعے سے ہمیں دو باتوں کا شدت سے احساس ہوتا ہے:

۱۔ علم وعمل کے مختلف علوم و فنون پر مولانا آزاد کی نظر اور زندگی کے مسائل کا شعور

۲۔ ہر معاملے اور گوشہ علم و فن میں مولانا کی آزادانہ رائے اور اس کا بے باکانہ اظہار

لسان الصدق میں مولانا کی جو تحریریں مستقل مضامین، شذرات اور انتقاد کے ذیل میں یا مختلف اہل قلم کے مضامین پر ابتدائی نوٹس اور تمہیدی عبارتوں کی صورت میں ہمارے سامنے آئی ہیں، ان سے فکر و عمل اور علوم و فنون اور ان کے اصول و فروع پر مولانا کی نظر، ان سے مولانا کی دلچسپی اور ان میں اصلاح و ترقی کی ہر ضرورت سے ان کی واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس عمر (۱۵، ۱۶ سال) اور اس دور (۱۹۰۳ء، ۱۹۰۴ء) میں مطالعے کی اس وسعت اور فکر و نظر کی ہمہ جہتی کے ساتھ مولانا مقلدانہ ذوق بھی رکھتے تو تعجب نہ ہونا چاہیے تھا لیکن مولانا نے تو اس وقت کے اکابر علامہ شبلی، نواب صدر یار جنگ

سرعبدالقادر، محسن الملک وغیرہ کے افکار اور اداروں میں ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن ترقی اردو، انجمن حمایت اسلام کے کاموں اور تعلیم، مذہبی ومعاشرتی اصلاح، ادب، تنقید، زبان کی ترقی کے مختلف پہلو، علمی ترقی، پریس کی ضرورت واہمیت، صحافت، سیاست، تعلیم نسواں وغیرہ مسائل کے بارے میں کسی شخص، جماعت یا مکتبۂ فکر کا اثر لیے بغیر اپنی قطعی اور آزادانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے تعلیمی واصلاحی معاشرتی کاموں سے وہ نہ صرف متفق تھے بلکہ ان کے مقاصد کو مولانا نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ کانفرنس کے شعبۂ علمی (انجمن ترقی اردو) کا لسان الصدق ترجمان تھا، زبان وادب کی ترقی اور اردو کو ایک زندہ وعلمی زبان بنانا ان کا مشن تھا۔ ملک کی دوسری تعلیمی واصلاحی تحریکات مثلاً ندوۃ العلماء (لکھنو) اور انجمن حمایت اسلام (لاہور) کی سرگرمیوں کو مسلمانوں کی سماجی زندگی کے لیے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور ان کے مداح تھے۔ ملک میں علمی زندگی کے فروغ کو وہ ملک کی ترقی اور قوم کی ذہنی وفکری تربیت کے لیے نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ ۱۹۰۴ء، ۱۹۰۵ء میں بھی ان کی نظر اپنے ملک سے لے کر اسلامی ممالک کی علمی تحریکات و ترقیات تک وسیع تھی۔

معاشی ترقی اور حالات کی اصلاح کے لیے بے جا عوائد اور غلط رسوم سے قوم کو نجات دلانے اور اس کے لیے بھرپور کوشش کرنے کو وہ نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ باطل عقائد اور توہمات کو وہ اصلاحِ معاشرت کی راہ کا سنگ گراں خیال کرتے تھے اور اسی لیے عوائد ورسوم کی اصلاح سے بھی قبل وہ اصلاحِ خیال کی مہم کو سر کرنا چاہتے تھے۔

ملکی اور سماجی حالات کی اصلاح میں صحافت کے کردار کی اہمیت کے وہ لسان الصدق کے اجرا سے بھی پہلے قائل ہو چکے تھے اور پریس کی آزادی کے مسئلے کی اہمیت سے ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۳ء ہی میں ان کا ذہن آشنا ہو چکا تھا۔

مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں خرابیوں ہی پر ان کی نظر نہ تھی بلکہ وہ ان خرابیوں کے سرچشموں سے بھی واقف تھے۔ مثلاً تصوف کے ذوق نے مسلمانوں کی علمی زندگی کو جس طرح متاثر اور مفلوج کر دیا تھا۔ اس کا انھیں پورا ادراک تھا (دیکھیے "العرفان" پر مولانا کا تبصرہ)۔ اپریل ومئی ۱۹۰۵ء) اور وہ اس کی اصلاح کے خواہاں تھے۔

سماجی اور معاشرتی زندگی میں خرابیوں کی اصل وجہ اور اصلاح کے عمل میں سب سے بڑی رکاوٹ مولانا کے نزدیک عورتوں کی جہالت تھی۔ اس لیے سوشل ریفارم کی تحریک کے ساتھ عورتوں کی تعلیم کی تحریک کو مولانا بہت اہمیت دیتے تھے اور اسے وقت کی ایک بڑی ضرورت سمجھتے تھے۔

لسان الصدق ایک علمی، تنقیدی پرچہ تھا۔ یا مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کا داعی رسالہ تھا بلکہ اس کے ایڈیٹر کے الفاظ میں تو "دارالسلطنت کلکتہ کا ایک علمی ماہوار رسالہ" تھا۔ (اپریل ۱۹۰۴ء تا اپریل و مئی ۱۹۰۵ء صفحہ اول پر لسان الصدق کے نیچے، اس کے تعارف میں یہی جملہ درج ہوتا رہا)۔ سیاست سے اس کا تعلق نہ تھا، لیکن کانگریس (ہندوستان) اور لبرل پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی (انگلستان) پر تبصروں سے تو ان کے سیاسی ذوق کا پتا بھی چلتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۵ء میں بھی ایڈیٹر کی نظر نہ صرف ملکی سیاست پر تھی بلکہ انٹرنیشنل پالیٹیکس اور اس کے مسائل سے بھی ان کا ذوق ناآشنا نہیں تھا۔

ان تمام خصائص کا اظہار لسان الصدق میں مولانا آزاد کے مضامین، شذرات، تبصروں، تنقیدوں اور دوسرے اہل قلم کے مضامین پر ان کے ابتدائی تعارفی نوٹس اور تمہیدی عبارتوں سے ہوتا ہے۔

ایک تاریخی واقعہ:

لسان الصدق کے ابھی چند ہی پرچے شائع ہوئے تھے کہ مولانا آزاد کی شہرت مشرق سے مغرب تک ملک کے علمی، ادبی اور قومی حلقوں تک پہنچ گئی۔ معلوم نہیں انجمن حمایت اسلام (لاہور) نے انہیں دعوت دی تھی یا نہیں لیکن ۱۹۰۴ء میں مولانا نے انجمن کے سالانہ جلسے میں شرکت ضرور کی تھی اور تقریر بھی فرمائی تھی۔ چوں کہ اس حلقے سے تعارف کا وسیلہ لسان الصدق بنا تھا اور مولانا کی زندگی کا یہ ایک اہم واقعہ ہے جس نے ملک کے شمال مغربی علاقے میں دینی و قومی، اور علمی و تعلیمی حلقوں میں متعارف کرایا تھا۔ اس کے بعد لاہور کے علاوہ امرتسر اور بعض دوسرے شہروں میں بھی انھیں مدعو کیا گیا تھا اور تقریریں کروائی گئی تھیں۔ اتنی کم عمری میں علمی و دینی موضوعات پر تقریریں کرنا ایک عجوبہ سمجھا جاتا تھا۔ لوگ عقیدت اور محبت سے آنکھیں فرش راہ کرتے تھے۔ چناں چہ یہ واقعہ ہے کہ ۱۹۰۴ء ہی میں پنجاب میں مولانا کے مخلصوں اور عقیدت مندوں کا ایک حلقہ پیدا

ہونا شروع ہو گیا تھا جو آئندہ ان کی قومی و سیاسی زندگی میں ہمیشہ ان کا ممد و معاون اور ان کے علمی کاموں کا قدر دان رہا۔

مولانا غلام رسول مہر نے ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۵ء میں مولانا کے سفر لاہور انجمن حمایت اسلام کے اجلاسوں میں شرکت کے بارے میں لکھا ہے کہ مولانا نے پہلی مرتبہ انجمن کے سالانہ اجلاس میں تقریر فرمائی تھی تو وہ عمر کی سولھویں منزل میں تھے۔ اُس زمانے میں انجمن کے اسٹیج پر ممتاز اصحابِ علم و فن کو بھی بہ مشکل بار ملتا تھا۔ یہ تقریر اتنی مسلسل مربوط، مدلّل اور عام تقریروں سے یہ ہر لحاظ اتنی مختلف تھی کہ مولانا ثناء اللہ مرحوم و مغفور نے فرمایا:

"ہم تو سمجھتے تھے پسنجر ٹرین ہمارے بعد کلکتہ میل آ رہی ہے"

اس زمانے میں کلکتہ میل کو رفتار کی تیزی اور ہنگامہ خیزی کے باعث تمام ٹرینوں پر بدرجہا فوقیت حاصل تھی۔ مولانا آزاد کے وطن کی نسبت سے "کلکتہ میل" کے ساتھ تشبیہ میں جو لطف تھا، وہ تشریح سے بے نیاز ہے۔

یہ ۱۹۰۴ء کا واقعہ تھا۔ آیندہ سال مولانا دوسری مرتبہ انجمن کے سالانہ اجلاس منعقدہ اپریل ۱۹۰۵ء میں شریک ہوئے۔ ۲۲ اپریل کو انھوں نے تقریر فرمائی۔ اس کا موضوع تھا "اسلام زمانۂ آیندہ میں"۔ اس وقت مولانا سترھویں سال میں تھے۔ یہ تقریر اس قدر پسند کی گئی کہ صدر اجلاس نے حاضرین کو خوش خبری سنائی: "آزاد کل پھر تقریر کریں گے" چناں چہ ۲۳ اپریل کو مولانا نے دوبارہ تقریر کی۔ انجمن کی روداد مظہر ہے کہ تقریر پر صدر اجلاس نے "دوبارہ تکرار کی خوش بیانی کی داد دی اور ان کی درازیٔ عمر کے لیے دعا کی"۔

خواجہ الطاف حسین حالیؔ سے مولانا کی ملاقات:

اپریل ۱۹۰۴ء میں لاہور کے سفر میں خواجہ الطاف حسین حالیؔ سے مولانا آزاد کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس ملاقات کا حال مولانا نے خود بیان فرمایا:

"لسان الصدق کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی میں نے پہلی مرتبہ شوقیہ سفر کیا اور لاہور کی انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شریک ہوا۔ یہ سنہ ۱۹۰۴ء[1]

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی میں سنہ ۱۹۰۱ء ہے جو درست نہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

کی بات ہے۔ اس جلسے میں مولانا حالیؔ مرحوم بھی تشریف لائے تھے اور یہ آخری مجلس تھی جس میں مولانا نے نظم پڑھی تھی۔

مولانا وحید الدین سلیم نے جب میری مولانا سے تقریب کی اور انھیں معلوم ہوا کہ لسان الصدق کا ایڈیٹر میں ہی ہوں تو انھیں اس قدر تعجب ہوا کہ مکرر سہ کرر دریافت فرمایا۔

یہ صورت مولوی وحید الدین سے ملتے ہوئے بھی پیش آ چکی تھی۔۔۔۔ انجمن (حمایت اسلام) میں مولوی وحید الدین سے ملا تھا۔ میں انھیں "معارف" (علی گڑھ) کی وجہ سے بھی جانتا تھا۔ انھوں نے ایک تحریری لیکچر بھی پڑھا تھا۔ علی گڑھ کانفرنس کے آخری جلسوں کی رپورٹوں میں ان کی تقریروں کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ سب میں پڑھ چکا تھا۔ لیکن میری عمر چودہ پندرہ برس سے زیادہ نہ تھی اور ہر شخص سے ملتے ہوئے قدرتی طور پر جھجک ہوتی تھی۔ میں نے لسان الصدق کا اپنے کو ایڈیٹر ظاہر کیا تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔

بہر حال جب انھیں یقین ہو گیا تو اصرار کیا کہ چلو مولانا حالیؔ سے ملیں۔ مولانا کی قیام گاہ پر آئے۔ آتے ہی انھوں نے مولانا سے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ آپ کے خیال میں ان کی عمر کیا ہو گی؟ مولانا نے بے انتہا سنجیدہ لہجے میں بہت کچھ تامل کر کے کہا: ابھی بہت کم سن ہیں۔ انھوں نے پھر زور دیا کہ نہیں تبلایئے عمر کتنی ہے؟ مولانا نے کہا پندرہ سولہ برس کا ہو گا۔ انھوں نے کہا لسان الصدق کے یہی ایڈیٹر ہیں! مولانا نے کہا جو کلکتہ سے نکلتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں!

یہ غلطی یا تو راوی (مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی) سے روایت کے سوءِ سماعت کی وجہ سے ہوئی یا فہم و تحفظ میں ہوئی یا سہو قلم ہے۔ یا پھر کتابت کے مرحلے میں واقع ہوئی اور پروف ریڈر کی نظر بھی چوک گئی۔ لیکن "اسی زمانے میں سفر بمبئی" اور مولانا شبلی سے ملاقات کے ذکر میں سنہ ۱۹۰۴ء ہی آیا ہے۔ اسی لیے یہاں بھی ۱۹۰۴ء بنا دیا ہے۔

لیکن انھیں اطمینان نہ ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معاملے کی کوئی پیچیدگی سی محسوس کرتے ہیں۔ جب مولوی وحید الدین نے اپنے تعجب کا اظہار کرکے انھیں یقین دلا دیا کہ یہی ایڈیٹر لسان الصدق ہیں۔ یہ مجرد اس یقین کے وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ کہا ابھی آپ پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا، میں اپنی تعلیم ختم کرچکا ہوں۔ کہنے لگے، کتنا عرصہ ہوا؟ میں نے دو تین سال۔ اس پر انھیں اور بھی تعجب ہوا۔ اس دن سے وفات تک برابر شفقت فرماتے رہے اور ہمیشہ ان کے خطوط آتے رہے۔"[1]

پنجاب کے سفر، انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شرکت، جلسے کی روداد، لاہور کی سیر اور پنجاب کے بعض شہروں کی سیاحت کی کیفیت مولانا نے اپنے قلم سے لسان الصدق میں بیان کی ہے۔ اپنی شرکت اور انجمن کے جلسے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس سال انجمن کے سالانہ جلسے میں ہمیں بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ جیسے کہ جلسہ پچھلے سال کے جلسوں سے اکثر باتوں میں فوقیت رکھتا تھا۔ مجمع کے لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کانفرنس اور ندوۃ العلماء کے ہال بھی اتنے لوگوں کو نہیں سمیٹ سکتے۔ گو یہ سچ ہے کہ حمایتِ اسلام ایک عام جلسہ ہے اور کانفرنس وغیرہ میں صرف ممبر شریک ہوسکتے ہیں۔"

مولانا نے جلسے کے پروگرام پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا پر لطف لکچر، ہمارے مکرم دوست مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی کا عالمانہ مضمون، حضرت حالی کی پُر درد نظم یہ ایسی چیزیں ہیں جو کانفرنس کا اصلی عنصر اور روح رواں سمجھی جاتی ہیں۔"

انجمن کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اب انجمن حمایت اسلام نے اپنے غلغلۂ ترقی سے تمام عناصر جمع کر لیے ہیں اور ان کی مجموعی حالت نے جو صورت قائم کردی ہے، وہ دل کشی، دلچسپی میں کسی سے کم نہیں ہے۔ ۔۔۔۔ انجمن کی طرف تمام پنجاب کی نگاہیں اٹھی

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، محولہ بالا، ص ۱۰۸-۳۰۸

ہوئی ہیں اور اس کی ترقی کے سب دلی خواستگار ہیں۔ ہم نواب محسن الملک بہادر کے ہم زبان ہو کر کہتے ہیں کہ یہی ایک ایسی انجمن ہے جو ابھی تک ایک عمدہ قاعدے پر کام چلا رہی ہے اور یورپین اثر سے محفوظ ہے۔ آج اسلامیہ کالج کو کوئی یہ کہہ کر ڈرانے والا نہیں کہ اگر ہماری اسکیم پر عمل نہ کیا جائے گا تو ہم فوراً استعفا دے دیں گے۔"

اس مضمون میں مولانا نے جلسے کے متعلق اپنا تاثر اور سفرِ پنجاب کی تاریخ بھی بیان کر دی ہے:

"غرض ہم انجمن کے پر لطف جلسے میں شریک ہوئے اور اچھے تاثرات لے کر وہاں سے واپس ہوئے۔ ہمارا یہ مختصر سفر ۳۰ مارچ سے شروع ہو کر ۲ مئی کو ختم ہوا۔"

اس سفر میں مولانا نے لاہور کے علاوہ پنجاب کے بعض دوسرے شہروں کی سیر و سیاحت بھی کی تھی اور اس مضمون میں انھوں نے اس کی مختصر روداد بھی بیان کر دی ہے لکھتے ہیں:

"اس عرصے میں ہم نے پنجاب کے بعض مشہور مقامات کی سیر کی اور ہر جگہ زندہ دلی کا عمدہ ثبوت پایا۔۔۔۔ ہم پنجاب کے جس شہر میں گئے، زندہ دلی تلاش کرتے رہے۔ کیوں کہ ہمیں اس امر کا عینی اندازہ کرنا تھا کہ زندہ دلی کے خطاب کا پنجاب کہاں تک مستحق ہے۔ ہم نے ہر جگہ زندہ دلی دیکھی۔"

اسی سلسلۂ بیان میں وہ پنجاب کی مہمان نوازی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اس مختصر سفر میں ہمیں پنجاب کی مہمان نوازی نے کچھ دنوں کے لیے تاریخ عرب کے صفحات فراموش کرا دیے۔ ہم ان معزز دوستوں کے نہایت ممنون ہیں، جنھوں نے پنجاب کی خوبی اخلاق کا ہمیں کافی ثبوت دیا۔ بالخصوص جناب حافظ عبدالرحمن صاحب سیاح ممالک اسلامیہ اور شیخ عبدالقادر صاحب بی اے، مولانا غلام رسول صاحب سیاح ایران اور مولوی شبیر محمد صاحب اور سید حاکم شاہ صاحب کی عنایتوں کے شکر گزار ہیں۔

آخر میں ہم اپنے مکرم مہربان شیخ غلام محمد صاحب (منشی فاضل) ایڈیٹر و پروپرائٹر اخبار وکیل کا شکریہ ادا کرتے ہیں، جن کی نوازشوں سے امرتسر میں ہمارے دن

نہایت دل چسپی سے بسر ہوئے" (لسان الصدق - مئی ۱۹۰۴ء)

لاہور، امرتسر وغیرہ کی سیر و سیاحت کے بعد مولانا آزاد بمبئی تشریف لے گئے تو وہاں مولانا شبلی سے ملاقات کی خوش وقتی حاصل ہوئی۔ آزاد کی کہانی میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"مولانا شبلی نعمانی سے ۱۹۰۴ء میں سب سے پہلے بمبئی میں ملا۔ جب میں نے اپنا نام ظاہر کیا تو اس کے بعد آدھ گھنٹے تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور چلتے وقت انھوں نے مجھ سے کہا، تو ابوالکلام آپ کے والد ہیں؟ میں نے کہا نہیں، میں خود ہوں"[1]

دوسرے موقع پر اسی ملاقات کے سلسلے مولانا فرماتے ہیں:

"بمبئی میں مولانا شبلی مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ یہ پہلی ملاقات تھی۔۔۔ تقریباً پانچ سال سے میری خط و کتابت ان سے جاری تھی۔۔۔ میں چونکہ ان کی تصنیفات کا مطالعہ کر چکا تھا۔ اس لیے ان کی اپنے دل میں بڑی عزت اور وقعت رکھتا تھا اور طبیعت میں شوق تھا کہ ایسے لوگوں کی معیت و صحبت کا موقع حاصل ہو۔

مولانا مرحوم دو تین ہفتے رہے اور اکثر اوقات میں ان کے ساتھ رہا۔۔۔ جب چند دنوں میں گفتگو اور صحبت سے انھیں میرے علمی شوق کا خوب اندازہ ہو گیا تو وہ بڑی محبت کرنے لگے۔ ایک دن میرے یہاں بیٹھے تھے اور کتابوں کی الماریوں سے کتابیں نکال کر دیکھ رہے تھے۔ اس میں خدنگ نظر کا ایک مجموعہ نکل آیا۔ اس میں میرے مضامین بھی تھے۔۔۔۔ ایک مضمون ایکس ریز کی ایجاد و حقیقت پر تھا۔ انھوں نے کہا، جب تم ایسے مضامین لکھ سکتے ہو تو کیوں اس طرح بلا کسی شغلے کے ہو؟ کم از کم ایک مضمون الندوہ کے ہر نمبر کے لیے لکھ دیا کرو۔

سب سے زیادہ مولانا شبلی پر میرے شوق مطالعہ اور وسعت مطالعہ کا

---

[1] ایضاً، ص ۲۱۲

اثر پڑا۔ اس وقت تک میرا مطالعہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ عربی کی تمام نئی مطبوعات اور نئی تصنیفات تقریباً میری نظر سے گزر چکی تھیں اور بہتیری کتابیں ایسی بھی تھیں کہ مولانا ان کے شائق تھے اور انھیں معلوم نہ تھا کہ چھپ گئی ہیں، مثلاً محصّل امام رازی۔"

اسی سلسلۂ بیان میں ایک دن کا واقعہ نقل فرماتے ہیں:

"پٹنے کے ایک شخص علی محمود جن کا انتقال ہو چکا ہے، اس وقت بمبئی میں تھے اور وہ بھی برابر مولانا (شبلی) سے ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ ایک دن میں اس ہوٹل میں گیا، جہاں مولانا ٹھہرے ہوئے تھے، تو دیکھا کہ ایک بحث بڑی سرگرمی سے ہو رہی ہے۔ علی محمود سے شاید مولانا نے کہا تھا کہ فنِ مناظرہ کی ناواقفیت کی وجہ سے لوگوں کی گفتگو کس قدر بے اسلوب ہوتی ہے اور انھوں نے بتلایا کہ "رشیدیہ" اس میں اچھا متن ہے، وہ اسے لے کر آتے تھے۔ ایک اور مولوی نظام الدین پنجاب کے تھے، وہ بھی پہنچ گئے تھے اور اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ میں جب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ "رشیدیہ" کے بعض مطالب مولانا، علی محمود کو سمجھانا چاہتے ہیں، لیکن مولوی مذکور بار بار الجھ پڑتا ہے اور ہر چند وہ سمجھاتے ہیں لیکن کج بحثی بڑھتی جاتی ہے۔ میں بھی ایک دو موقع پر بول اٹھا اور پھر مولوی نظام الدین کو مخاطب کر کے میں نے بعض باتیں جو مابہ النزاع ہو رہی تھیں، کہیں، اس پر مولانا شبلی میری طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ اپنی تقریر پوری کرو۔ میں نے اس حصۂ کتاب پر ایک اچھی خاصی بسیط تقریر کر ڈالی۔ اس وقت مجھے درسیات خوب مستحضر تھیں۔ نیا نیا پڑھنے پڑھانے سے فارغ ہوا تھا۔ اعتراضات اور ان کی بحثیں بھی خوب منجھ چکی تھیں۔ میں نے بڑی زوردار تقریر کی اور اگرچہ بات کچھ بھی نہ تھی، لیکن مولانا شبلی مرحوم اس درجہ متاثر ہوئے کہ بار بار تعریف کرتے اور کہتے تھے کہ تمھارا ذہن و دماغ عجائبِ روزگار میں سے ہے۔ تمھیں تو کسی علمی نمائش گاہ میں بہ طور ایک اعجوبے کے پیش کرنا چاہیے۔"[1]

---

[1] ایضاً، ص ۱۲-۲۱۱

لسان الصدق کی بدولت نہ صرف مولانا وحیدالدین سلیم، خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی، مولوی غلام محمد (مالک اخبار وکیل امرتسر) شیخ سرعبدالقادر وغیرہم سے تعلقات استوار ہوئے بلکہ ملک کی متعدد علمی، ادبی شخصیات اور اداروں سے تعارف کا وسیلہ بھی لسان الصدق بنا تھا اور اسی کی بدولت ان کے علم ونظر، اصابتِ رائے، قلم کی پختگی اور کسی میگزین کی ترتیب وتدوین کی صلاحیتوں پر اعتماد کیا جانے لگا۔ یہیں سے الندوہ (لکھنو) اور وکیل (امرتسر) کی ادارت کے لیے راہ ہموار ہوئی تھی۔ الہلال کے علمی معیار، مضامین کے تنوع، ترتیب وتہذیب کے سلیقے اور ظاہری خوش نمائی وزیبائی کے لیے جو اہتمام کیا گیا تھا اس کی فکری بنیادیں اور ذوق کا پس منظر بھی ہمیں لسان الصدق کے صفحات میں مولانا کے پھیلے ہوئے افکار میں تلاش کرنا چاہیے۔

لسان الصدق اور الہلال:

○ معاشرتی اور مذہبی اصلاح اور تحقیق کے بارے میں لسان الصدق میں مولانا آزاد نے جو خیالات پیش کیے تھے، الہلال ان کا نقش کامل تھا۔

○ اردو زبان کی ترقی اور لسانیات واصطلاحات کے بارے میں لسان الصدق نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا اور جس تعبیر کی بنیاد ڈالی تھی، اس پر عمارت الہلال نے کھڑی کی۔ اس بارے میں لسان الصدق اور الہلال ایک تحریک کے دو ادوار کے جلی عنوان ہیں۔

○ اردو میں تنقید کی روایت اور حقیقت تنقید کے بارے میں مولانا نے لسان الصدق کے صفحات میں جو کچھ فکراً اور نمونتہً پیش کیا تھا وہ خود ایک معیار تھا لیکن الہلال کے بعض تبصروں میں بھی مولانا نے ٹھیک انھیں خیالات کا اظہار کیا اور تبصرے یا ریویو بھی انھیں اصولوں پر کیے جو اصول لسان الصدق میں پیش کیے تھے۔ اس تنقید اور اصول تنقید کے باب میں لسان الصدق الہلال کا پیش رو ہے۔

○ نیز بنگالہ میں علمی مذاق کی ترقی کے لیے لسان الصدق نے جس تحریک کا آغاز کیا تھا، الہلال سے اس تحریک کا دوسرا دور شروع ہوا۔

○ الہلال کو مولانا نے با تصویر نکالا تھا۔ شاید الہلال میں تصویری اشاعت کے فلسفے پر روشنی نہیں ڈالی گئی یا اسے گرفت میں لانے سے میری نظر معذور رہی ہے۔ لیکن اگر لسان الصدق میں تصویروں کی شمولیت کے فیصلے اور اس کی مصلحت پر نظر ڈال لی جائے، جس کا ذکر اس مضمون

میں بھی آچکا ہے، تو الہلال میں تصویروں کی اشاعت کا پس منظر اور اس کی مصلحت بہ خوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔

آخری نظر:

لسان الصدق مولانا آزاد کی ادارت میں نکلنے والا پہلا رسالہ تھا جو علمی، ادبی، تعلیمی اور معاشرتی اصلاح اور ترقی کے اہم مقاصد کے تحت جاری کیا گیا تھا۔ اور پہلے پرچے سے لے کر آخری پرچے تک اس کے تمام مضامین اور ان کا ایک ایک لفظ ان مقاصد کا ترجمان اور ان کے حصول کا محرک ثابت ہوا۔

اس کے مقاصد کی اہمیت کے اعتراف سے اس وقت کی ادب و صحافت کی پوری دنیا گونج اٹھی تھی۔ اس کے موضوعات کی اہمیت، مضامین کی افادیت، اسلوب کی دل ربائی اور ترتیب و تدوین کے حسن نے وقت کے تمام اہل ذوق کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

لسان الصدق کے اجرا سے مولانا کے پیش نظر زبان و ادب اور تنقید میں ذوق کی تسکین و تربیت اور معاشرتی اصلاح کے جن مقاصد کا حصول تھا، ان کا ہر جز جس طرح اس وقت لائق توجہ تھا، اسی طرح آج بھی ان کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ لسان الصدق میں علمی شان نظر آتی ہے۔ اس کے مشمولات کی ترتیب و تہذیب، وقت کی معیاری علمی صحافت کے مطابق ہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "یہ گویا مولانا کی اب تک کی صحافتی ریاضت کا پہلا حاصل اور پہلا قاعدہ رسالہ تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت کے چند گنے چنے معیاری پرچوں میں سے ایک تھا۔ اچھا کاغذ، خوبصورت کتابت۔۔۔ اس نے علمی دنیا میں اپنا وقار پیدا کر لیا"[1]

جناب مالک رام کے بقول اس کی اشاعت سے علم و صحافت کی دنیا میں "دھوم مچ گئی"[2] وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

> "لسان الصدق جاری ہوا تو مدیر محترم کی عمر پندرہ برس سے کچھ ہی زیادہ تھی۔

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد از ڈاکٹر عابد رضا بیدار، رام پور

[2] تحریر، دہلی، ۱۹۶۸ء ج ۲ ش ۱

> یہ عمر اور پرچے کے یہ بھاری بھر کم مقاصد، پھر یہ محض دعاوی ہی نہیں رہے، انھوں نے لسان الصدق کو واقعی اسم بامسمیٰ بنا دیا۔ اس کے مضامین کا معیار اتنا معتبر اور بلند تھا اور تحریر کا انداز ایسا دل کش تھا کہ اس نے فوراً صف اوّل کے پرچوں میں جگہ حاصل کر لی۔
>
> ستارہ درخشید و ماہ کامل شد
>
> اُس پر اُس دور کے بعض پرانے اور مشہور جرائد میں بہت اچھے تبصرے شائع ہوئے۔ اس کے مضامین میں لہجے کی متانت اور اسلوب کی ثقاہت سے بیشتر پڑھنے والوں کو خیال ہوا کہ مدیر کوئی معمر، سال خوردہ اور تجربہ کار بزرگ ہیں۔ اس رسالے نے ملک گیر شہرت حاصل کی"[1]

لسان الصدق نے اپنے پہلے پرچے میں جن مقاصد کا اعلان کیا تھا اور اپنے لیے جو دائرہ کار مقرر کیا تھا، اس میں اس نے بہترین خدمات انجام دیں۔

۱۔ سوشل ریفارم اور تمدنی معاشرتی اصلاح کی تحریک کے سلسلے میں اپنے صفحات میں بہترین لٹریچر کو جگہ دی۔

۲۔ اردو زبان کی ترقی کے لیے ایک باقاعدہ اور منظم تحریک پیدا کر دی۔ انجمن ترقی اردو کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ اردو کی ترقی، توسیع اور اسے مقبول بنانے کے لیے منصوبے بنائے، تجویزیں پیش کیں، مشورے دیے اور اردو مخالف تحریک کا سدّباب کیا۔

۳۔ بنگالہ میں علمی مذاق پیدا کرنے کے لیے مضامین کی اشاعت سے لے کر انجمن ترقی اردو کی شاخ کے قیام کی کوشش تک زبان، قلم اور عمل سے ان حالات میں جو کچھ کیا جا سکتا تھا، اس سے دریغ نہیں کیا۔ کلکتہ سے لسان الصدق کا اجرا بذات خود بنگالہ میں علمی مذاق پیدا کرنے کی منظم سعی اور مستقل تحریک کا جلی عنوان ہے۔

۴۔ تنقید کے مقصد کے سلسلے میں، اردو کتب و رسائل پر عمدہ تنقید کے بہترین نمونے پیش کیے۔ بلکہ ایک تنقید تو ایسی ہے کہ اس قسم کی مثال شاید ہی کوئی دوسری پیش کی جا سکے۔

---

[1] مولانا آزاد بہ حیثیت ادیب و صحافی (مقالہ مشمولہ "مولانا ابوالکلام آزاد ــ ایک مطالعہ" مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، کراچی، مکتبۂ اسلوب، ۱۹۸۶ء، ص ۶۱

میرا اشارہ مولوی وحید الدین سلیم، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی اور شیخ عبدالقادر کی حیات جاوید پر تنقیدوں کے اس جائزے اور تعاقب کی طرف ہے جو لسان الصدق میں مولانا کے قلم سے یادگار ہے۔

۵۔ اور لسان الصدق کے آخری پرچے میں مذہبی اصلاح و تحقیق کے بارے میں نہایت اہم اور فکر انگیز خیالات پیش کیے۔

نومبر ۰۳ ۱۹ء میں مولانا آزاد نے لسان الصدق جاری کیا تھا تو انھوں نے عمر کی سولھویں منزل میں قدم رکھا تھا اور رجب اپریل مئی ۰۵ ۱۹ء میں اس کا آخری پرچہ شائع ہوا تو اس کی صرف دس اشاعتیں منصۂ شہود پر آسکی تھیں جن کے صفحات کی تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی، اس وقت مولانا کی عمر اٹھارہ برس کی بھی نہ ہوئی تھی۔ اس عمر کے ایڈیٹر، صرف دس اشاعتوں اور تقریباً تین سو صفحات کے مجموعے کی کامیابی کا جوز یادہ سے زیادہ تصور کیا جاسکتا ہے تاریخ صحافت میں لسان الصدق کا مقام اس سے بہت بلند، اس کی علمی و ادبی اہمیت اس سے کہیں زیادہ قابلِ قدر اور اس کے اثرات اس سے کہیں زیادہ وسیع ہیں۔

لسان الصدق
(ایک نظر میں)

سلسلۂ اشاعت	جلد	شمارہ	بابت ماہ وسال	تعداد صفحات
۱	۱	۱	۲۰؍نومبر ۱۹۰۳ء	۱۶
۲	۱	۲	۲۰؍دسمبر ؍؍	؍؍
۳	۲	۱	۲۰؍جنوری ۱۹۰۴ء	؍؍
۴	۲	۲	۲۰؍فروری ؍؍	۲۴
۵	۲	۳	۲۰؍مارچ ؍؍	؍؍
۶	۲	۴	۲۰؍اپریل ؍؍	
۷	۲	۵	۲۰؍مئی ؍؍	۳۲
			ضمیمہ	۸
۸	۲	۶ و ۷	جون وجولائی ؍؍	۴۲
			ضمیمہ	۱۶
۹	۲	۸ و ۹	اگست وستمبر ؍؍	۳۲+۶ (بہ شمول سرورق)
۱۰	۳	۱ و ۲	اپریل ومئی ۱۹۰۵ء	۵۸+۴ (سرورق)

لسان الصدق

(اشاریہ مضامین)

اردو زبان اور اس کی ترقی کے مسائل

اردو:

ایڈیٹر، اردو زبان بنگلہ میں — ج ۲ ش ۲ ص ۲۱

اردو زبان کی مخالفت اور بنگلہ زبان ترقی کی تحریک اور بنگلہ کے مقابلے علمی زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی اہمیت اور اس کی اشاعت و ترقی پر تبصرہ

" ، ملکی زبان سے غفلت — ج ۲ ش ۲ ص ۱۵

المؤید، مصر کے ایک مضمون کا ترجمہ، ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ

" ، ولایتی اور دیسی الفاظ — ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱۸

مسٹر علی محمود بانکی پور کے ایک نوٹ پر مفصل تعارفی و تنقیدی نوٹ

آہ دہلوی، مولوی ابوالنصر، اردو کا جھگڑا اور بنگالہ — ج ۲ ش ۳ ص ۸

علی محمود (بانکی پور)، ولایتی اور دیسی الفاظ — ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱۸

اردو میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جواز و عدم جواز اور اس کی حد۔ اس بحث میں مضمون کے شروع میں ایڈیٹر کے قلم سے ایک مفصل نوٹ ہے

اردو شارٹ ہینڈ:

ایڈیٹر، اردو شارٹ ہینڈ — ج ۲ ش ۲ ص ۳

منشی غلام رسول ایڈیٹر انقلاب بمبئی کے ایجاد کردہ اصول و قواعد مختصر نویسی کی خبر اور قوم سے ان کے کام کی قدردانی کی توقع

غلام رسول، منشی، ایک نہایت ضروری اپیل ج ۲ ش ۳ ص ۱۲
منشی صاحب کے ایجاد کردہ اردو شارٹ ہینڈ رائٹنگ کے اصول کی اشاعت میں تعاون کی درخواست۔ ایڈیٹر کے مختصر تائیدی نوٹ کے ساتھ

انتقاد

لسان الصدق میں انتقاد اور ریویو دونوں لفظ ایک ہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ تعارف اس سے مختلف چیز ہے۔ کسی رسالے یا کتاب کے موضوع، مضامین، ابواب وفصول، ترتیب و تقسیم مطالب جیسے ہوں، بیان کر دینا، یہ رائے دیے بغیر کہ وہ درست اور علمی معیار کے مطابق ہیں یا نہیں؟ "تعارف" ہے۔ ریویو یا نقد و انتقاد کی تعریف مولانا نے خود تفصیل کے ساتھ کرائی۔ لسان الصدق میں مطالعہ کرنی چاہیے۔

ایڈیٹر اتحاد (رسالہ) ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۱
〃 احسن، کاکوری، ایڈیٹر منشی احمد علی کاکوری ج ۲ ش ۵ ص ۱۶
〃 ارشاد القرآن از مولوی فتح محمد جالندھری ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۳۵
〃 ارکان الاسلام از منشی سراج الدین احمد خاں (ایڈیٹر زمیندار لاہور) ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۳۷
〃 افسانہ وکن ریویو ایڈیٹر مولوی ظفر علی خاں ج ۲ ش ۲ ص ۲۴
〃 الدر المنثور فی تراجم اہل صادقپور از مولوی عبدالرحیم صادقپوری ج ۲ ش ۴ ص ۱۹
〃 العرفان ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۱
ایڈیٹر انوار الاخلاق از مولوی نور احمد نور ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲۱
〃 بڑی جنتری از رحمت اللہ رعد ج ۲ ش ۱ ص ۱۴
〃 ترقی (رسالہ) ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۲
〃 چراغ دہلی از مرزا حیرت دہلوی ج ۲ ش ۴ ص
〃 حیات جاوید (سر سید احمد خاں کی لائف از خواجہ الطاف حسین حالی ج ۲ ش ۲ ص ۸
〃 〃 〃 〃 ج ۲ ش ۴ ص ۱۲
〃 خدنگ نظر، لکھنو ایڈیٹر منشی نوبت رائے نظر ج ۲ ش ۲ ص ۲۴
〃 زمانہ، کانپور ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم ج ۲ ش ۳ ص ۲۱

ایڈیٹر زمانہ، کان پور ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم — ج ۲ ش ۱، ۲ ص ۲۲
〃 قوم، جے پور ایڈیٹر مولوی اساس الدین تسنیم — ج ۲ ش ۳ ص ۱۴
〃 مسدس قیس از مولوی حکیم عنیر الحق قیس آروی — ج ۲ ش ۱ ص ۱۶
〃 مسیحا، امرتسر — ج ۲ ش ۴ ص ۱۱
〃 معلم النسوال از خان بہادر میرزا شجاعت علی — ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۳۸
〃 نامی جنتری از منشی رحمت اللہ رعد — ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۸
〃 نموذج الخطیب از سید عبدالحق بغدادی — ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۳۰
اللوا (مصر)، سرگزشت از موسیو لیبورش — ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۴۲

اللوا (مصر) میں موسیو لیبورش کی سرگزشت پر مضمون کے حوالے سے شیخ محمد عبدہٗ مصری، سرسید احمد خان (دہلوی)، جمال الدین افغانی اور علامہ شبلی نعمانی کی خدمت کا تذکرہ اور اس پر تبصرہ۔

اصلاح رسوم و معاشرت

ایڈیٹر (شذرہ: کان چھیدنے کی رسم پر بے جا اسراف) — ج ۱ ش ۱ ص ۱۲
آہ دہلوی، ابو النصر، توہمات کی زندگی — ج ۲ ش ۱ ص ۴
〃 〃، شادی (بہ سلسلہ رسوم بے جا) — ج ۱ ش ۲ ص ۱۳
〃 〃، شگون (〃 〃 〃) — ج ۲ ش ۲ ص ۱۷
رنجور عظیم آبادی، محمد یوسف جعفری، اسلام اور رسوم — ج ۱ ش ۲ ص ۵
〃 〃 〃 (۲) — ج ۲ ش ۱ ص ۷
سعید بلگرامی، مولوی سید محمد، حقوق نسواں اور اس کے متعلق ایک بڑی غلط فہمی کی اصلاح — ج ۲ ش ۵ ص ۱۱
تعلیم نسواں کی ضرورت اصلاح معاشرت کے نقطۂ نظر سے۔ ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ
〃 حقوق نسواں (۲) شادی خانہ آبادی — ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲۶

اداریے (تعلیمی، علمی و ادبی اور سیاسی)

اداریے (تعلیمی)

ایڈیٹر، انجمن حمایتِ اسلام (اور زندہ دلوں کا وطن) ج ۲ ش ۵ ص ۲
سرسید کی تحریک کے اثرات، انجمن کے مقاصدِ قیام، پنجاب میں عملی و تہذیبی سرگرمیوں، انجمن کے سالانہ اجلاس اپریل ۱۹۰۴ء میں شرکت، جلسے کی کارروائی، اس کے اثرات و فیضان، پر تبصرہ اور بعض شہروں کی سیاحت کے حالات وغیرہ

" ، زماں بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا با آرزو ہائے تمنا ی خندہ می آید ج ۲ ش ۵ ص ۱۷
بنگال پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس پر تبصرہ اور توقعات سے مایوسی۔ یہ ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد کا وہ طویل و مفصل نوٹ ہے جو انھوں نے نواب محسن الملک کے مضمون پر تحریر فرمایا ہے۔

" ، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ (دسمبر ۱۹۰۴) ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۱۱
" ، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بمبئی کی تیاریاں ج ۱ ش ۲ ص ۳
" ، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علاقہ بمبئی اور مرحوم سرسید احمد خاں ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۲۹
بنگال یونی ورسٹی کا ایک ایم اے، مسلمانانِ بنگال کی پنجسالہ تعلیمی رپورٹ ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲
ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم بنگال کی رپورٹ پر تبصرہ اور مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ۔ ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ۔

محسن الملک بہادر، نواب ہمراہ نقل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بنگال اور مسئلہ محمڈن یونی ورسٹی ج ۲ ش ۵ ص ۱۹
——— ہماری تعلیمی کانفرنسیں۔ اجلاس رام پور ج ۲ ش ۵ ص ۵
——— ندوۃ العلما۔ اجلاس بمبئی ج ۲ ش ۵ ش ۵

ادارے (علمی و ادبی)

ایڈیٹر انجمن ترقی اردو کے لیے کلکتہ میں ایک کوشش — ج ۲ ش ۲ ص ۲۰

انجمن ترقی اردو کی تائید کے لیے کمیٹی کے قیام کا اعلان اور انجمن کی شاخ کے قیام کی تجویز۔

ایڈیٹر، انجمن ترقی اردو — ج ۱ ش ۱ ص ۱۲

ترجمہ و اشاعت کتب کے پروگرام پر تبصرہ

〃 ، انجمن ترقی اردو — ج ۲ ش ۲ ص ۱

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی کے اجلاس میں انجمن کی رپورٹ پیش کردہ سکریٹری انجمن مولانا شبلی نعمانی پر تبصرہ

〃 ، ترقی اردو اور تراجم علوم و فنون کا سلسلہ — ج ۲ ش ۸،۹ ص ۱

〃 〃 〃 〃 (۲) — ج ۳ ش ۱،۲ ص ۳۷

شبلی نعمانی، انجمن ترقی اردو — ج ۲ ش ۲ ص ۱۹

کانفرنس کے اجلاس بمبئی میں انجمن ترقی اردو کے کاموں کی وسعت کے لیے فنڈ کے قیام سے متعلق قرارداد پر معطیان کی فہرست

〃 ، انجمن ترقی اردو — ج ۲ ش ۳ ص ۴۴ ۲

۱۴ فروری ۱۹۰۴ء کے غیر معمولی اجلاس کی کارروائی کی رپورٹ جس میں مسٹر آرنلڈ کی جگہ ڈبلیو بیل کا بہ حیثیت صدر انجمن انتخاب ہوا۔

〃 ، مضمون متعلق رپورٹ سالانہ انجمن ترقی اردو — ج ۲ ش ۲ ص ۴

یہ رپورٹ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بمبئی ۱۹۰۳ء میں پیش کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ انجمن کے قیام کی تاریخ اور اس کے عہدے داروں کی فہرست بھی ہے۔

ادارے (سیاسی)

ایڈیٹر، شذرہ — ج ۲ ش ۱ ص ۳

انڈین نیشنل کانگریس کے نام پر سرسید کا اعتراض اور اس کے تیرہ چودہ سال بعد الفریڈ نندی کے ایک مضمون کے حوالے سے اس اعتراض کی صحت پر تبصرہ

〃 ، انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس بمبئی — ج ۲ ش ۵ ص ۵

〃 ، انگلینڈ میں برل پارٹی کی مقبولیت اور ایک حکومتی انقلاب کی توقع — ج ۳ ش ۱۱، ۲ ص ۲۰

شخصیات

ایڈیٹر، شمس العلما مولانا الطاف حسین حالیؔ — ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۴۱

〃 ، حالی مرحوم کو شمس العلماء کا خطاب ملنے پر ایڈیٹر کا شذرہ مسرت اور مولوی محمد یوسف جعفری رنجور کا قطعۂ تاریخ عطائے خطاب

〃 ، قومی اعزاز — ج ۲ ش ۱ ص ۱۴

خواجہ الطاف حسین حالیؔ کی علمی و قومی خدمات پر تبصرہ اور قوم کی جانب سے کوئی اعزاز نہ دیے جانے پر اظہار افسوس اور رسالہ تالیف و اشاعت (لاہور) کی اس تجویز پر اظہار رائے کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بمبئی سے قبل اس مسئلے پر غور کرنے کی تجویز کی توثیق۔

〃 ، (شذرات: شیخ محمد عبدہٗ کی سیاحتِ انگلستان، جلا وطنی، ان کی شخصیت اور اس کے اثرات) — ج ۱ ش ۱ ص ۱۱

آہ دہلوی، ابو المنصر (مترجم) ڈی ماس تھینز یونان کا ایک فاتح لیکچرار — ج ۳ ش ۱۱، ۲ ص ۵۰

ابن خلکان، ابو منصور الثعالبی — ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱۲

ثعالبی کی شخصیت اور اس کی تصنیفات اور علمی خدمات پر ابن خلکان کی کشف الظنون سے ماخوذ معلومات۔

رنجور، مولوی محمد یوسف، قطعۂ تاریخ — ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۴۱

خواجہ حالیؔ کو شمس العلماء کا خطاب ملنے پر

صحافت

ایڈیٹر، دارالسلطنت ہند میں ایک اردو پریس کی کمی — ج ۲ ش ۴ ص ۲

〃 (شذرہ: آبزرور کی ترقی کے لیے شیخ عبدالقادر کو نواب بہاولپور کی امداد پر اظہار مسرت) — ج ۲ ش ۲ ص ۸

ایڈیٹر، پریس کانفرنس (قیام ۱۸۹۵ء بہ سعیٔ منشی محبوب عالم) ج ۲ش ۱، ۲ص ۲۲
پریس کی آزادی کے مسئلے پر نیز محمڈن پریس ایسوسی ایشن کے قیام کی تجویز اور آفیشل سیکرٹ بل کی مخالفت کی تحریک پر تبصرہ
۱۹۰۴ء زیر صدارت مولوی بشیر الدین ایڈیٹر البشیر، کارروائی، دستور العمل کانفرنس اور پاس شدہ قرار دادیں ج ۳ ش ۲،۱ ص ۲۴

ایڈیٹر (مسلم پریس کانفرنس کا دوسرا سالانہ جلسہ بمقام لکھنو ۳۰ ر دسمبر
" (کلکتہ سے انگریزی اخبار محمڈن ایڈوکیٹ کے اجرا کی خبر پر تبصرہ اور اس کی مالی امداد کی ترغیب) ج ۱ ش ۱ ص ۱۲
" دل چسپ معلومات (اخبارات کے متعلق) ج ۲ ش ۴ ص ۲۴

لسان الصدق اور معاصرین

ایڈیٹر، ایک ضروری گزارش (لسان الصدق کی خریداری کے متعلق) ج ۲ ش ۳ ص ۱

" ، جنوری ۱۹۰۴ء ج ۲ ش ۱ ص ۱
خریداروں کی سست رفتاری اور ضخامت میں اضافے کے مطالبے پر تبصرہ
" ، جن ہم عصروں نے ... ج ۲ ش ۲ ص ۱۴
معاصرین سے مبادلے اور لسان الصدق پر تبصرے کی درخواست
" ، خریداران لسان الصدق کی خدمت میں ایک گزارش ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲
" ، ریاض الاخبار اور لسان الصدق ج ۲ ش ۳ ص ۲۲
" ، شکریہ (لسان الصدق کی مالی امداد) ج ۲ ش ۴ ص ۱
" ، شکریہ (منشی نواب دین کا شکریہ لسان الصدق کے دس خریدار مہیا کرنے پر) ج ۲ ش ۵ ص ۱
ایڈیٹر، شکریہ (مولوی محمد سعید بلگرامی کا رسالے کی اشاعت میں تعاون کے لیے ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۱

〃 ، لسان الصدق

(رسالے کی نوعیت، اجرا کی مشکلات اور اہل قلم سے تعاون کی اپیل) ج ۱ ش ۱ ص ۱۴

〃 ، لسان الصدق اور مبادلہ رسائل ج ۲ ش ۱ ص ۲

، لسان الصدق کا دستور العمل ج ۱ ش ۱ ص ۱

〃 ، لسان الصدق ۱۹۰۵ء میں (آیندہ مقاصد و ترتیب و اہتمام کے بارے میں)

ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱۲

〃 ، (لسان الصدق کی اشاعت پر ردعمل، مقبولیت و پذیرائی پر شکریہ) ج ۱ ش ۲ ص ۱

〃 ، مبادلۂ سنین اور لسان الصدق ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۱

، گزشتہ برسوں میں لسان الصدق کی خدمات پر تبصرہ اور آیندہ کے عزائم

〃 ، معاصرین اور خریداران سے گزارش (مکمل پتا درج کرنے کی

(مکمل پتا درج کرنے کی گزارش) ج ۲ ش ۱ ص ۱۶ (حاشیہ)

〃 ، معزز ہم عصروں اور خریداران لسان الصدق سے عرض ہے

(خط و کتابت کے وقت مکمل پتا درج کرنے کی درخواست) ج ۲ ش ۲ ص ۱۴

〃 ، معزز ہم عصروں سے التماس ج ۱ ش ۱ ص ۱۶

لسان الصدق کے تبادلے اور اس پر تبصرے کی درخواست نیز علمی و تصنیفی کاموں کی اطلاع اور تبصرے کے لیے کتابیں بھیجنے کی درخواست

〃 ، (شذرہ) منشی محمد مراد خاں کان پوری کی لسان الصدق کی اشاعت سے دل چسپی اور خریداروں کی فراہمی ج ۲ ش ۱ ص ۳

〃 ، ہم اور ہمارے معاصرین

(دکن ریویو (حیدر آباد دکن) میں اصلاح و رسوم پر ایڈیٹر کے مضمون اور احیائے علوم عربیہ کی تحریک کے جواب میں علامہ شبلی کے مضمون پر تبصرہ اور تالیف و اشاعت (لاہور) میں ایڈیٹر کی تجویز "متعلق" اردو انسائیکلوپیڈیا" کی تجویز پر تبصرہ) ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲۹

رنجور، مولوی محمد یوسف، قطعۂ تاریخ اجرائے لسان الصدق۔ ج ۱ ش ۱ ص ۱۱
ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ

مینیجر لسان الصدق، التماس ج ۲ ش ۴ ص ۵

رسالے کے چندے کی روانگی کی درخواست یا وی پی بھیجنے کے لیے اجازت۔

〃 〃 ایک نہایت ضروری اطلاع ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۴۰

ایڈیٹر لسان الصدق مولوی ابوالکلام آزاد دہلوی کے ایک مدت تک بمبئی میں قیام کی اطلاع اور ادارت سے متعلق امور، ڈاک، رسائل وغیرہ کے بمبئی کے پتے پر بھیجنے کی درخواست

معاصرین

—— لسان الصدق کے بارے میں بعض معزز ہم عصروں کی رائے:

۱۔ شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن، لاہور ج ۲ ش ۲ ص ۱۷

۲۔ مولوی ظفر علی خاں ایڈیٹر افسانہ ج ۲ ش ۲ ص ۱۸

۳۔ ایڈیٹر مبین الاخبار، مراد آباد ج ۲ ش ۲ ص ۱۸

لسان الصدق کے متعلق بعض معزز ہم عصروں کی رائے:

۱۔ دلچسپ کلکتہ ج ۲ ش ۴ ص ۲۰

۲۔ ایڈورڈ گزٹ شاہجہان پور 〃 〃

۳۔ نظام الملک مراد آباد 〃 〃

علمی خبریں

—— البرامکہ (از مولوی عبدالرزاق کانپوری) شائع ہوگئی ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۷

الکلام (از شبلی نعمانی) شائع ہوگئی ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۹

الندوہ، شاہجہان پور ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱

(مجلس ندوۃ العلماء (لکھنو) کے ماہوار علمی رسالے الندوۃ کے اجرا کی خبر اور مقاصد اجرا کا تعارف)

رباعیات حالی (جلد پر انگریزی حروف میں نام پر اعتراض کا جواب) ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۱۹

زیر تصنیف کتابیں: (کالم کی ضرورت پر ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ) ج ۱ ش ۱ ص ۱۴

شبلی نعمانی علم الکلام کی تاریخ کا دوسرا حصہ

عبدالرزاق کانپوری نظام الملک

13870

زیرِ طبع کتابیں: ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۲۸

الکلام مولانا شبلی نعمانی

سوانح عمری مولانا روم " "

یہ کتابیں ملک میں عنقریب شائع ہونے والی ہیں: ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۲۵

المعتزلہ ابوالکلام آزاد دہلوی

ایڈیٹر کی زیرِ تصنیف کتاب کا تعارف اور اس کا دیباچہ

یہ کتابیں عنقریب ملک میں شائع ہونے والی ہیں، ج ۲ ش ۳ ص ۵

الف: زیرِ تصنیف: تذکیر و تانیث اردو میں از حالی

میر انیس کے کلام پر تبصرہ از شبلی

سوانح عمری امیر خسرو از خواجہ حسن نظامی

ب: زیرِ ترجمہ: ہیرو ورشپ از کارلائل، مترجم عبدالغفور شہباز

ج: زیرِ طبع: ایجوکیشن از ہربرٹ اسپنسر مترجم غلام الحسنین

نامۂ دانشوران از علمائے ایران مترجم ریاض الحسن

معارف از ابن قتیبہ مترجم عبداللہ عمادی

لیکچرز از میکس مولر مترجم عبدالقادر

مقالات

ایڈیٹر المعتزلہ (زیرِ تصنیف کتاب کا پیش لفظ) ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۲۵

" تھیٹر (لفظی ترجمہ اور مختصر تاریخ) ج ۲ ش ۴ ص ۹

" ریاض الاخبار گورکھپور اور پیسہ اخبار لاہور ج ۲ ش ۲ ص ۲

مولانا حالی کی شاعری کے متعلق بحث پر تبصرہ

" فرسٹ ڈیبز روا اینڈ دین ڈیبز آفٹر ج ۲ ش ۳ ص ۲

" مسلمانان بنگال کی پنج سالہ تعلیمی رپورٹ (ایک مضمون) پر ایڈیٹر کا نوٹ ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲

اثیم امروہوی، سید شاہد حسین، ہندوستان کی اقوام جرائم پیشہ ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۱۱

ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ۔ جرائم پیشہ اقوام کے حالات اور اصلاح کی تجاویز

رنجور، محمد یوسف جعفری السعادہ والعلم (ترجمہ) ج ۲ ش ۶،۷ ص ۱۸

بحث یہ ہے کہ کون سے علوم انسان کی زیادہ شادمانی کا باعث ہوتے ہیں عربی سے ترجمہ

〃 〃 اسید اور شیخ ج ۲ ش ۳ ص ۱۵

شفیع، ایس ایم، ہندوستان اور جاپان کے تعلقات ــــ ایشیا ــــ (بیسویں صدی میں) ج ۳ ش ۵ ص ۶

ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ

علی محمود دبانکی پور قسمت (ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ) ج ۳ ش ۱۱،۱۲ ص ۴۲

وحشت، رضا علی مقدور ہو تو خاک سے ... ج ۲ ش ۴ ص ۶

متفرقات

آہ دہلوی، ابوالنصر سادہ لوحی (ایک تاریخی واقعہ) ج ۲ ش ۵ ص ۱۴

اسپنسر، (ایک قول) ج ۲ ش ۸،۹ ص ۱۷

ہکسلے، 〃 ج ۲ ش ۸،۹ ص ۲۴

تاریخی معلومات، قوموں کی قدامت ج ۲ ش ۵ ص ۱۰

قدیم فنِ عمارت کے دنیا میں پانچ دور ج ۲ ش ۶،۷ ص ۱۷

وفیات

ایڈیٹر، سید احمد حسن اب کہاں ہیں؟ ج ۱ ش ۲ ص ۱۵

〃 ، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کے بچے اور بیٹی کا انتقال ج ۳ ش ۱۱،۱۲ ص ۱۸

اشتہارات

ــــ اجرتِ طبع اشتہار (لسان الصدق) ج ۲ ش ۵ ص ۱

ــــ اجرتِ طبع اشتہار (لسان الصدق) ج ۲ ش ۶،۷ ص ۱

الخیام از ابوالنصر غلام یاسین آہ ج ۲ ش ۳ ص ۷

اعلان (بہ کفایت ہر طرح کی طباعت کے لیے) ج ۲ ش ۲ ص ۲۳

الندوہ (شاہجہان پوری) ایڈیٹر شبلی نعمانی و حبیب الرحمٰن خان شروانی ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱

چند نایاب مقدس کتابیں — ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۳ (سرورق)

حیاتِ جاوید از خواجہ الطاف حسین حالیؔ — ج ۱ ش ۱ ص ۱۵

دکن ریویو (حیدرآباد دکن) — ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۴ (سرورق)

خدنگ نظر (لکھنو) — ″ ″ ″

خضابِ لاجواب — ج ۳ ش ۱، ۲ سرورق ص ۴

زمانہ (بریلی) — ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۴ (سرورق)

قوم (جے پور) — ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۴ (سرورق)

عیاشی کا نتیجہ (ایک ناول) — ج ۲ ش ۲ ص ۱۹

کتاب الصرف و کتاب النحو مصنفہ حافظ عبدالرحمٰن امرتسری ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۲ (سرورق)

کلکتہ کی سیر — تین جلدیں (ناول) — ج ۲ ش ۲ ص ۱۹

ہادی المطابع (کلکتہ) کی قابل دید کتابیں — ج ۲ ش ۱ ص ۹

ایڈیٹر، عرفت ربی بفسخ العزائم (جنوری ۱۹۰۵ء کی اشاعت میں تاخیر مزید پر عذر)

ج ۳ ش ۱، ۲ سرورق ص ۲

″ دربار سید اعظم (قارئینِ لسان الصدق کے لیے سر سید اور ان کے رفقا کے ایک گروپ فوٹو کے متعلق نوٹ) — ج ۳ ش ۱، ۲ سرورق ص ۲

ـــ دلچسپ معلومات: فزکس کے متعلق — ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۴۲

تاریخ کے متعلق — ″ ″ ″

آتش فشاں پہاڑ — ″ ″ ″

منیجر لسان الصدق، التماس — ج ۲ ش ۴ ص ۵

ریویو۔ کلکتہ

اسی زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "ریویو" کے نام سے ایک ماہنامہ کلکتہ سے جاری کرنے کا عزم کیا۔ لسان الصدق کے آخری پرچے کے ساتھ اس کے اجرا کے عزم کا اعلان کیا تھا کہ ۲۰ر جون (۱۹۰۵ء) سے شائع ہونا شروع ہو جائے گا۔ اس کے تعارف میں مولانا لکھتے ہیں:

اردو میں اپنی ڈھنگ کا پہلا رسالہ

ریویو

جس کا مقصد صرف ریویو ہے

اس کی اہمیت کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

"یورپ کی زبانوں میں متعدد رسالے ایسے شایع ہوتے ہیں، جن کا مقصود صرف "ریویو" ہوتا ہے، وہ ملک کی قابل قدر تصنیفات پر مفصل تنقید کرتے ہیں! مصنّفین کو ضروری معلومات سے مدد پہنچاتے ہیں، دوسرے ملکوں سے علمی تعلقات پیدا کر کے علم دوست جماعت کے لیے وہ اسباب مہیا کرتے ہیں، جن سے وہ اپنی علمی ضرورتیں آسانی سے پوری کر سکیں!! افسوس ہے کہ اردو میں اس وقت تک کوئی رسالہ اس مقصد سے شایع نہیں ہوا، اور یہ اہم کام لٹریری رسالوں کا ضمیمہ بن کر ناقابل اور غیر موزوں حالت میں خراب ہوتا رہا!! آج لسان الصدق اس کمی کے پورا کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ ۲۰۔ جون ۱۹۰۵ء سے ایک ماہوار رسالہ بالفعل (۱۶) صفحوں کی ضخامت پر بطور ضمیمہ لسان الصدق شایع ہونا شروع ہوگا، جس کا نام اور نام کے ساتھ صرف مقصد ریویو ہے"!!

اس کے مقاصد کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

(۱) ہندوستان میں جسقدر کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں اُن پر مفصّل ریویو کرنا، اور کوشش کرنی، کہ اِس کتاب کی مفصل کیفیت، مصنّف کی عمدہ تصویر شایع کی جائے۔

(۲) ممالک اسلامیہ میں عربی کی جو قابل قدر کتابیں شایع ہوتی ہیں ان پر مفصّل ریویو کرنا اور

خریداروں کی فرمائش پر اصلی قیمت پر کتاب منگوا دینا، اور کوشش کرنی کہ جن اردو عربی کتابوں پر ریویو کیا جاتا ہے؟ اس کے متعدد نسخے دفتر میں موجود ہوں۔

(۳) ہندوستان میں اس وقت تک کوئی ایسی ایجنسی نہیں ہے جہاں قلیل منفعت پر مصر، شام و قسطنطنیہ کی نادر الوجود کتابیں شایقین کو دستیاب ہو جائیں اگر ایک دو دکانیں ہیں بھی تو وہاں زیادہ تر قدیم مذاق کی تصنیفات، اور دینیات کی کتابیں دستیاب ہوتی ہیں اس لیے ریویو کے متعلق ایک ایجنسی قائم کی گئی ہے۔ جہاں تمام جدید کتابیں اور علوم و فنون جدیدہ کے تراجم تقریباً اصلی قیمت پر شایقین کو مل سکتے ہیں۔

(۴) دائرۃ المعارف، جیسی قیمتی کتابیں منگوا کر اس ایجنسی کے ذریعہ ماہوار قسط کے آسان طریقہ پر فروخت ہوں گی۔

اس کی قیمت کے بارے میں مولانا نے یہ فیصلہ فرمایا تھا قیمت سالانہ مع محصول عہ مگر خریداران لسان الصدق کے لیے صرف ۱۲ / درخواستیں دفتر لسان الصدق کے پتے سے کی جائیں۔

لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں اور ڈاکٹر رضا بیدار نے تحقیق فرمائی ہے مولانا آزاد کا یہ عزم عمل کی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ لیکن اس اشتہار و اعلان کی تفصیل سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ ۱۶، ۱۷ سال کی عمر میں بھی مولانا کی نظر علم و ادب اور ان کے مسائل و ضروریات کے ہر پہلو پر تھی۔

الندوہ۔ لکھنو

اس زمانے کے بعد مولانا کا زیادہ تر قیام بمبئی میں رہا تھا۔ چناں چہ جون جولائی ۱۹۰۴ء کے بعد سے اپریل مئی ۱۹۰۵ء تک لسان الصدق کے جو پرچے شائع ہوئے ان میں مقام اشاعت اور ایڈیٹر کا پتا بمبئی کا درج ہے۔ بمبئی کے اسی دوران قیام میں علامہ شبلی مرحوم سے ان کے روابط بڑھے۔ اگرچہ ان کی پہلی ملاقات ۱۹۰۱ء میں کلکتہ میں ہو چکی تھی اور اس کے بعد مراسلت کا سلسلہ بھی قائم ہو گیا تھا۔ لیکن بمبئی کے اس زمانے کے قیام کے زمانے میں جو ملاقاتیں ہوتیں ان میں حضرت علامہ مرحوم مولانا کے ذوق علمی، وسعت مطالعہ اور ذہنی صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوئے اور لکھنو آنے اور "الندوہ" کی ادارت میں ان کی معاونت کے لیے اصرار کیا۔ شاید مولانا خود بھی کسی علمی ماحول اور ایسی ہی صحبت و مصروفیت کے جویا تھے۔ مولانا نے وعدہ فرمالیا۔ حضرت علامہ بمبئی سے حیدر آباد (دکن) گئے اور وہاں سے لکھنو پہنچے ہی تھے کہ مولانا بھی لکھنو پہنچ گئے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک مولانا نے "الندوہ" کی ادارت میں علامہ شبلی کی معاونت کی۔

الندوہ ملک کے ایک تاریخی ادارے ندوۃ العلماء (لکھنو) کا علمی و تعلیمی ترجمان تھا اور لسان الصدق کے مقاصد کے مقابلے میں اس میں زبان و ادب کا ایک خاص تصور اور معیار تھا بلاشبہ الندوہ میں ادب کا دائرہ وسیع اور علوم و فنون کی تمام شاخوں تک پھیلا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی تعلیم حالات و وقت کے تقاضوں کے امتزاج اور ترقی کے مقاصد اس پر مستزاد تھے۔ اگرچہ لکھنو میں مولانا کا قیام پانچ چھ ماہ سے زیادہ نہ رہا اور وہ اس دائرہ فن اور معہد علمی سے جلد ہی نکل گئے لیکن اپنے ذوق و معیار کو دوسروں کے لیے نمونہ چھوڑ گئے۔

الندوہ میں مولانا کے قلم سے کئی بلند پایہ مضمون نکلے۔ مصر کے مشہور عالم فرید وجدی کی کتاب "المراۃ المسلمۃ" پر ایک نہایت مفصل ریویو کیا جو الندوہ کے تین نمبروں نومبر و دسمبر ۱۹۰۵ء اور فروری ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا۔ یہ ریویو وکیل امرتسر میں بھی نقل کیا گیا۔ اور بعد میں اسی اخبار کی

طرف سے مطبع روزبازار امرتسر میں چھپوا کر کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کے بعد اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن پاک وہند سے شائع ہو چکے ہیں۔ اگرچہ مولانا نے دوبارہ اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دی اس مسئلے میں بعد میں ان کی رائے بدل گئی تھی۔ بعض باتیں ان کے نزدیک سطحی اور علمی تحقیقات کے خلاف ثابت ہو چکی تھیں، محمد یونس خالدی مرحوم کے نام ایک خط میں مولانا فرماتے ہیں:

"یہ مضامین پندرہ سولہ برس کی عمر میں لکھے گئے تھے۔ ان میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں میری رائے بدل گئی ہے اور بہت سی باتیں اب میں صحیح نہیں سمجھتا۔ لہذا ان کے چھپوانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ فرید وجدی نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت سطحی ہے اور علمی تحقیقات کے خلاف ہے۔ مولانا شبلی مرحوم کی فرمایش پر میں نے ریویو لکھ دیا تھا اس وقت میری معلومات محدود تھیں"[۱]

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مضامین مولانا کے قلم سے نکلے اور الندوہ میں شائع ہو کر اہل علم میں مقبول ہوئے:

۱۔	القضاء فی الاسلام	فروری ۱۹۰۶ء
	المرأۃ المسلمہ نمبر ۱	نومبر ۱۹۰۵ء
	〃 〃 نمبر ۲	دسمبر 〃
	〃 〃 نمبر ۳	فروری ۱۹۰۶ء
۲۔	مسلمانوں کا ذخیرۂ علوم و فنون اور یورپ کی سرپرستی	اکتوبر ۱۹۰۵ء
۳۔	ندوۃ العلماء دہلی کا اجلاس اور قوم کی راہ مقصود	اپریل ۱۹۰۶ء
۴۔	ندوۃ العلماء میں ایک کتب خانے کی ضرورت (بسلسلۂ ایڈیٹوریل نوٹس)	فروری ۱۹۰۶ء
۵۔	یورپ میں گونگوں کی تعلیم (بسلسلۂ علمی خبریں)	مارچ ۱۹۰۶ء

[۱] امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے افادات علمیہ، محمد یونس خالدی ہفتہ وار الکلام۔ پٹنہ ۷ رمارچ ۱۹۵۹ء۔ نیز دیکھیے: افادات آزاد مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۲۹

وکیل امرتسر

مولانا لکھنؤ سے نکلے اور بمبئی اور لاہور ہوتے ہوئے امرتسر جا پہنچے۔ الندوہ چھوڑا اور وکیل کی زمام ادارت ہاتھ میں لی تھی۔ الندوہ ماہنامہ تھا، وکیل ہفتے میں دوبارہ شائع ہوتا تھا۔ مولانا نے اسے ہفتے میں تین بار کر دیا۔ الندوہ صرف ایک علمی رسالہ تھا، وکیل ایک مکمل اخبار تھا۔ الندوہ کی فضا محدود تھی، وکیل میں مضامین و موضوعات کی کوئی حد نہ تھی۔ وکیل میں مولانا کو ہر قسم کی مضمون نگاری کا موقع ملا اور ہر موضوع پر طبع آزمائی کی۔ وکیل کی اشاعت میں باقاعدگی نہ تھی، صفحات محدود تھے، اضافہ کیا گیا۔ مولانا کی محنت و مہارت رنگ لائی۔ اس کی شہرت ملک کے کونے میں جا پہنچی۔ مقبولیت آسمان سے باتیں کرنے لگی اور اشاعت سیکڑوں سے ہزاروں میں بدل گئی۔ وکیل میں رہ کر مولانا کا ذہن پوری طرح کھل چکا تھا اور وقت کے مسائل میں مولانا کے شعور نے پختگی حاصل کر لی تھی۔

وکیل میں مولانا کی ادارت کے دو دور ہیں۔ یہ پہلا دور تھا جو مئی ۱۹۰۶ء سے نومبر ۱۹۰۶ء تک تقریباً سات ماہ کی مدت پر محیط تھا۔

اس دوران میں مولانا کے بڑے بھائی مولوی غلام یٰسین آہ جو اسلامی ممالک کی سیاحت کرنے گئے ہوتے تھے، بیمار ہو کر وطن واپس لوٹے۔ لیکن وہ اس بیماری سے جاں بر نہ ہو سکے۔ غالباً ستمبر ۱۹۰۶ء میں کلکتہ میں ان کا انتقال ہوا۔ اس واقعے سے مولانا کا دل اچاٹ ہو گیا۔ والد کلکتہ واپس آنے کے لیے پہلے سے مصر تھے پھر انھوں نے مولانا کو کلکتہ واپس لانے کے لیے آدمی بھیج دیا۔ چنانچہ نومبر کی کسی تاریخ کو مولانا کلکتہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

وکیل، امرتسر (دورِ ثانی)

دارالسلطنت سے علاحدگی کے کچھ دنوں بعد مولانا دوبارہ امرتسر چلے گئے اور آٹھ نو ماہ کے وقفے کے بعد وکیل کو دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پہلی بار وکیل میں جانے کے بعد وکیل ہفتے میں تین بار شائع ہونے لگا تھا، لیکن اب پھر اسے ہفتے میں دوبارہ نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اس مرتبہ میں نے محسوس کیا کہ اخبار کا ہفتے میں تین مرتبہ نکلنا تقریباً بے سود ہے۔ روزانہ کا وہ کام دے نہیں سکتا، اور تین ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے محنت بے کار منقسم ہو جاتی ہے۔ شیخ غلام محمد نے بھی اتفاق کیا۔ اور اخبار کو باقی ویکلی کر دیا۔ مگر دو مرتبہ میں ضخامت اس سے کہیں زیادہ تھی جتنی تین مرتبہ میں ہوا کرتی تھی"۔ لے

اس مرتبہ وکیل سے مولانا کا تعلق تقریباً ایک سال رہا تھا۔ وہ وسط ۱۹۰۷ء میں امرتسر پہنچے اور آخر جولائی ۱۹۰۸ء تک وہاں رہے۔ پھر بھوپال ہوتے ہوئے والد کے اصرار پر کلکتہ چلے گئے۔ اگست ۱۹۰۸ء میں مولانا کے والد مولوی خیر الدین کا انتقال ہوا اور اس کے ساتھ ہی مولانا کی زندگی کا بھی ایک دور ختم ہو گیا۔

وکیل سے تعلق کے بارے میں یہ بات ضرور ذہن میں رہنی چاہیے کہ چوں کہ اس پر مدیر کی حیثیت سے مولانا کا نام نہیں چھپتا تھا اور اداریوں اور مضامین و شذرات وغیرہ پر بھی مدیر کے نام کی صراحت نہ ہوتی تھی اس لیے تاریخ کے تعین کے ساتھ مولانا آزاد کی ادارت کا زمانہ بتایا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح مولانا کے قلم سے نکلنے والے اداریوں، مضمونوں وغیرہ کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی، لیکن اگر وکیل کی اس زمانے کی جلدیں دستیاب ہوں تو ان کے زمانۂ ادارت کے تعین میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ اور ایسے شواہد بھی موجود ہیں جن سے ان کے بہت سے مضامین کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی کتاب "الحقوق والفرائض" پر تبصرہ جو نومبر ۱۹۰۶ء تا جنوری ۱۹۰۷ء کے کسی نمبر میں ہونا چاہیے لے اسی طرح بھوپال کے محمد یوسف قیصر کی ایک نظم ماہنامہ خاتون، علی گڑھ میں چھپی تھی۔ اس پر مولانا نے وکیل کے شذرات میں تنقید کی تھی۔ قیصر صاحب کی طرف سے اس کا جواب پیسہ اخبار، لاہور کے ذریعے دیا گیا۔ مولانا نے جواب الجواب وکیل میں دیا۔ کچھ دنوں تک یہ بحث چلتی رہی پھر ختم ہو گئی لے اسی طرح ایک مضمون "دن کا دربار" کے عنوان سے چھپا تھا لے یا بھاتی (غلام یسین آہ) کے انتقال پر مولانا کا پر سوز اداریہ وغیرہ،

لے آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۳۲۳-۳۲۴ لے ایضاً ص ۳۱۸ لے مولانا ابوالکلام آزاد اور بھوپال، محمد یوسف قیصر، ماہنامہ آجکل دہلی ستمبر ۱۹۵۸ء لے مولانا ابوالکلام آزاد، عابد رضا بیدار ص ۲۱۹

اس کے علاوہ مولانا کے اسلوب کی روشنی میں بھی یہ سفر طے کیا جا سکتا ہے نیز اس زمانے میں چوں کہ مولانا کے قومی خیالات میں بھی تبدیلی آگئی تھی، جس کی طرف مولانا نے خود اشارہ فرمایا ہے۔ اس لیے غور و فکر سے مولانا کی تحریرات کی نشان دہی ناممکن نہیں۔

لسان الصدق کے اجرا کے وقت مولانا کے پیش نظر زبان و ادب اور تنقید و اصلاح معاشرہ کے جو مقاصد تھے اور الندوہ کی نائب ادارت کے زمانے میں اسلامی تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور تعلیم و ترقی کی جن ضرورتوں کو ان کے ذہن و دماغ نے محسوس کیا تھا اور خدماتِ ملی و قومی کے جو میدان نمایاں ہوتے تھے، ان میں فتوحات کا موثر ترین ذریعہ وکیل ہی بنا تھا۔

تاریخ صحافت میں وکیل کا جو نمایاں مقام ہے، اس کی تعمیر میں مولانا کا حصہ قابلِ قدر ہے۔ وکیل نے ملک و قوم کی جو ہمہ جہت اور زندگی کے مختلف گوشوں میں خدمات انجام دی ہیں ان کی تحسین میں مولانا آزاد شریک ہیں۔ وکیل کے ذریعے ہمیں مولانا آزاد کی قومی، ملی، ادبی اور صحافتی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے۔

وکیل کی ادارت کے دوسرے دور میں مولانا آزاد کو احساس ہوا کہ ملک میں اصلاح و بیداری کی کوئی تحریک اس وقت تک پیدا نہیں کی جا سکتی جب تک ایڈیٹر کا قلم اخبار کے مالک کی مداخلت کے خطرے سے پوری طرح مطمئن نہ ہو۔ ملک کی آزادی اور قوم کی اصلاح و بہبود کی ہر تحریک کے آغاز، ترقی و فروغ اور انقلابی افکار کی تخم ریزی کے لیے سب سے پہلے ایڈیٹر کے قلم کو مصلحتوں سے بے نیاز اور پکڑے جانے کے ہر قسم کے خطروں اور خدشوں سے بے پروا ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بات اس کے بغیر ممکن نہ تھی کہ اخبارات کی ادارت ہی نہیں ملکیت کی زمام بھی ایک ہی ہاتھ میں ہو۔

جولائی ۱۹۱۲ء میں الہلال کا اجرا اسی اندازِ فکر کی کارفرمائی کا نتیجہ تھا۔

دار السلطنت، کلکتہ

مولانا کے والد مولوی خیرالدین مرحوم کی خواہش تھی اب وہ کلکتہ سے باہر نہ جائیں۔ بڑے بیٹے کے انتقال کے بعد اب وہی ان کی امیدوں کا آخری سہارا تھے۔ کلکتہ کے احباب کا اصرار بھی یہی تھا کہ اب مولانا کلکتہ میں مستقل قیام کریں لیکن والد کی جانشینی اور پیری مریدی کی زندگی ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ ان کا شاہین فکر علم و صحافت کی وسیع فضاؤں میں پرواز کا عادی تھا۔ زندگی کا کوئی محدود دائرہ اور رسم و روایت کی بندشوں کو ان کا ذہن قبول ہی نہ کر سکتا تھا۔ مولوی محمد یوسف جعفری رنجور جن سے مولانا کے قدیم سے مراسم تھے انھوں نے مولوی عبداللطیف تاجر چرم کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے والد مولوی عبدالباری کی یادگار دارالسلطنت کو جو ان کی وفات کے بعد بند ہو گیا تھا دوبارہ جاری کریں اور مولانا آزاد اس کے مدیر مقرر ہوں۔ مولانا کے لیے یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ مولانا نے اس ذمے داری کو بخوشی قبول کر لیا۔ دارالسلطنت ہفتہ وار اخبار تھا اور چھپائی اور کتابت کا اچھا انتظام کیا گیا تھا۔ جنوری ۱۹۰۷ء سے چند ماہ تک مولانا اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ لیکن مولوی عبداللطیف جو نہ تو صحافت کے آداب سے واقف تھے اور نہ علم و ادب کا ذوق رکھتے تھے اخبار کی پالیسی اور وقت کے مسائل کی نسبت دخل دیتے تھے۔ مولانا ان کے اس رویے سے دل برداشتہ ہو کر اخبار سے الگ ہو گئے اور پھر اخبار بھی بند ہو گیا۔

الہلال۔ کلکتہ

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک "انقلاب آفریں دعوت" تھا۔ اس نے ملک کے سیاسی، علمی ادبی اور دینی افکار وعقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے، ان پر مستقبل کا مورخ بحث کرے گا اور وہ عناصر ومبادیات ڈھونڈے گا جن سے پاک وہند میں بعد کی اسلامی واجتماعی ذہنیت ظہور پذیر ہوئی ہے۔

الہلال کا اجرا مولانا ابوالکلام آزاد کے مدتوں کے غور وفکر کا نتیجہ تھا۔ اس کے اجرا کا خیال انہیں امرتسر میں اس وقت آیا تھا جب وہ وکیل کے ایڈیٹر تھے۔ الہلال کے پہلے شمارے ہی میں مولانا فرماتے ہیں:

"۱۹۰۶ء کے موسم سرما کی آخری راتیں تھیں جب امرتسر میں میری چشم بیداری نے ایک خواب دیکھا تھا۔ انسان کے ارادوں اور منصوبوں کو جب تک ذہن وتخیل میں ہیں، عالم بیداری کا ایک خواب ہی سمجھنا چاہیے۔ کامل چھ برس اس کی تعبیر کی عشق آمیز جستجو میں صرف ہوگئے۔ امیدوں کی خلش اور ولولوں کی شورش نے ہمیشہ مضطرب رکھا اور یاس وقنوط کا ہجوم بارہا حوصلہ وعزم پر غالب آگیا لیکن الحمدللہ کہ ارادے کا استحکام اور توفیق الٰہی کا اعتماد ہر حال میں طمانیت بخش تھا۔ یہاں تک کہ آج اس خوابِ عزیز کی تعبیر عالم وجود میں پیش نظر ہے۔۔۔۔"

"الہلال کی اشاعت ہمارے قدیمی ارادوں کے سفر کا آغاز ہے اور فضل الٰہی سے امید ہے کہ اب بہت جلد اپنے ارادے کے اعمال مہمہ میں مصروف ہو سکیں گے۔ ایک اردو ہفتہ وار رسالے کی اشاعت کے لیے برقی طاقت سے چلنے والی مشینوں کی ضرورت نہ تھی اور نہ کسی وسیع پریس کے متعلقات وآلات کی۔ اور نہ ایک اردو کا ہفتہ وار اخبار ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے اتنی حیثیت پیدا کر سکتا ہے کہ کسی بڑے پریس کو اپنے اعتماد پر قائم رکھ سکے پھر وہ خواہ کتنے ہی وسیع پیمانے پر جاری کیا جائے، لیکن کوئی ایسا مقصد زندگی نہیں ہوسکتا جس

کا انتظار غضب ہائے امید کی بے چینیوں اور روز ہائے اضطراب کا متحق دار ہو، خدا کے بخشے ہوئے دل و دماغ کی یہ ناقدری و تحقیر ہے، اگر اس کے مقاصد کا سدرۃ المنتہٰی اس سے زیادہ بلند نہ ہو سکے۔ پس یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ درحقیقت چند عزائم عظیمہ ہیں، جن کی طرف بتدریج متوجہ ہونا ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا؟ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ، ان اللہ کان علیماً حکیماً۔ (الہلال۔ ج ۱ ش ۱ ص ۲، ۳)

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد فکر و نظر کی نئی روح پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کا ہر نمبر اپنے صفحات میں مختلف اذواق کی تسکین کا سروسامان رکھتا تھا۔ اس کے ہر شمارے میں مختلف ابواب مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے اور اس کا ہر صفحہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔

اس پر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا تھا اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں جو پتھر (لیتھو) کی چھپائی میں ممکن نہ تھیں۔

اس کی جلدیں جدید اردو علم و ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ الہلال کی خصوصیات کے ظاہری و باطنی کئی پہلو ہیں۔

اس کی ظاہری خصوصیات میں عمدہ کاغذ، بہترین ٹائپ کی چھپائی، اعلیٰ درجے کی ہاف ٹون تصویروں کا اہتمام اور دیدہ زیب گٹ اپ شامل ہیں۔

اس کی باطنی و معنوی خصوصیات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔

(۱) الہلال ہندوستان کا پہلا اردو ہفت روزہ تھا جس نے ایشیا اور یورپ کے اہم ممالک میں اپنے نمایندے مقرر کیے جو اس کے لیے اپنے اپنے مراکز سے علمی، ادبی اور سیاسی خبریں اور تبصرے بھیجتے تھے۔

(۲) الہلال نے بین الاقوامی خبروں کے معیار سے اردو صحافت میں حصہ لیا۔

(۳) الہلال نے پہلی بار اردو قارئین کا بین الاقوامی، عالمی سیاسی تحریکات اور تاریخی شخصیات سے تعارف کرایا۔

(۴) الہلال نے تازہ بہ تازہ اور نوع بہ نوع علمی تحقیقات، اثری انکشافات، سائنسی ایجادات وقت کے اہم علمی مباحث اور عالمی ادب اور خطابت کے شہ پاروں سے اپنے قارئین کو روشناس کرایا۔

(۵) اسلامی ممالک کی سیاست میں اس نے براہ راست حصہ لیا اور مسلمانوں کی اس دلچسپی کی ٹھوس بنیادیں فراہم کیں۔

(۶) الہلال انقلاب ذہن و فکر کا نقیب اور ملّی صور تھا، وہ قیام ملت کا داعی اور وقت کی ہمہ جہت اسلامی دعوت کا پیامبر تھا۔

(۷) معلومات و افکار کی اشاعت کے ساتھ ذہن و فکر کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر اس کا خاص مقصد تھا۔

(۸) الہلال اپنی ترتیب و تدوین، تقسیم ابواب و تالیف مباحث میں اپنی مثال آپ تھا۔

(۹) الہلال عالمی، ملکی، قومی اور ملّی خبروں، مضمونوں اور تمام اجزائے صحیفہ نگاری میں بے مثال توازن کا نمونہ تھا۔

(۱۰) الہلال کے سامنے تجارتی و کاروباری غرض نہ تھی بلکہ اس کے سامنے خدمت ملک و وطن اور تالیف قوم ملت کے متعلق مقاصد تھے۔ وہ دینی دعوت اصلاح کی ایک تحریک تھا اور مسلمانوں کے افکار و اعمال دینی و سیاسی میں تغیر و انقلاب پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اور اس لحاظ سے اردو صحافت کی تاریخ میں وہ ایک منفرد اخبار تھا۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے لکھا ہے کہ زمیندار (لاہور) ہمدرد (دہلی) اور الہلال (کلکتہ) اس دور صحافت کے اہم ترین نمایندے تھے اور شاید صحیح معنی میں اردو میں باقاعدہ اور سائنٹفک صحافت کے بانی بھی۔ الہلال اس تثلیث کا سب سے ممتاز رکن تھا۔ اس نے صحافت کے فن کو فنی حیثیت سے سب سے زیادہ سلیقے سے برتا اور ایڈیٹر اور اخبار دونوں کی کم عمری کے باوجود سب سے زیادہ دیرپا اثر چھوڑا[۱]۔

مقاصد و خدمات:

الہلال نکلا تھا تو اس کے پیش نظر دو قسم کے مقاصد تھے،

الف: عام مقاصد کا تعلق علم و ادب اور سیاست و صحافت کے عام مباحث سے تھا اور مقصود یہ تھا کہ اردو زبان میں ہر اعتبار سے ایک ایسا بلند پایہ رسالہ وجود میں آجائے جو زمانے کی رفتار ترقی کا ساتھ دے سکے اور فکر و نگارش کے ہر میدان میں ایک نئی قسم کی بلندی پیدا کردے۔

---

[۱] مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۱۳۷

ب؛ خاص مقصد کا تعلق اس کی "دعوت" سے تھا۔ وہ دعوت جو مذہب میں مجتہدانہ نظر و فکر کا ایک نیا دروازہ کھولتی تھی اور سیاست میں آزادی فکر و عمل اور علوِ نظر و رائے کی طرف مسلمانوں کو لے جانا چاہتی تھی۔ اس مقصد کی بابت خود مولانا آزاد لکھتے ہیں؛

(۱) "الہلال کا مقصد اصلی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں، خواہ تمدنی، سیاسی ہوں خواہ اور کچھ۔ وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے"۔

(الہلال ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء، ص ۶)

(۲) "فی الحقیقت الہلال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام کی قدیمی دعوت کا احیاء کرنا چاہتا ہے۔

(صدائے ملت۔ الہلال کی دعوت کی نسبت۔ ۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص الف)

(۳) الہلال بھی ایک دعوت ہے جس کے تمام اغراض و مقاصد اور اصول و فروع کا نقطۂ وحید صرف اس دینِ الٰہی کی دعوت کی تجدید اور اس کے اصول بنیادی؛ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کو زندہ کرنا ہے"

(فاتحہ جلد اول۔ ۸ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۴ م)

(۴) الہلال صرف خبروں کا ایک ہفتہ وار اخبار اور دلچسپ مقالات و رسائل کے کسی مجموعے کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک دعوت ہے جو قوم کو بلاتی ہے اور ایک تحریک ہے جو جماعتوں میں انقلاب و تغیر دیکھنا چاہتی ہے

(فاتحہ السنۃ الثانیہ ۹ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۲۰۵)

الہلال کے مقاصد اصلی کا یہی وہ حصہ ہے جسے مولانا نے الہلال کی خاص دعوت قرار دیا ہے۔ مقاصد کا دوسرا حصہ علم و ادب اور صحافت و کتابت کے اعلیٰ نمونوں پر مشتمل تھا اور یہ عام تھا۔ اس کی دعوت نے اگر ایک طرف قوم کی سیاسی و دینی ذہنیت میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہا تھا تو دوسری طرف تحریر و کتابت نے اردو ادبیات کی رفتار بدل دینی چاہی تھی۔

الہلال کی کامیابیاں

الہلال کو اس کے خاص و عام مقاصد میں کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔ اس پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔

(۱) الہلال نے مسلمانوں میں دینی شعور اور مطالعہ قرآن و تمسک بالکتاب کا ذوق پیدا کیا۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ نوجوان مسلمانوں میں قرآن پاک کا ذوق ابوالکلام کے الہلال و البلاغ نے پیدا کیا اور جس اسلوب بلاغت، کمال انشا پردازی اور زور تحریر کے ساتھ انھوں نے انگریزی خواں نوجوانوں کے سامنے قرآن پاک کی ہر آیت کو پیش کیا، اس نے ان کے لیے ایمان و یقین کے نئے نئے دروازے کھول دیے، اور ان کے دلوں میں قرآن پاک کے معانی و مطالب کی بلندی اور وسعت کو پوری طرح نمایاں کر دیا۔"

الہلال کی اس خدمت کا وقت کے تمام اہل علم اور اصحاب فکر و نظر نے اعتراف کیا ہے۔ مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں:

"آج جس قدر بولنے والی زبانیں، خوددارانہ انداز میں سوچنے والے دماغ اور اسلامیات پر لکھنے والے قلم ہیں، ان سب کی تعبیر و تربیت میں الہلال نے بڑا حصہ لیا ہے"۔

(۲) ہندوستان کے مسلمان جنہیں ایک پیش رو تحریک نے انگریزی حکومت سے وفاداری اور غلامانہ اطاعت کی لوریاں دے کر گہری نیند سلا دیا تھا، الہلال نے انہیں نہ صرف جگایا اور مرعوبیت کی حالت سے نکالا بلکہ شعور و احساسات کی ایک نئی زندگی دے کر آزادی کی تحریک میں برادران وطن کے شانہ بہ شانہ لا کھڑا کیا۔

(۳) ہندوستان کے مسلمانوں کو ملک میں ان کی قومی، ملی دینی اور بیرون ملک اسلامی، ملی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور کوشش کی کہ اجتماع قومی و ملی اور آزادی ملک و وطن کا وہ تمام ذہنی و فکری سروسامان مہیا کر دیا جاتے جو ایک آزاد اور خوددار قوم کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

(۴) عالمی سیاسی اور اسلامی دنیا کی تحریکات سے مسلمانان ہند کا رشتہ استوار کیا اور برٹش حکومت کے مصالح کے نقطہ نظر کے برخلاف آزادانہ غور و فکر کی دعوت دی۔

(۵) الہلال نے قومی مسائل میں جو آوازۂ حق بلند کیا تھا وہ اگرچہ شروع شروع میں ناگواری کے ساتھ سنا گیا لیکن بہت جلد وہ تمام مسلم پریس کی دعوت اور اعلان بن گیا۔ چنانچہ کامریڈ اور معاصر اخبارات کو بھی پرانی روش ترک کرنی پڑی۔ اگرچہ یہ تبدیلی اتنی آہستگی سے آئی جس پر تغیر اور سابقہ روش کے ترک کا گمان نہ ہو مولانا آزاد لکھتے ہیں:

سب سے پہلے کامریڈ کا ذکر کرنا چاہیے۔ جس نے گو قدیمی اصطلاحات و اسما کو ہمیشہ قائم رکھنے کی سعی لاحاصل کی۔۔۔ تاہم معانی بہت کچھ بدل دیے اور گو تغیر کی رفتار مصلحتاً سست رکھی مگر پچھلی منزل سے آگے بڑھتا رہا اور مسلمانوں میں بتدریج ملکی معاملات سے دلچسپی لینے کے مذاق اور ہر پولیٹکل مسئلے میں لیڈروں کے فتووں کی جگہ قومی آرا کے ظہور و نشو و نما کا ایک موثر محرک ہوا۔ اصلاح و تغیر کے مختلف طرق میں سے یہ بھی ایک بے خطر اور آسان تر طریقہ ہے۔
کامریڈ کے ساتھ ہی مسلم گزٹ لکھنو اور زمیندار کے نام نظر آتے ہیں جن کی آزادانہ پالیسی کو فی الحقیقت اس نئی بیداری کے ظہور میں نمایاں دخل ہے پرانے اخباروں میں وکیل امرتسر بھی قابلِ تذکرہ ہے۔۔۔۔ اس سلسلے میں خاص طور پر البشیر کا بھی ذکر کرنا چاہیے جس نے سچائی اور قابلِ تعریف دلیری سے نئے تغیرات کا ساتھ دیا ہے۔ اور پچھلی پالیسی سے دست بردار ہو جانے کا اعلان کر دیا ہے۔ یونی ورسٹی گیبٹ کی نسبت بھی جو مضامین آج کل وہ لکھ رہا ہے، وہ آزادی اور راست بیانی سے خالی نہیں۔۔۔۔ ان کے علاوہ اب تو عام طور پر اکثر معاصرین کو اس تغیر سے متاثر اور راہ حق گوئی و آزادی کے قریب قریب پاتے ہیں۔ نئے نئے پرچے بھی جو نکل رہے ہیں، وہ بھی الحمدللہ نئے خیالات لے کر نکلتے ہیں پرانے طریق کو چھوڑ رہے ہیں۔ اکثر صاحبوں نے تو علانیہ نئے خیالات کا اظہار شروع کر دیا ہے اور بعض مصلحتاً صرف تغیر لب و لہجہ سے نئی پالیسی کی ابتدا کرنی چاہتے ہیں اور نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔

(الہلال ۲۹ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۶)

مولانا نے رہنمایان قوم کے خیالات میں بھی انقلاب وتغیر کی نشان دہی کی ہے۔ درحقیقت اصل انقلاب یہی تھا جو رفتہ رفتہ وقت کے تمام اخبارات وجرائد میں نمایاں ہوا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اس سلسلے میں اس تغیر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے جو آج کل خودکار فرمایان ملت کے خیالات میں بھی صاف صاف نظر آرہا ہے اور اگر یہ تغیر محض مصالح وقت اور اضطرار حالات کی بنا پر نہیں، بلکہ سچے طور پر دل اور دل کے اندر پہنچا ہوا ہے تو فی الحقیقت اس کو ایک بڑی فال نیک سمجھنا چاہیے۔"

(ایضاً ص ۷)

(۶) مسلمانوں کو سیاسی فکر اور آزادی کا نصب العین دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر الہلال کے الفاظ میں:

"ملک وانسانیت کی خدمت، آزادانہ حیات سیاسی و ملّی کا حصول، جدوجہد حریت اور خود مختارانہ حکومت کے حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ مساعی۔ یہ تمام مقاصد صالحہ اگر دوسری قوموں کو بربنائے جذبہ قومیت و وطنیت عزیز ہیں تو ہر قائل کلمۂ توحید کو مذہباً و دیناً محبوب ہونا چاہئیں۔ پس عزت و مجد اسلامی کا مقتضی یہ ہے کہ ان تمام میدانوں میں مسلمان سب سے آگے ہوں، نہ کہ سب سے پیچھے اور غیروں کے خوشہ چیں۔"

(۷) ملک کی آزادی کی تحریک میں مسلمانوں کا اعتماد پیدا کیا اور آزادی کی تحریک کو قوت بہم پہنچائی۔

(۸) مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال کی تحریک کو "آخری اسلامی تحریک" قرار دیا ہے اور اس کی کامیابی کے بارے میں اپنے مشہور عدالتی بیان "قول فیصل" (۱۹۲۱ء) میں یہ الفاظ ذکر فرمایا ہے:

"میں جرم سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں جب کہ میں ہندوستان کی اس آخری اسلامی تحریک کا داعی ہوں جس نے مسلمانانِ ہند کے پولیٹیکل مسلک میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور بالآخر وہاں تک پہنچا دیا جہاں آج نظر آرہے ہیں۔ یعنی ان میں سے ہر فرد میرے اس جرم میں شریک ہو گیا ہے۔

میں نے ۱۹۱۲ء میں ایک اردو جرنل الہلال جاری کیا، جو اس تحریک کا آرگن تھا اور جس کی اشاعت کا تمام تر مقصد وہی تھا جو اوپر ظاہر کر چکا ہوں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ الہلال نے تین سال کے اندر مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں ایک بالکل

نئی حرکت پیدا کر دی، پہلے وہ اپنے ہندو بھائیوں کی پولیٹیکل سرگرمیوں سے نہ صرف الگ تھے بلکہ اس کی مخالفت کے لیے بیوروکریسی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کی طرح کام دیتے تھے، گورنمنٹ کی تفرقہ انداز پالیسی نے انھیں اس فریب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ ملک میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان اگر آزاد ہو گیا تو ہندو گورنمنٹ قائم ہو جائے گی، مگر الہلال نے مسلمانوں کو تعداد کی جگہ ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی۔ اسی سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ تحریک خلافت و سوراج ہے۔ بیورو کریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے پہلے الہلال کی ضمانت ضبط کی گئی۔ پھر جب البلاغ کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔

میں بتلانا چاہتا ہوں کہ الہلال تمام تر آزادی یا موت کی دعوت تھی۔ اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اس نے جس مسلک بحث و نظر کی بنیاد ڈالی، اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج مہاتما گاندھی مذہبی زندگی کی جو روح پیدا کر رہے ہیں، الہلال اس کام سے ۱۹۱۴ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی نئی اور طاقتور سرگرمی اسی وقت شروع ہوتی جب دونوں میں مغربی تہذیب کی جگہ مذہبی تعلیم کی تحریکوں نے پوری طرح فروغ پالیا۔"

الہلال کی زبان اور اس کے اسالیب بیان

الہلال نے اردو کو ایک نیا ذخیرہ الفاظ دیا تھا اور زبان کو ایک توانا لہجے اور خطیبانہ آہنگ سے آشنا کیا۔ عام طور پر الہلال کا ایک خاص اسلوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ الہلال کئی اسالیب بیان اور ان کے خصائص کا مجموعہ تھا۔ نیز اس کے اثرات کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع ہے جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار لکھتے ہیں:

"اردو ادب پر اور ہندوستان کی قومی اور ملی تحریکوں پر الہلال کے اثرات کا ابھی تک باقاعدہ اعتراف نہیں کیا گیا ہے۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں نے اردو نثر کو ایک

سنجیدہ اور صاف ستھرا لب ولہجہ دیا۔ اسے تاریخ ادب کا معجزہ ہی کہیے کہ اردو شاعری نے انیسویں صدی میں ایک ۲۵ سالہ نوجوان کے ہاتھوں جو برگزیدگی حاصل کر لی تھی، اردو نثر نے ویسی ہی عظمت بیسویں صدی میں ایک اور ۲۵ سالہ نوجوان کی بدولت حاصل کی۔ نسخۂ حمیدیہ کا غالب اور الہلال کا آزاد۔ ان دو شخصیتوں نے شعر اور نثر کو جنم دیا اور انہیں پروان چڑھایا، نئی توانائیوں کے ساتھ۔"

الہلال کے ذریعے اگرچہ مولانا آزاد نے مسلمانوں کو ایک ایسے اسلوب میں مخاطب کیا تھا، جس کا خمیر عربی اور فارسی کے خاص ذوق سے اٹھایا گیا تھا۔

ایک ادیب اور صاحبِ طرز کی حیثیت سے ان کی شہرت کی بنیاد بھی ان کا وہی اسلوب نگارش تھا جو انھوں نے الہلال میں اختیار فرمایا تھا، جو تذکرہ میں نمایاں ہوا اور جس کا آخری مظاہرہ غبار خاطر میں ہوا، لیکن ان کا صرف یہی ایک اسلوب نہ تھا۔ ان کے ہاں کئی اسلوب ملتے ہیں۔ ہر طرح کے مضامین کے لیے کوئی ایک اسلوب مناسب بھی نہیں ہوتا۔ ہر مضمون ایک جدا اسلوب کا متقاضی ہوتا ہے۔

الہلال ایک دینی اور اصلاحی دعوت کا ترجمان تھا، مسلمانوں کے تمام افکار و اعمال دینی و سیاسی میں انقلاب کا خواہاں تھا۔ وہ ملک کی آزادی کے لیے ایک دعوتِ انقلاب تھا، بین الاسلامی اور بین القومی اتحاد کی پکار تھا۔ وہ ایک ادبی، تنقیدی اور تحقیقی مجلہ بھی تھا۔ ضروری تھا کہ وہ پیش نظر مقاصد کے لیے کوئی ایک اسلوب ہی نہ رکھتا ہو۔ موضوع اور موقع و محل کی مناسبت سے اس کی نوا سنجی کے کئی اسلوب ہونا ناگزیر تھا اور بلاشبہ الہلال کے مختلف مضامین الگ الگ اسالیب میں ملتے ہیں، ان اسالیب کا دائرہ الہلال سے لے کر مولانا کی کتب و رسائل اور تقاریر کے حوالے سے ان کی زندگی کے آخری دور تک پھیلا ہوا ہے۔ مولانا کی تحریر و نگارش کے بنیادی اسالیب یہ ہیں:

۱۔ دعوتی: الہلال اور البلاغ مولانا کی دعوت کے ترجمان تھے۔ وہ دعوت جس کے مخاطب صرف مسلمان تھے اور ان میں بھی خاص طور پر علمائے دین اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ۔ اس لیے انھیں ایک خاص زبان میں مخاطب کیا گیا تھا۔ اور اس تخاطب میں ایک ایسا اسلوب اختیار کیا گیا تھا جو ان طبقات کے لیے اپنے اندر دل کشی کا سر و سامان رکھتا ہو اور جو مولانا کی دعوتِ عزیمت و استقلال کی دل نشینی کا ذریعہ بن سکے۔

۲۔ علمی: مولانا کے علمی اسلوب کے نمونے الہلال کے دور سے لے کر آخری دور تک ملتے ہیں۔ ان نمونوں میں رسالہ جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد، مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب اور

بہت سے مقالات ہیں، لیکن اس اسلوب کا سب سے بڑا اظہار، ترجمان القرآن میں ہوا ہے۔ یہ رسائل و تصانیف علمی اسلوب ہی کا نہیں تحقیق کا بھی شاہکار ہیں۔ اوّل الذکر دونوں کتابوں میں چونکہ ایک علمی مسئلے کی محض تحقیق ہی مقصود نہ تھی بلکہ تذکیر و تبلیغ بھی پیش نظر تھی، اور یہی کچھ مقصود ترجمان القرآن میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر اور بعض سورتوں کے اہم مقامات و مباحث کی توضیح میں پیش نظر تھا۔ اس لیے ان میں تفصیل کا عنصر نمایاں ہے۔ ترجمان القرآن ہی کا ایک حصہ ایسا ہے جہاں مولانا کے اسلوب تحریر کے نظرات میں سمندر کی وسعتوں اور گہرائیوں کا گمان ہوتا ہے۔ یہ حصہ ترجمان القرآن کے وہ نوٹس ہیں جو ترجمۂ قرآن کے ساتھ ساتھ مضامین کی جامعیت کی نشان دہی کے لیے سورت کے آغاز سے اختتام تک نمایاں ہوتے رہتے ہیں اور ہر سورت کی بنیادی فکر و تعلیم کو جامعیت کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔ مطالب قرآن کے فہم و دل نشینی میں ان نوٹس کا ایک خاص مقام ہے۔ یہ نوٹس اجمالِ تحریر اور اعجازِ بیان کا شاہکار ہیں اور جامعیت کی ایسی مثال ہیں کہ ان میں نہ کوئی لفظ کم کیا جا سکتا ہے اور نہ عبارت کا حسن کسی ایک لفظ کے اضافے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ مولانا نے خود ان کے مطالب کی جامعیت اور اجمال کی خوبی کی طرف ترجمان القرآن کے قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ترجمان القرآن کا بنیادی اسلوب اگرچہ علمی ہے، لیکن اس کی خوبی میں تفصیل و اجمال کے دونوں رنگ پائے جاتے ہیں۔ تفصیل کی خوبی تذکیر و تبلیغ کی ضرورت سے ہے، اور اجمال کی خوبی مطالب پر عبور اور ان کی دِل نشینی کے لیے ہے۔ ان دونوں خوبیوں سے ترجمان کے خاص و عام دونوں طرح کے قاری اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز ہوتے ہیں۔ الہلال کے صفحات میں اس اسلوب تحریر کے بہترین نمونے موجود ہیں۔

۳۔ ادبی: اگرچہ الہلال و البلاغ اور تذکرہ و ترجمان القرآن کے اسالیب میں ادبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مولانا کے ادبی اسلوب کا شاہکار غبار خاطر ہے۔ مولانا کے اسلوب کی تلاش میں اصحابِ نقد و نظر نے الہلال اور تذکرہ کے بعد سب سے زیادہ غبار خاطر ہی کو موضوع بنایا ہے۔ غبار خاطر کا اسلوب ایک خاص ماحول کی پیداوار ہے۔

مولانا آزاد احمد نگر کے قلعے میں قید تھے اور اس کی سنگی دیواروں نے انھیں صرف چند گز کی وسعت عطا کی تھی جو کسی طرح بھی ذوقِ دشت نوردی و بادہ پیمائی کا بدل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے مولانا کو لامحالہ اپنے ہی ذہن و فکر کے لالہ زار کو سجانا پڑا۔ اسی لالہ زار کے نظاروں کی معجز نمائیوں کا نام غبار خاطر ہے۔ الہلال کے بے شمار مضامین اس اسلوب نگارش کے شاہکار ہیں۔

۴۔ بنیادی یہ مولانا آزاد کا اسلوب وہ ہے جو اردو کا عام اسلوب ہے اور یہی اردو کا حقیقی اور بنیادی اسلوب ہے۔ یہ اسلوب دعوت و تبلیغ اور علم و تحقیق کے اسلوب سے بالکل الگ اور ادبی اسلوب سے جدا اور نمایاں ہے۔ اردو کی ترقی، اس کی وسعت و مقبولیت اور رواج عام کا دار و مدار اسی اسلوب پر ہے۔ مولانا کے کئی مضامین اور ۱۹۴۷ء کے بعد کی پارلیمانی تقریریں اسی اسلوب میں ہیں۔ الہلال کے متعدد مضامین و مقالات میں یہ اسلوب نمایاں ہوا ہے۔

بعض ضمنی و ذیلی خصائص کی بنا پر الہلال کے اسالیب بیان کو اس سے زیادہ قسموں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر یہی چار اسلوب ہیں جو مولانا آزاد کی تحریروں میں اور الہلال میں نمایاں ہوتے ہیں۔

زبان کی بنیادی خوبی بلاشبہ اس کا سادہ و عام فہم ہونا ہے، اور یہی تو خوبی کسی اسلوب کی ہے کہ وہ مشکل، پیچیدہ اور دیر فہم نہ ہو، لیکن بعض مضمون اور مطالب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بیان کے لیے دقیق زبان اور علمی اصطلاحات کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے۔ ایسے مضامین و مطالب کے لیے اسلوب بیان عام فہم اور سہل نہیں ہو سکتا۔ مولانا کی اس حقیقت پر نظر تھی۔ ۱۹۲۷ء میں الہلال کا اجرا دوبارہ عمل میں آیا تو اس کے پہلے نمبر ہی میں لکھتے ہیں:

"ایک اہم سوال آیندہ الہلال کے مضامین اور ان کے طرز بیان کا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ الہلال کے فوائد عام نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اس کا دائرہ بحث و نظر عام فہم نہ ہو۔ اور عام فہم جبھی ہو سکتا ہے، جب مطالب کے سہل ہونے کے ساتھ، ان کا اسلوب بیان اور زبان بھی سہل ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر طرح کے مطالب کا عام فہم طریقے پر بیان کرنا، آسان نہیں۔ بعض دقیق اور علمی مطالب ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں کتنا ہی گھلا کر بیان کیا جاتے، ایک حد تک مشکل اور گراں ضرور رہیں گے۔ اس مشکل کا ہم نے یہ حل سونچا ہے کہ آیندہ الہلال میں دونوں قسم کے مضامین درج کیے جائیں۔ بڑا حصہ تو سہل و عام فہم ہو، لیکن کچھ حصہ بلند اور خاص قسم کا بھی ہو۔ اس طرح عوام و خواص، دونوں کے ذوق و نظر کا سامان مہیا ہو جاتے گا۔ باقی رہا زبان کا معاملہ تو وہ ہر حال میں حتی الوسع سہل اور صاف اختیار کی جاتے گی۔ کسی درجے کا موضوع ہو، لیکن اسلوب بیان مشکل اور دیر فہم نہ ہوگا۔

(الہلال، ۱۰ ر جون ۱۹۲۷ء، ج ۱، ش ۱)

ایک ادیب اور صاحبِ قلم کے لیے یہ صورت حال ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا نے اس چیلنج کو قبول کیا، اور اپنی تحریروں میں اور الہلال میں اسالیب بیان کا ایک شاہکار سجا دیا، اور جب بھی کسی موضوع پر قلم اٹھایا تو خواہ وہ موضوع فلسفے کے بے نمک اور غیر دلچسپ عوام مباحث ہوں، یا تاریخ کے خشک واقعات و مضامین ہوں، اپنے دلچسپ و دل نشیں اسلوب سے دنیا کا حسین اور دل آویز ترین موضوع اور اسلوب کے حسن و دلربائی کا تاج محل بنا دیا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم نے مولانا آزاد کی صحافت، اس کے خصائص، الہلال کی ادبی خدمات اور اس کے اسلوب کی دلربائیوں کے بارے میں لکھا ہے:

"صحافت کو ادب میں جگہ نہیں دی گئی ہے۔ اس کی سرگرمیاں بالعموم روزمرہ کے حالات و حوادث پر راتے زنی تک محدود ہوتی ہیں ہسائل حاضرہ پر تبصرہ اور خبریں پڑھ کر ہم دوبارہ اخبار کی طرف التفات نہیں کرتے اخبار کے بارے میں کبھی کبھی ایک کہاوت بھی سننے میں آجاتی ہے یعنی اتنا باسی جتنا کہ گزرے ہوتے دن کا اخبار! ہمارے بعض بڑے اچھے شاعر اور نثر نگار صحافت کے نشے یا طلسم میں ایسے اسیر ہوئے کہ آخر تک نکل نہ پائے اور ان کی تحریریں صحافتی قرار پائیں۔

مولانا کا ابتدائی عہد (جنگ بلقان سے پہلی جنگ عظیم تک) اردو صحافت کا زرین دور تھا گذشتہ پچاس سال میں اردو کے اچھے سے اچھے اخبار اور ان کے مدیر قوم اور ملک سے روشناس ہوئے جنھوں نے اردو جرنلزم کو بڑی ترقی دی، لیکن سوائے مولانا کے کسی اور کو ایڈیٹر کی حیثیت سے ادب کی صف اول میں جگہ نہ ملی اور صرف الہلال اور البلاغ کے مضامین کو علمی اور ادبی درجہ نصیب ہوا۔

بذات خود میں نہ مولانا کو متداول معنوں میں صحافی سمجھتا ہوں نہ الہلال اور البلاغ کو صرف اخبار۔ مولانا کسی مسئلہ پر نہ سرسری طور سے غور کرتے تھے نہ اظہار خیال۔ بلکہ اس کا التزام رکھتے تھے کہ جو بات کہی جاتے وہ مسلمات کی روشنی کی تاب لا سکے، کسی بڑی حقیقت سے رشتہ رکھتی ہو اور علمی و ادبی معیار پر صحیح اترے۔ ادارت کے معروف پروگرام اور گریزپا لمحات میں اس التزام کا نباہنا تقریباً ناممکن ہے، صرف مولانا ایسا کر سکتے تھے۔ اردو صحافت کو مولانا

نے کلاسکس کا درجہ عطا کیا۔ مولانا کی تحریر صحافتی نہیں تصنیفی ہوتی تھی۔ نظر حکیمانہ، انداز خطیبانہ اور آہنگ ملہمانہ! ان کی تحریروں تقریروں بلکہ ان کے سراپا کا جب کبھی خیال آتا ہے تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ازمنۂ قدیمہ میں یونان کے زندہ جاوید رزمیہ نگار معروف کار ہوں، اپنے زمانے اور اپنے دیار میں مولانا یونانی دیوتاؤں سے کم نہ تھے!۔

مولانا کے یہاں انشا پردازی کے ایک سے زیادہ اسالیب ملتے ہیں، الہلال میں دعوت دار و رسن ہے، تذکرے میں دعوت دیدو شنید، غبار خاطر میں دعوت نوش و نشید، تفسیر قرآن کا لب و لہجہ علمی اور عالمانہ ہے،

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا!"

اسی مضمون میں پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم مولانا کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کے پیش نظر مولانا کا الہلال اور اسی کے خصائص ہیں:

"سر سید، شبلی، حالی، نذیر احمد، محمد حسین آزاد سب کے انداز میں لکھنے والے ہمارے یہاں مل جائیں گے لیکن مولانا کا پیرو ایک نہ ملے گا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیرو کا نہ ملنا مولانا کی بڑائی میں کوئی اضافہ ہے اگر کوئی یہ کہے کہ مولانا کا اسٹائل ادب اردو کے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں یا اس کی قائدہ رسانی کی عمر ختم ہو چکی یا مولانا کے مضامین کا ترجمہ کسی ایسی زبان میں، جو عربی فارسی کی جینیس (GENIUS) سے ناآشنا ہو، کامیاب نہ ہوگا تو میں اس سے "جدال سعدی" قسم کی تفریح پر بھی آمادہ نہ ہوں گا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ یہ بے مثل اسلوب جس میں "عجم کا حسن طبیعت اور عرب کے سوز دروں" کے ساتھ "شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی" بھی ملتا ہے، مولانا پر ختم ہوگیا، ایک جگہ عرفی نے اپنے انداز خاص سے ماتم کیا ہے کہ تمام شہر و دیار چھان ڈالے لیکن نیافتم کہ فروشند بخت در بازار"! نصیبے کی طرح اسٹائل کا بھی یہی حال ہے بالخصوص مولانا کے اسٹائل کا!"

الہلال نے اردو میں سیکڑوں نئے الفاظ و تراکیب کا اضافہ کیا، علمی اصطلاحات کے اصول کی نشان دہی کی اور اصطلاحات وضع بھی کیں۔ زبان کو وسعت دی اور بیان اور اسلوب تحریر و خطاب میں اپنا انداز پیدا کیا بلکہ اس کی یہ خوبی اتنی نمایاں اور ایسی ممتاز ہوئی کہ الہلالی انداز

تحریر اور الہلالی بیان و اسلوب کا ایک اسکول قائم ہو گیا۔

الہلال نے ہندوستان کے اسلامی ادبی دبستان کے قیام میں اہم حصہ لیا اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بقول اردو ادب میں اسلامی قرآنی اسکول کی بنیاد ڈالی۔ مولانا ئے موصوف فرماتے ہیں:

"پہلی جنگ عظیم" مغربی اتحادیوں کے حملے اور خلافت عثمانیہ کے زوال کا عالم اسلام خصوصاً اسلامی ہندوستان پر بہت برا اثر پڑا، جہاں کے مسلمان خلافت عثمانیہ کی تائید و حمایت اور اسے اپنے لیے موت و حیات کا اور سب سے بڑا مسئلہ بنا لینے کے سلسلے میں ہم خیال و ہم زبان ہو گئے تھے۔ خلافت عثمانیہ جارحانہ اتحادی حملوں کے آگے شکست کے قریب تھی۔ اس صورت حال سے مسلمانان ہند کے دلوں میں بڑا جوش و جذبہ پیدا ہو گیا تھا اور عام طور پر اسلامی جذبات اور ایمانی احساسات بھڑک اٹھے تھے۔ ایسے وقت میں اسلامی صحافت بلکہ اسلامی قیادت کے افق پر ایک ہلال نو طلوع ہوا، جو تھوڑی ہی مدت میں بدر کامل بن گیا۔ وہ خلافت تحریک کے رہنما کانگریس کے سابق صدر، آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کا جریدہ "الہلال" تھا۔ جس میں ان کے مقالات انتہائی ادبی قوت و بلاغت کے حامل ہوتے تھے۔ گویا وہ کسی آتشیں قلم سے لکھے جاتے تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو میں قرآنی کلمات و محاورات داخل کیے جو اس میں مل کر زبان و بیان کی تقویت کا باعث ہوئے اور ادبا اور اہل قلم نے اسے پسند کیا۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس طرح اردو میں ایک "اسلامی قرآنی اسکول" کا اضافہ کیا۔ الہلال کا ادب ایک سحر حلال اور آب زلال تھا اور اپنی قوت و شوکت کے لحاظ سے کسی بلند آبشار کی مانند تھا۔"

الہلال کی ادبی، اسلامی دینی سیاسی تحریک اور اس کی دعوت نے افراد اور تحریکات، دونوں کو متاثر کیا۔ اس کے دائرہ اثر میں، بزرگوں میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نواب وقار الملک، حکیم اجمل خان، معاصرین میں مولانا محمد علی، علامہ اقبال اور خردوں میں ڈاکٹر ذاکر حسین، علامہ نیاز فتح پوری، مولانا مودودی وغیرہ شامل ہیں۔ تحریکوں میں وقت کی کئی اسلامی اور تبلیغی جماعتوں کے نظم و دعوت پر اس کے اثرات کا اعتراف کیا گیا ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کے جدید دور کے علما میں سیاست کا جو ذوق اور عمل کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اس کے پس منظر میں الہلال کی خدمات کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ علما میں خدمت ملک و قوم کے جذبے کی تاریخ کا سرا الہلال کے آغاز سے ملتا ہے۔

۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک مولانا آزاد ان تمام مقاصد میں بے مثال کامیابی حاصل کر چکے تھے اور اسلامی ہند ایک ذہنی و فکری انقلاب سے گزر چکا تھا۔

مناسب ہوگا کہ اس مقام پر البلاغ اور الہلال (۱۹۲۷ء) کے ان امتیازات کے بارے میں بھی چند اشارے کر دیے جائیں جو اسے الہلال (دور اول) سے ممیز کرتے ہیں۔

البلاغ:

البلاغ پر علمی و دعوتی رنگ غالب رہا۔ اس میں وقت کی سیاسیات اور دیگر حالات و مسائل پر بہت کم مواد ہے۔ ایسے مضامین جن کا تعلق گرد و پیش کے حالات سے ہو اس میں بہت زیادہ نہیں۔ چند مضامین یہ ہیں۔

۱۔ مرحوم مولانا شبلی نعمانی۔ حیاتِ علمی و ادبی پر ایک سرسری نظر۔ یہ ۱۹۱۴ء کے اواخر میں مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال کلکتہ میں کی گئی ایک تقریر کے وہ سرسری نوٹس ہیں جو مولوی محمد یعقوب نے لیے تھے۔ اس کے باوجود کہ مولانا شبلی مرحوم اس عہد کی ایک عظیم شخصیت تھے اور ان کی سیاسی نظمیں بہت اہم اور دعوتِ الہلال کے سلسلے ہی کی چیز تھیں لیکن اس تقریر میں ان کے سیاسی فکر کے پہلو سے بحث نہیں کی گئی ہے۔ مولانا آزاد کے لیے تقریر کا یہ موضوع منتظمین جلسہ نے پہلے سے مقرر کر دیا تھا اور اس کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ شاید اس میں منتظمین کی یہ مصلحت پوشیدہ ہو کہ جنگ عظیم کے چھڑ جانے سے ملک جن حالات سے دوچار ہے اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو ان کے مشکلات پیدا کرے۔

۲۔ آل انڈیا محمڈن کانفرنس اور دعوت اسلامی۔ اس عنوان کے تحت کانفرنس کی سکریٹری صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کا ایک خط جو مولانا آزاد کے ایک خط کے جواب میں لکھا گیا تھا اور اس پر مولانا آزاد کا تبصرہ ہے۔ اس میں کانفرنس کے دائرۂ مقاصد سے بحث کی گئی ہے۔ اور بلاشبہ اس کا تعلق مسلمانوں کی تعلیمی تحریک اور ان کی اصلاح سے ہے لیکن یہ ایک اصولی بحث ہے اور وقت کی سیاسیات سے اس کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ مسلم لیگ کے عنوان سے "شذرات" کے صفحے پر ایک مضمون ہے جس میں مسلم لیگ کے اجلاس بمبئی ۱۹۱۵ء کی کاروائی اور اس کی قرار دادوں پر تبصرہ ہے۔

۴۔ مجوزہ شیعہ کالج کے قیام و مسائل پر تین نمبروں میں تبصرہ ہے۔

اسی طرح کے چند مضامین ومباحث اور ہیں۔ بلاشبہ ملکی سیاسی زندگی سے ان کا کسی نہ کسی درجے میں تعلق ہے لیکن محض چند مضامین کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ البلاغ سیاسی رسالہ تھا اور اس نے ملک کی سیاسی زندگی میں کوئی کارنامہ انجام دیا تھا۔ البلاغ ایک علمی، ادبی، مذہبی، اصلاحی اور دعوتی مجلہ تھا اور اس میدان میں اس کا کارنامہ بے شک وریب عظیم الشان ہے۔

الہلال (۱۹۲۷ء):

الہلال کے دور اول میں اس کا ادبی، تاریخی اور دینی علمی اور اصلاحی پہلو نمایاں تھا لیکن اس میں ملکی سیاسی تعلیمی تحریکات کا پہلو بھی کچھ کم اہم نہیں تھا۔ الہلال کی روشنی میں ملک کے سیاسی رجحان، تحریکات اور قائدین سیاست کے افکار و اعمال کی تصویر کشی کی جا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ اس میں وقت کی عالمی سیاست کے بارے میں بھی بے حساب مواد موجود ہے۔ جب ہم الہلال کے دور ثالث (۱۹۲۷ء) پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خالص علمی مجلہ، ادبی صحیفہ اور تاریخی رسالہ ہے۔ عالمی اور اسلامی ممالک کی شخصیات، تحریکات، سیاسات کے بارے میں تو اس میں بہت سا مواد مل جاتا ہے لیکن ملکی سیاست تحریکات، جماعات قومی و ملی اور علمی و عملی شخصیات علمی و عملی کارناموں اور ان کے مشاغل کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا۔ یہ ضرور ہے کہ ۱۹۲۷ء کے نصف ثانی میں سیاست کی گرم بازاری نہ تھی لیکن ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں تھیں، علمی و تعلیمی ادارے تھے اور زندگی کے مختلف گوشوں میں رہنما شخصیات تھیں اور وہ سب مشاغل میں معروف تھیں لیکن الہلال کے صفحات سے ان کے علمی و عملی اور تعلیمی و سیاسی و اصلاحی کاموں پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

الہلال کے شذرات اس کے دور اول میں جاذب توجہ تھے، مقالات افتتاحیہ وقت کے سیاسی، تعلیمی اور فکری مسائل کے بارے میں فکر انگیز ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف ابواب وعناوین کے تحت بھی ملکی سیاست میں رہنمائی کا سروسامان کم نہ تھا لیکن ۱۹۲۷ء کے الہلال کا دامن اس وقت کے مسائل و مباحث سے بالکل خالی ہے۔ اس کے ابواب وعناوین پر نظر ڈالیے کوئی ملکی مسئلہ خواہ تعلیمی و اصلاحی کیوں نہ ہو نظر نہیں آتا۔ اس میں نہ شذرات ہیں نہ مقالات افتتاحیہ چند مسائل و شخصیات جو بظاہر نظر آتی ہیں ان کی اہمیت بھی وقتی سیاسی کے بجائے تاریخی یا علمی و فکری ہے۔ مثلاً:

۱۔ ایک مضمون جناب سی آر داس پر ہے لیکن وہ اس سے دو سال قبل (۱۹۲۵ء میں) وفات پا چکے تھے۔ ان کی شخصیت اور ان کے افکار و سیرت اور کارناموں سے متعارف کرانے کی بہ ظاہر کوئی ضرورت نہ تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابو الکلام کے مضامین کے شائقین کے ذوق کی تسکین کے لیے اسے شامل کیا گیا تھا۔

ویسے یہ مولانا کا بہت اہم مضمون ہے۔ مولانا نے کسی معاصر شخصیت کے بارے میں حتیٰ کہ گاندھی جی کے بارے میں اتنے شاندار الفاظ استعمال نہیں کیے اور جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے بعض خیالات سے اختلاف کے تذکرے کے ساتھ ہے۔ سی آر داس کے بارے میں جو کچھ ہے وہ ان کے فکر کی بلندی، ذہن کی فراخی اور سیرت کی پختگی کی بنا پر ہے۔

۲۔ دوسرا مقالہ "اسلام اور سزائے قتل" کے موضوع پر ہے۔ کتاب "رنگیلا رسول" کی اشاعت اور سوامی شردھانند کے قتل اور بعد میں مقدمۂ قتل کے فیصلے نے جو سوالات پیدا کر دیے تھے ان میں ایک سوال یہ تھا کہ آیا یہ اسلام کا حکم ہے کہ جو کوئی بھی توہین رسول ﷺ کا مرتکب ہو اسے قتل کر دیا جائے اور یہ فرض کوئی مسلمان بھی کسی حالت میں ادا کر دے سکتا ہے؟ مولانا نے ایک مستفسر کے جواب میں اس مسئلے پر قلم اٹھایا اور واقعہ یہ ہے کہ اپنے مالہ وماعلیہ پر یہ ایک بے مثال تحریر ہے۔ لیکن مذکورہ کتاب کی اشاعت اور قتل ۲۶ ۱۹ء کا واقعہ تھا اگست ستمبر ۱۹۲۷ء کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ پھر اس میں بھی مذکورہ کتاب کی اشاعت سے پیدا ہونے والے مسلمانوں کے غم و غصہ اور قتل سے پیدا ہونے والی بے چینی میں مسلمانوں کے لیے کسی راہ عمل کی نشاندہی مقصود نہیں اس کا وقت تو گزر چکا تھا۔ یہ ایک خالص علمی تحریر ہے۔

۳۔ مولانا آزاد کا ایک اہم مقالہ "اسلام اور نیشنلزم" کے عنوان سے ہے لیکن یہ بھی وقت کا کوئی سیاسی مسئلہ نہ تھا ایک خالص علمی اور فکری مسئلہ تھا۔ اس کی اہمیت جتنی اس وقت تھی اتنی ہی اہمیت آج بھی ہے۔

الہلال کے ادوار اشاعت

مولانا ابو الکلام آزاد کے الہلال کی زندگی تین ادوار پر مشتمل ہے۔ پہلا دور جولائی ۱۹۱۲ء سے شروع ہوتا ہے اور نومبر ۱۹۱۴ء میں الہلال کی بندش پر اختتام کو پہنچتا ہے۔ دوسرے دور کا آغاز نومبر ۱۹۱۵ء میں ہوتا ہے اور اپریل ۱۹۱۶ء میں مکمل ہوتا ہے۔ اس دور میں الہلال نے "البلاغ" کا قالب اختیار کر لیا تھا۔ الہلال کا تیسرا دور تقریباً گیارہ سال کے بعد جون ۱۹۲۷ء میں شروع ہو کر اسی سال کے آخری مہینے میں ختم ہوتا ہے۔ پہلا دور چھ چھ ماہ کی پانچ جلدوں پر اور بعد کے دونوں دور تقریباً چھ چھ ماہ کی دو جلدوں پر مشتمل تھے۔ اس طرح الہلال کی کل مدت اشاعت تقریباً ساڑھے تین سال

بنتی ہے لیکن اس نے اردو صحافت کی تاریخ میں جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے وہ بے مثال ہے۔ الہلال کی جلدوں کی تفصیل یہ ہے۔

دور اول: الہلال

جلد اول: پہلا شمارہ ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء کو شائع ہوا۔ اور آخری شمارہ جو پہلی جلد کا چوبیسواں شمارہ تھا ۲۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو نکلا تھا۔ اس جلد کا سولھواں اور سترھواں شمارہ چونکہ مشترکہ شمارہ تھا اس لیے شمار میں اس جلد کے صرف ۲۳ شمارے نکلے۔ ہر شمارہ تقریباً سولہ صفحے پر مشتمل ہوتا تھا یہ جلد تقریباً چار سو صفحے کی ہے۔

جلد دوم: پہلا شمارہ ۸ر جنوری ۱۹۱۳ء کو اور آخری شمارہ جو اس جلد کا پچیسواں شمارہ تھا ۲۵ر جون ۱۹۱۲ء کو نکلا تھا۔ اس جلد کا چودھواں اور پندرھواں شمارہ چونکہ مشترکہ شمارہ تھا اس لیے عملاً اس جلد کے چوبیس شمارے ہی نکلے۔ اس جلد میں تقریباً ساڑھے چار سو صفحات ہیں۔

جلد سوم: اس جلد کا پہلا نمبر ۲ر جولائی کو اور آخری نمبر ۲۴ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو نکلا تھا۔ آخری نمبر جلد کا چھبیسواں نمبر ہے۔ اس جلد میں چونکہ دسواں اور گیارھواں شمارہ اور بیسواں اور اکیسواں شمارہ مشترک تھے اس لیے فی الواقع چوبیس پرچے ہی شائع ہوئے تھے۔ یہ جلد تقریباً [illegible] سو صفحات پر مشتمل ہے۔

جلد چہارم: الہلال کی چوتھی جلد کا آغاز ۷ر جنوری کو اور اتمام ۲۲ر جون ۱۹۱۴ء کو پچیسویں شمارے پر ہوا۔ لیکن اس جلد کے آٹھ شمارے دو دو شماروں پر مشتمل تھے اس لیے عملاً اکیس اشاعتیں ہی سامنے آئیں۔ مشترکہ شمارے یہ تھے۔ نمبر ۱، ۲، ۹، ۱۰، ۱۵، ۱۶ اور ۱۹، ۲۰۔ اس جلد کے صفحات کی تعداد تقریباً پونے چار سو ہے۔

جلد پنجم: دور اول کی پانچویں اور آخری جلد کے یکم جولائی سے ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء تک صرف بیس نمبر نکلے۔ اس میں شمارہ ۸، ۹ چونکہ مشترکہ شمارہ ہے اس لیے انیس اشاعتیں ہی شمار کرنا چاہیے۔ اس جلد کے کل صفحات کی تعداد کم و بیش ۳۸۴ ہے۔

الہلال کا ہر شمارہ سولہ صفحے کا ہوتا تھا مشترکہ تمام شماروں میں صفحات کی تعداد دوگنی ہے۔ تصویروں، اشتہاروں اور ہر جلد کے ساتھ فہرست مضامین کے صفحات زائد ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد شماروں کے ساتھ اضافی صفحات شامل ہوتے تھے۔ یہ روایت بعد کی جلدوں میں بھی جاری رہی تھی۔ الہلال کے سرورق کے چار صفحے بھی شمار میں نہیں آتے تھے۔

دورِ ثانی: البلاغ

الہلال کا دورِ ثانی البلاغ کے نام سے شروع ہوا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں الہلال سے ضمانت طلب کی گئی تھی اور چونکہ اس سے قبل ایک ضمانت ضبط ہو چکی تھی اور حکومت کے عزائم کا پتا چل گیا تھا کہ اب وہ الہلال کو جاری رکھنے کی اجازت دینا نہیں چاہتی اس لیے دوبارہ ضمانت طلب کی گئی تو یہی مناسب خیال کیا گیا کہ الہلال کو فی الحال بند کر دیا جائے۔ تقریباً ایک سال کے التوا کے بعد الہلال کا "البلاغ" کے نام سے اجرا عمل میں آیا۔ اگرچہ پیشِ نظر مقاصد وہی تھے لیکن لب و لہجہ کسی قدر نرم اور براہِ راست دار و رسن کی دعوت نہ تھی۔ لیکن جنگِ عظیم اول ایسے مرحلے میں داخل تھی اور برطانیہ عظمیٰ ایسے حالات میں گھری ہوتی تھی کہ وہ عوام میں حکومت کے خلاف غصے، اشتعال اور بغاوت کا کوئی خطرہ مول لینا نہ چاہتی تھی اس لیے اس نے نہ صرف البلاغ کو بند کر دینے کا فیصلہ کیا بلکہ مولانا آزاد کو بھی ان کے مرکزِ دعوت و انقلاب (کلکتہ) سے دور کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ مولانا آزاد کو کلکتہ سے نکلنا پڑا چونکہ یو پی، پنجاب اور بمبئی کی حکومتیں پہلے ہی اپنے اپنے صوبوں میں مولانا کے داخلے کو ممنوع قرار دے چکی تھیں اس لیے انہیں بہار کے ایک مقام رانچی جانا پڑا کچھ عرصہ بعد وہیں انھیں نظر بند کر دیا گیا۔ کلکتہ سے مولانا آزاد کے اخراج کے ساتھ ہی البلاغ بند ہو گیا تھا۔

البلاغ کا پہلا پرچہ ۱۲؍ نومبر ۱۹۱۵ء کو نکلا تھا اور آخری نمبر ۲۴؍۲۴ مارچ، ۳۰ اپریل ۱۹۱۶ء کی تین اشاعتوں کا مشترکہ شمارہ نکلا تھا۔ اگرچہ شمار میں سترھواں نمبر تھا لیکن اس جلد کے آٹھ شمارے دو دو اشاعتوں پر مشتمل تھے اور جنوری ۱۹۱۶ء کا ایک پرچہ ۱۴؍ ۲۱؍ ۲۸ کے تین شماروں (نمبر ۶، ۷ و ۸) کا اور آخری پرچہ تین شماروں کا مجموعہ تھا۔ اس لیے البلاغ کے فی الواقع صرف گیارہ نمبر نکلے۔ لیکن تعداد صفحات سترہ کے نمبروں کی ہے فی شمارہ سولہ صفحے اور تصویروں کے صفحات کے علاوہ مزید اضافی صفحات بھی ہیں۔ کل تقریباً تین سو صفحات ہیں۔

دورِ ثالث: الہلال (۱۹۲۷ء)

الہلال کا تیسرا دور ۱۰؍ جون ۱۹۲۷ء کو شروع ہوا اور اسی سال ۹؍ دسمبر کو اختتام کو پہنچا۔ یہ الہلال کی اس دور کی پہلی اور آخری جلد ہے جو چھبیس شماروں پر مشتمل ہے۔ چونکہ شمارہ ۳، ۴ مطابق یکم و ۸؍ جولائی مشترکہ شمارہ ہے اس لیے فی الواقع چوبیس نمبر نکلے۔ عام طور پر ہر شمارے کے صفحات کی تعداد بتیس ہے۔ بعض شمارے کم و بیش صفحات کے بھی ہیں۔ ان میں اشتہارات کے صفحات اور سرورق کے چار صفحات بھی شمار نہیں کیے گئے ہیں۔ اشتہارات چھوٹے بڑے عام طور پر

چار صفحات کے ہوتے تھے۔

الہلال کے لیے پہلے بھی قاہرہ اور جرمنی سے ٹائپ منگوایا گیا تھا دور اوّل اور ثانی میں تو تمام پرچہ ٹائپ ہی میں چھپتا تھا لیکن دور ثالث میں ٹائپ ناکافی ہونے کی وجہ سے تقریباً نصف پرچہ لیتھو میں چھپتا تھا۔

تصاویر کے لیے دور ثالث میں بھی کافی اہتمام کیا جاتا تھا۔ پرچہ کا گیٹ اپ سادہ مگر دیدہ زیب تھا۔

ضابطے کے مطابق اس دور میں بھی مدیر مسئول مولانا آزاد ہی تھے لیکن پرچے کی تالیف و تدوین اور عملاً ادارت کی تمام ذمہ داری مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی تھی۔ مولانا اپنے مضامین ان کے حوالے کر دیتے تھے اور مشورہ طلب امور میں ان کی رہنمائی فرما دیتے تھے۔

جہاں تک اس دور میں الہلال کے مقاصد کا تعلق تھا تو دورِ اوّل کے مقابلے میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ لیکن تین موضوع خاص طور پر مولانا کے پیش نظر تھے۔

(۱) ملک کی موجودہ سیاسی زندگی کے عملی مسائل۔

(۲) مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا موجودہ ذہنی اور عملی انتشار جو پچھلی حرکت کے ردعمل کی صورت میں نمایاں ہوا تھا، اور اس کے عملی مسائل و مباحث۔

(۳) مسلمانانِ ہند کی قومی و اجتماعی ذہنیت کی تشکیل اور اس کے اہم مباحث۔

ان موضوعات کے علاوہ مباحث کی ایک اور قسم بھی بہت اہم تھی اور مولانا اس پر خاص توجہ دینا چاہتے تھے۔ الہلال نے اپنے دینی اور علمی مباحث میں نظر و تحقیق کا ایک خاص دروازہ کھولا تھا۔ لیکن وہ محض ابتدا تھی۔ ضرورت تھی کہ ان بنیادوں پر عمارتیں اٹھائی جائیں۔ الہلال کے اس دور میں مولانا نے اس پہلو کی طرف بھی توجہ دی اور دعوت اسلامی اور ملت کی اجتماعی تشکیل و تعمیر کے مباحث پر متعدد اہم مقالات تحریر کیے۔ لیکن الہلال کی مدت حیات ۶ ماہ سے زیادہ طویل نہ ہوئی اس لیے اس دور میں ہمیں کسی اہم کارنامے اور بڑے تغیر و انقلاب کی توقع نہ رکھنی چاہیے۔

۱۹۲۷ء میں الہلال کا دور ثالث شروع ہوا تھا تو دنیا ۱۱، ۱۲ برس آگے بڑھ گئی تھی اور ۱۲ء اور ۲۷ء کے درمیان تغیر و ترقی کی ایک بڑی مسافت حائل ہو گئی تھی لیکن جہاں تک الہلال کے عام و خاص مقاصد کا تعلق ہے، صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس کے مقاصد کے

دونوں میدان عمل دیسے ہی منتظر و باز تھے، جیسے ۱۲ء اور ۱۶ء میں تھے۔ اس کی دعوت کے لیے وقت کی احتیاج راہ تک رہی تھی اور اس کی تحریر و کتابت اور آرائش اوراق و صحافت کی جگہ بزم سخن میں خالی تھی۔ البتہ اس کا سفر ابتدا کے نقطے سے شروع ہوا تھا تو ۲۷ء میں بعد کی منزلوں سے آگے بڑھا تھا۔

الہلال کے ابواب

الہلال نے شروع ہی سے مقاصد کے تعین کے ساتھ اپنے افکار و مباحث اور تحریرات و مقالات کے لیے کچھ عنوان مقرر کر لیے تھے۔ یہ عنوانات دو قسم کے تھے۔ اولاً مستقل عنوانات۔ الہلال کے مقاصد کے سلسلے کے تمام عنوانات کو مستقل سمجھنا چاہیے۔ دیگر عنوانات سلسلہ مقاصد کی کڑی نہ تھے بلکہ جب کبھی کسی خاص دائرہ بحث و نظر کی کوئی تحریر آجاتی تھی تو اسے بھی کسی خاص عنوان کے تحت درج کر دیا جاتا تھا۔

شذرات:

سب سے پہلا عنوان تھا جس کے تحت وقت کے مختلف و متفرق مگر قابل توجہ مسائل پر اجمال کے ساتھ اظہار رائے کیا جاتا ہے۔ الہلال نے ان کے لیے بریف نوٹس کا لفظ استعمال کیا ہے کہ "ابتد میں بریف نوٹس "شذرات" کے عنوان سے درج کیے جائیں گے۔" ہمدرد ، کامریڈ، زمیندار، مسلم گزٹ اور معاصرین کے بارے میں مولانا آزاد کے افکار و خیالات کے لیے یہ اہم باب ہے۔

مقالات افتتاحیہ:

الہلال کے مقاصد اجرا، وقت کے مسائل و مہمات مقاصد کے سفر کی کامیابیوں، ناکامیوں اور عزائم کے بارے میں تفصیل و دلائل اور تجزیہ و تبصرہ کے ساتھ بحث و نظر کی جاتی تھی۔

بصائر و حکم، تاریخ و عبر، وثائق و حقائق:

یہ تین عنوان قریب قریب دائرہ بحث کے حامل تھے۔ بصائر و حکم میں افکار و افادات سے اور تاریخ و عبر میں واقعات و حوادث سے بصیرتوں اور عبرتوں کا سامان فراہم کیا جاتا تھا۔ وثائق و حقائق دونوں کا جامع عنوان تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار اس میں لیلۃ القدر کی برکتوں اور سعادتوں کے حصول کی دعوت ہے، ایک بار استبداد و آمریت کے نتائج و عبر بیان

کیے گئے ہیں تو ایک بار ایک خاتون کے مسوری میں میونسپل کمیٹی کا انتخاب جیتنے پر افتراعیات "انگلستان یعنی انگلستان میں حقوق طلب عورتوں کی تحریک کی تاریخ اور تحریک کی کامیابیوں سے بھیا تر دعبر کا سامان فراہم کیا ہے۔

باب التفسیر:

الہلال کا ایک اہم عنوان تھا جو پہلی جلد سے لے کر دور ثالث کے پرچوں تک میں وقتاً فوقتاً نمایاں ہوتا رہا اور اس کے ذیل میں مختلف تفسیری مباحث پیش کیے جاتے رہے۔

مذاکرہ علمیہ:

اس عنوان کے تحت قابل بحث و تنظر مسائل پیش کیے جاتے تھے۔ پین اینڈ پلیثرر کے ترجمہ و اصطلاح لذت والم یا حظ و کرب کی بحث جو صاحب الہلال اور مولانا عبدالماجد دریابادی میں ہوئی تھی۔ اسی عنوان کے تحت درج ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ نظریہ ارتقا، زمین پر کائنات، حیات کا آغاز، ریڈیو، لاسلکی، عمالیق، ذرہ آب کی سرگزشت، انسان کی تخلیق و ظہور کا اول محل وغیرہ مباحث و مقالات اسی ذیل میں درج ہوئے تھے۔ خود مولانا نے الہلال کے ایک صفحہ پر جو اس کے ابواب کے مضامین کا تعارف کرایا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:

"اس عنوان کے تحت میں ہمیشہ علمی مضامین، علمی خبریں، جدید اکتشافات، متفرق ایجاث و افکار علمیہ اور علمی استفسارات کے جوابات درج ہوا کریں گے"

مقالات:

یہ عنوان، علمی، تحقیقی مقالات کے لیے وقف تھا لیکن موضوعات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ علمی، ادبی، تاریخی، سائنسی ہر قسم کے موضوعات پر مقالے اس عنوان کے تحت درج ہوتے ہیں۔ اسلام اور نیشنلزم، سنئے، ہجری سنہ کا آغاز، جدید مذہب لروحی، اسلام اور سزائے قتل، علم اور کلیسا کا معرکہ، مستشرقین اور استشراق وغیرہ مقالات (دور ثالث کے) اس عنوان کے تحت درج ہوتے ہیں۔ سرسید کا مشہور مضمون "آزادی رائے" بھی مولانا آزاد کے تعریفی نوٹ کے ساتھ "مقالات" کے ذیل میں درج کیا گیا ہے

آثار عتیقہ:

اثری تحقیقات سے مولانا آزاد کو ہمیشہ دلچسپی رہی تھی۔ دنیا کے قدیم آثار کے متعلق تحقیقی مقالات ہر دور میں الہلال میں اسی عنوان کے تحت درج ہوتے تھے۔

احرار اسلام:

تاریخ اسلام کے اصحاب عزیمت و دعوت کے تذکرے کے لیے یہ عنوان قائم ہوا تھا۔ الہلال کے ابواب کے مضامین کے تعارف میں اس باب کا تعارف مولانا نے ان الفاظ میں کرایا ہے:

"اس میں بالالتزام تاریخ اسلام کے ان مشہور ناموروں کے حالات درج کیے جائیں گے، جنھوں نے مذہبی، علمی اور سیاسی آزادی کے لیے کوئی جاں فروشی اور قربانی کی ہے۔ نیز زمانہ حال کے نامور احرار کے حالات بھی مع تصاویر شائع کیے جائیں گے"۔

انتقاد:

اس عنوان سے الہلال کے دور اول میں نئی مطبوعات پر تبصرہ کیا گیا تھا۔ دور ثالث میں اس باب نے "مطبوعات جدیدہ" کا عنوان اختیار کر لیا تھا۔

عالم مطبوعات و صحافت:

الہلال کے دور ثالث کا ایک مستقل عنوان تھا۔ اس عنوان کے تحت دنیا میں شائع ہونے والی کتابوں کے مطالب، عالمی اخبارات و رسائل میں چھپنے والے مقالات، علمی مباحث و مناظرات اور کسی خاص میدان میں ہونے والی علمی، سائنسی، طبی، اثری، تاریخی تحقیقات کا ان کی اہمیت اور ان کی قدرت کے پیش نظر تعارف کرایا جاتا تھا۔

برید فرنگ اور برید مشرق:

الہلال کے دو ابواب تھے۔ برید مشرق کے تحت عالم اسلام، شمالی افریقہ اور مشرق بعید میں چین وغیرہ کی ڈاک درج ہوتی تھی۔ اور برید فرنگ کے ذیل میں اٹلی، ریاست ہائے امریکہ، انگلستان، روس، جرمنی، فرانس اور دیگر مغربی ممالک کی ڈاک درج ہوتی تھی۔ کبھی اسلامی ممالک کے بارے میں بعض مزدوری اور اہم افکار و مباحث برید فرنگ میں بھی آتے ہیں۔ برید شرق و فرنگ کا دائرہ نہ صرف وقت کے سیاسی، سماجی، علمی، ادبی مسائل، افکار، تحریکات تک وسیع تھا بلکہ تاریخ علمی و ادبی اور سماجی کے گذشتہ افکار و سوانح تک پھیلا ہوتا تھا۔

عالم شرق و اسلام:

یہ عنوانات مسلمان مملکتوں اور ریاستوں کے بارے میں ہمہ قسم کے اخبار اور افکار و حوادث کے لیے قائم تھے۔

مغربِ اقصیٰ:

اس کالم کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ باب مراکش سے مخصوص رہے گا۔

افسانۂ عجم:

اس کالم میں ایران سے متعلق اخبار و حوادث اور مضامین درج ہوتے ہیں۔

شئون اسلامیہ:

اسلامی ممالک کے بارے میں وقت کے حوادث و واقعات کے لیے شئون اسلامیہ کا باب مخصوص تھا۔

شئون عثمانیہ:

اس عنوان کے تحت عثمانی ترکی میں پیش آمدہ واقعات اور جنگ بلقان کے حالات درج ہوتے تھے۔

شئون حربیہ:

کے تحت جنگ طرابلس، بلقان وغیرہ کی خبریں درج ہوتی تھیں۔ "مکاتیب حربیہ" بھی اس سلسلے کا عنوان تھا۔ عثمانی ڈاک بھی اسی قسم کا ایک عنوان تھا لیکن اس میں جنگی خبروں کے علاوہ دیگر خبریں بھی ہوتی تھیں۔

ناموران:

غزوہ طرابلس اور ناموران غزوہ بلقان، الہلال کے دو عنوان تھے جو جنگ طرابلس اور جنگ بلقان کے وثائق و حقائق کے ضمن میں نمایاں ہوتے تھے اور جیسا کہ الفاظ عنوان سے ظاہر ہے یہ کالم جنگ کے اکابر و مشاہیر کے تراجم و احوال پر مشتمل ہوتا تھا۔

کارزار طرابلس:

یہ عنوان ۱۹۱۲ء کے الہلال میں نظر آتا ہے۔ جنگ طرابلس کے حالات و واقعات اسی کے تحت درج ہوتے تھے۔

سیروا فی الارض:

دور ثالث کے الہلال کا ایک خاص باب، اس کے تحت بعض سیاحوں کے تجربات و مشاہدات اور نتائج و افکار سیر و سیاحت کو مرتب کیا گیا تھا۔

تاریخی شخصیتیں:

"مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں" اور "مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں" ان دونوں

عنوانوں کے تحت الہلال کے دور ثالث میں مغرب و مشرق کی تاریخی وسیاسی اور فکری وانقلابی شخصیات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ تمام ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقات، اپنے ملکوں کی آزادی کی تحریک اور قوم کی تعمیر میں اہم حصہ لیا تھا۔

آثار علمیہ وخطیہ:

اس عنوان کے تحت نودریافت علمی ادبی نوادر درج ہوتے تھے۔ بخاری شریف کے ایک نادر مخطوطے کا ذکر اور غالب کا نودریافت کلام (قصیدہ وغزل) اس ذیل میں درج ہوا تھا۔

ادبیات:

الہلال کا ایک خاص عنوان تھا۔ عربی، قدیم مصری، ترکی ادبیات کے تراجم اور اردو منظومات اس عنوان کے تحت درج ہوتے ہیں۔

افسانہ:

دور ثالث کے الہلال میں عالمی ادب کے شاہکار کو اسی عنوان کے تحت پیش کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا کے آزاد کے قلم سے ابن سایاط کی داستان حیات بھی ہے جو انھوں نے وکٹر ہیوگو کے افسانے "بشپ" سے متاثر ہوکر لکھی تھی۔ اس کا عنوان ہے "محبت اور قربانی یا سزا اور انتقام"۔

فکاہات:

اردو کی ایسی منظومات جو وقت کے کسی مسئلے کی نسبت ہوتی تھیں اس باب میں جگہ پاتی تھی۔ علامہ شبلی نعمانی کی وہ تمام طنزیہ فکاہیہ نظمیں جو مسلم لیگ، یونی ورسٹی، آغا خاں، وغیرہ کے بارے میں تھیں، اسی باب میں درج ہوتی تھیں۔

افکار وحوادث:

الہلال کے دور اول میں وقت کے افکار اور مسائل وحوادث کے بارے میں ہلکے پھلکے اسلوب میں طنزیہ اور فکاہی کالم تھا۔

فلسفہ:

دور اول کے الہلال میں یہ باب قائم کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں مولانا نے لکھا تھا کہ اس باب کی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس کے تحت جس قدر مضامین شائع ہوں گے، انہیں ہر طرح کے مذہبی معتقدات وآرا سے الگ رکھا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ محور فکر ونظر صرف فلسفہ و اجتماع ہو۔

"مراسلات" والمراسلتہ والمناظرہ:

یہ عنوانات بھی الہلال کے ہر دور میں نمایاں رہے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک ہی سلسلے کے دونوں عنوان ہیں لیکن کسی قدر فرق بھی ہے۔ مراسلات میں قارئین الہلال کے مراسلات۔ صحافت کی روایت کے مطابق درج ہوتے تھے اور المراسلتہ والمناظرہ میں قارئین الہلال ایک مسئلے کے سلسلے میں اپنے اپنے خیالات ظاہر کرتے تھے۔

اسئلتہ واجوابتھا:

اس میں قارئین الہلال ایڈیٹر سے مختلف مسائل کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور صاحب الہلال تفصیل یا اختصار کے ساتھ علمی و تحقیقی یا فکری انداز میں جواب عنایت فرماتے تھے۔ اس باب میں بعض نہایت اہم مسائل زیر بحث آتے ہیں۔

اقتباسات وتراجم اور مختارات:

یہ الہلال دور ثالث کے دو عنوان ہیں۔ اقتباسات وتراجم کے ذیل میں جو چیزیں نقل کی جاتی تھیں ان کی علمی حیثیت ہوتی تھی لیکن الہلال کا ان افکار و خواطر سے اتفاق ضروری نہ تھا۔ اس کے برعکس "مختارات" کے ذیل میں جو چیزیں نقل ہوتی تھیں۔ الہلال گویا کہ انہیں اپنا لیتا تھا۔ ان دونوں عنوانات کے تحت منقولات میں اس فرق کے باوجود اسے مسلمہ اور کلیہ نہ سمجھ لینا چاہیے۔

خبروں کے ابواب:

یہ تین عنوانات ہیں۔ تینوں میں کچھ فرق ہے۔ "الاسبوع" کے تحت (کبھی کبھی) ہفتہ کی اہم ہر قسم کی خبریں درج ہوتی تھیں۔ "ہفتہ جنگ" کے ذیل میں ہفتہ کی صرف جنگی اہم خبریں درج ہوتی تھیں اور "علمی خبریں" کے ذیل کی خبروں کی نوعیت اسی عنوان سے ظاہر ہے۔

اقتراعیات عثمانیہ:

اس عنوان کے تحت ترکی کی حقوق طلب خواتین کی تحریک کا تعارف کرایا گیا ہے۔

تاریخ حسیات اسلامیہ:

مسئلہ قیام الہلال کی بابت تمام مراسلات، افکار و آرا اسی عنوان کے تحت درج ہوتے تھے۔

اسوۂ حسنہ:

سیرت نبوی کے سلسلے کے مقالات و مضامین و تحریرات کے لیے عنوان مقرر تھا۔

انتقاد/مطبوعاتِ جدیدہ:

جدید الشیوع کتابوں پر نقد و نظر کے لیے الہلال دورِ اول میں "انتقاد" کا صفحہ مخصوص تھا اور الہلال ۱۹۲۷ء میں "مطبوعات جدیدہ"۔ لیکن اس کالم کے لیے نقد و تبصرہ کا روایتی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ عام طور پر ایسا ہوا ہے کہ ایک دو سطروں میں کتاب کے موضوع اور مصنف کا تعارف کرانے کے بعد، کتاب کے کسی اہم حصے کا اقتباس نقل کر دیا گیا۔ کتاب کی اہمیت کا نقش اجاگر کرنے میں یہ طریقہ نہایت مفید معلوم ہوتا ہے۔

اس سلسلے کی اہم بات کتابوں کا انتخاب ہے۔ عام طور پر اخبارات و رسائل میں وہی کتابیں نقد و تبصرہ میں شامل کی جاتی ہیں جو دفتر کو موصول ہوتی ہیں۔ الہلال نے اس روایت کو اختیار نہیں کیا الہلال نے ان کتابوں کو لیا جن کے مطالعے نے اصحابِ ذوق و فن کو متاثر کیا تھا۔ ان اصحاب ذوق و فن میں ادارۂ الہلال کے اہل علم سے لے کے ملک کے اہل قلم اور اصحابِ فن تک شامل تھے۔ کتابوں کے انتخاب کا دائرہ بھی دنیا کی اہم زبانوں، عربی، انگریزی، فرنچ اور جرمن تک پھیلا ہوا تھا خصوصاً عربی میں ترجمہ و اشاعت پذیر ہوتے والا عالمی ادب اور اس کے شاہکار۔

تفریح و ترویج فکر:

ہلکے پھلکے اسلوب میں پسندیدہ افکار و خیالات کی تالیف کا سرعنوان تھا۔

الہلال کے یہ ابواب ہیں جو مختلف ادوار میں الہلال کے صفحات پر نمایاں ہوتے رہے ہیں۔

چند دیگر کالم:

ان کے علاوہ مدارس اسلامیہ، عالم اسلامی، وغیرہ عنوانات تھے۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ "چھوٹے کالموں کے عنوانات ہیں"۔ الہلال میں کبھی کبھی یہ نمایاں ہوتے ہیں۔

ادارۂ الہلال

ہر اخبار کی طرح الہلال کے ادارے کی تشکیل میں متعدد اہل علم نے حصہ لیا تھا۔ اگرچہ ارکان ادارہ کے نام اخبار میں نہیں چھپتے تھے لیکن جن لوگوں نے الہلال میں مولانا آزاد کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا تھا، ان کے نام ایک دو کے سوا، معلوم و معروف ہیں:

(۱) مولانا عبداللہ العمادی۔ جون پور کے رہنے والے تھے۔ البیان اور الندوہ لکھنؤ وکیل اور تہذیب الاخلاق امرتسر وغیرہ میں خدمات انجام دے چکے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں ستمبر تک چند ماہ کام کیا تھا۔ بعد میں دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ (دکن) میں کام کیا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں دکن ہی میں انتقال ہوا۔

(۲) مولوی عبدالواجد ندوی۔ کان پور کے رہنے والے تھے۔ الہلال میں ان کے ذمے عربی اخبارات سے نقل واقتباس اور ترجمے کا کام تھا۔ ۱۹۱۳ء میں کچھ عرصہ الہلال میں کام کیا تھا۔ پھر کان پور چلے گئے۔ بعد میں ایم اے کرنے کے بعد کسی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہو گئے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں "مکتوبات سلیمانی" کی ترتیب کے وقت زندہ تھے۔

(۳) سید سلیمان ندوی۔ مئی جون ۱۹۱۳ء میں ادارۂ الہلال سے وابستہ ہوتے اور اکتوبر میں علاحدہ ہو گئے اور پونا کالج میں ملازمت اختیار کر لی۔ سید صاحب مرحوم چار یا پانچ مہینے الہلال سے وابستہ رہے تھے۔

(۴) مولانا عبدالسلام ندوی۔ الہلال کے دور اوّل کا اختتام نومبر ۱۹۱۴ء میں ہوا تھا، مولانا عبدالسلام اس سے قبل چار پانچ مہینے الہلال سے وابستہ رہے تھے۔

(۵) مولانا رکن الدین دانا سہسرامی۔ سید سلیمان ندوی مرحوم کے مطابق کچھ دنوں تک الہلال میں گئے تھے۔ یہ مدت اکتوبر اور دسمبر ۱۹۱۳ء کے مابین کچھ دنوں کی تعداد میں شمار کرنے کے لائق ہے۔

(۶) مولانا عبدالماجد دریا بادی نے ایک خط (بنام ڈاکٹر عابد رضا بیدار) میں مولوی حامد علی صدیقی کی الہلال کے اسٹاف سے وابستگی کا ذکر کیا ہے ان کی اس وابستگی کا ثبوت کسی اور بیان واقعہ سے نہیں ملا۔ مولانا دریا بادی نے بھی متعدد جگہ دیگر حضرات کی الہلال سے وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن حامد علی صدیقی کا ذکر دوسری جگہ انہوں نے بھی نہیں کیا۔ صدیقی صاحب بہ قول مولانا دریا بادی "مشہور صحافی" تھے۔

یہ تمام حضرات دور اول کے الہلال سے مختلف اوقات میں تھوڑی تھوڑی مدت وابستہ رہے تھے۔

(۷) ایم اے زکریا۔ بھاگل پور کے ایک صاحب استعداد شخص تھے۔ مولانا آزاد سے زمانہ طالب علمی سے تعلقات تھے۔ مولانا کے ساتھ شریک درس بھی رہے تھے اور مولانا سے پڑھا بھی

تھا۔ مولانا نے انہیں الہلال میں اپنے پاس بلا لیا تھا۔ لیکن الہلال سے وابستگی کی نوعیت کا علم نہیں ہو سکا۔ البلاغ میں بھی مولانا کے ساتھ تھے۔ کلکتہ سے مولانا کے اخراج کے بعد یہ بھی رانچی میں مولانا کے پاس چلے گئے تھے۔ بعد میں علامہ ٹیگور کے ادارہ شانتی نکیتن میں پروفیسر بھی رہے تھے۔

(۸) الہلال کے دور ثالث (۱۹۲۷ء) میں الہلال کا سارا کام مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کرتے تھے اس دور میں بھی الہلال کے ایڈیٹر اگرچہ مولانا آزاد ہی تھے لیکن مولانا کی نگرانی میں تمام کام مولانا ملیح آبادی انجام دیتے تھے۔ مولانا ملیح آبادی ندوہ و مصر کے فارغ التحصیل تھے۔ مولانا آزاد کے عقیدت مند اور ان کے ہم خیال تھے۔ زندگی بھر مولانا سے تعلق رہا۔

الہلال نام اگرچہ مولانا آزاد کی ذات، ان کی دعوت اور تحریک کا تھا لیکن الہلال کو بلند پایہ علمی تاریخی اور یادگار صحیفہ بنانے میں ان تمام حضرات کا حصہ ہے خواہ وہ تھوڑے تھوڑے عرصے ہی کے لیے الہلال سے وابستہ رہے ہوں۔

الہلال کی قیمت

الہلال شائع ہونا شروع ہوا تھا تو اس کی سالانہ قیمت آٹھ روپے، ششماہی چار روپے بارہ آنے اور فی پرچہ ساڑھے تین آنے تھی۔ جلد ۵ کے شمارہ ۶ سے اس کی سالانہ، ششماہی اور فی پرچہ قیمت کا از سر نو تعین کیا گیا اور بالترتیب ۱۲ روپے، ۶ روپے بارہ آنے اور چار آنے قیمت قرار پائی۔ یہی شرح قیمت دور ثانی میں بھی برقرار رہی البتہ ۱۹۲۷ء میں جب اس کا دور ثالث شروع ہوا تو جنگ عظیم کے بعد چونکہ اشیاء کی قیمتوں اور محنت کی اجرتوں میں زمین آسمان کا فرق پڑ چکا تھا اس لیے الہلال کی قیمت میں بھی اضافہ ناگزیر ہوا۔ اس دور میں اس کی قیمت سالانہ بارہ روپے، ششماہی سات روپے اور فی پرچہ پانچ آنے تھی۔ بیرون ملک کے خریداروں کے لیے بطور بدل اشتراک سولہ روپے مقرر تھے۔

روزانہ الہلال کلکتہ
(ضمیمۂ الہلال)

ہفتہ وار الہلال کا پہلا پرچہ ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء کو شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد جلد ہی روزانہ اخبار کی ضرورت محسوس کی گئی اور جنگ بلقان کے دوران ہی میں نومبر ۱۹۱۲ء سے اس کی اشاعت بھی عمل میں آگئی تھی۔ اس کا پتا ہمیں ہفتہ وار الہلال کے مطالعے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ ۲۰ر نومبر ۱۹۱۲ء کو "شذرات" کے صفحے پر "براہ راست تاروں انتظام" کے عنوان سے یہ چھپا ہوا ملتا ہے:

"آغاز جنگ سے ہم نہایت مضطرب ہیں کہ صحیح حالات معلوم کرنے کا کوئی انتظام کر سکیں۔ وزرائے قسطنطنیہ کی حالت اس اعتبار سے واقعی قابلِ شکایت ہے کہ جو تار بھیجے جاتے ہیں، وہ باوجود اس علم کے کہ قسطنطنیہ تک ضرور پہنچ گئے ہیں، عموماً جواب سے محروم رہتے ہیں۔ آغازِ جنگ سے اس وقت مختلف وزرا کے نام متعدد تار جا چکے ہیں، مگر سوائے ایک تار کے کسی تار کا جواب نہیں ملا۔ بالآخر ہم نے ترکی کے بعض احباب کو خطوط لکھے اور تار کے ذریعے اہم واقعات کی تفصیل چاہی۔ سردست اس قدر انتظام تو ہم نے کر لیا ہے کہ ہر منگل یا بدھ کو بالالتزام ایک تار ہفتے بھر کے اہم واقعات کی نسبت براہ راست ہمارے پاس آجائے اور وہ علاوہ روزانہ ضمیمے کے (جو محض لوکل اشاعت و واقفیت کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔) بدھ کے ہفتہ وار پرچے میں بھی درج ہو سکے۔ اس کے علاوہ اگر ہفتے کے اندر کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آئے گا تو اس کی اطلاع بھی بروقت مل جائے گی۔ اور بصورت اہمیت الہلال کے خریداروں میں بذریعہ مطبوعہ کارڈ یا روزانہ ضمیمے کے کسی نہ کسی طرح شائع کر دیں گے۔

ہم نے المؤید قاہرہ کے نامہ نگار سے بھی انتظام کرنا چاہا ہے، جو آج کل اڈریانوپل میں موجود ہے اور امید ہے کہ عن قریب منظوری کا آخری جواب مع خبر کے پہلے تار کے آجائے گا۔" (ص ۴ ک ۲)

اس شذرے کے مطالعے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نومبر ۱۹۱۲ء میں الہلال کا ضمیمہ روزانہ اخبار کی صورت میں نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس سے قبل ۱۶ اکتوبر کے شمارے میں چند سطروں کے مطالعے نے بھی اسی نتیجے تک پہنچایا تھا۔ صفحہ اول ہی پر موٹے حرفوں میں چھپا تھا:

"روزانہ اور ہفتہ وار الہلال نیز ماہوار رسالے کے لیے ہر شہر میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ شرائط نہایت نفع بخش اور آسان ہوں گے۔ درخواستیں جلد آنا چاہئیں۔"

البتہ ان سطروں سے یہ قطعی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ روزانہ الہلال شائع ہونا شروع بھی ہو گیا تھا۔ اس لیے اس اعلان میں ماہوار رسالے کا بھی ذکر ہے جو کبھی نہیں نکلا۔ البتہ ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء کے شذرہ سے یقین ہو جاتا ہے کہ روزانہ الہلال، الہلال کے ضمیمے کی صورت میں نکلنے لگا تھا۔ لیکن اس کے ٹھیک ایک مہینے کے بعد ایک مراسلہ ہماری نظر سے گزرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ صرف ایک تجویز تھی اور روزانہ اخبار کے احساسِ ضرورت کے باوجود یہ تجویز غور و فکر کے مرحلے سے فیصلے یا عمل تک آگے نہ بڑھی تھی۔ مراسلہ نگار "ابو الاعجاز عرشی" ہیں مراسلے کا عنوان "الہلال روزانہ" ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"آپ خیال فرمائیں کہ پبلک کا مذاقِ اخبار بینی آج کل کس قدر بڑھ گیا ہے۔ ہفتہ وار اخباروں سے (گو وہ کیسے ہی اچھے ہوں) ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے روزانہ اخبارات کا وجود و عدم وجود برابر۔ چند اردو روزانہ نکل رہے ہیں، ان کی بھی جو کیفیت ہے، آپ سے چھپی نہیں۔ روزانہ زمیندار نے البتہ کچھ اولوالعزمی دکھائی ہے کہ ہمراہِ راست رپورٹر سے برقی پیامات وصول کرنے کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

امید تھی کہ مشہور ہمدردِ قوم مسٹر محمد علی صاحب کا روزانہ ہمدرد مستقل و اعلیٰ پیمانے پر نکل کے پبلک کی پیاس کو بجھائے گا۔ مگر ہنوز روزِ اول کا مضمون ہے۔

آپ نے روزانہ الہلال شائع کرنے کی تجویز سے پبلک کو روشناس کیا ہے۔ مگر یہ ترمیم میرے ذہن ناقص میں آئی ہے اور میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ غالباً آپ اور آپ کے ناظرین اس سے اتفاق کریں گے۔

آپ کی تجویز سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ وار الہلال بدستور جاری رہے اور "روزانہ" علاحدہ شائع کیا جائے اور ماہوار البیان بھی علاحدہ شائع ہو۔

میں تجویز اول و دوم کو ایک کر دینا زیادہ پسند کرتا ہوں کہ روزانہ الہلال پوری آب و تاب سے شائع کیا جائے اور ہفتہ وار بند کر دیا جائے۔

بجائے ہفتہ وار الہلال کے اسی صوری و معنوی خصوصیات کے ساتھ چار پانچ جز کی ضخامت میں رسالہ البیان ماہوار شائع کیجیے۔

یہ چوں کہ آپ کے بیش بہا مضامین کی پبلک زیادہ قدر داں ہے۔ اس لیے آپ کو بھی پبلک کے مذاق کی قدر کرنی چاہیے۔

میرے اس عریضے کو عام رائے کے اتفاق کے لیے الہلال کے کسی گوشے میں جگہ دے کر ممنون کیجیے"

اس مراسلے پر ایڈیٹر الہلال کا یہ نوٹ ہے:

"بیشک میرا ارادہ تو یہی ہے کہ ہفتہ وار جرنل جاری رہے اور روزانہ الگ شائع ہو۔ لیکن اگر ناظرین ہفتہ وار کے التوا کو منظور فرمائیں اور اس کی جگہ روزانہ اور ماہوار شائع ہو تو مجھے کوئی عذر نہیں کہ اور بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ باقی "ہمدرد" کی نسبت جو آپ نے لکھا ہے، تو آپ کو کامریڈ پریس کی مشکلات کا علم نہیں۔ ساری دقت بیروت کے ٹائپ کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ تاہم امید ہے کہ ہمدرد جلد شائع ہو اور ملک کی توقعات کا اپنے تئیں پورا مستحق ثابت کرے" (۱۸ر دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۱۳)

معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابوالاعجاز عرشی کے مراسلے سے عام طور پر اتفاق نہیں کیا گیا۔ اس رائے سے اختلاف میں کئی مراسلے شائع ہوئے۔ محمد احمد اللہ صاحب حیدرآباد سے لکھتے ہیں:

"اخبار الہلال کی روزانہ اشاعت کے باب میں ابوالاعجاز صاحب عرشی کی

اس تجویز سے ہمیں کسی قدر اختلاف ہے کہ ہفتہ وار الہلال روزانہ کردیا جائے " (۱۰ر جنوری ۱۹۱۳ئہ ص ۱۱)

خان پور (بہاول پور) کے مشہور طبیب مدحکیم غلام غوث " لکھتے ہیں :

" نیز روزانہ الہلال کے ارادے کو سر دست ملتوی کر دیا جائے "

(۱۴ر مئی ۱۹۱۳ئہ ص ۲۰)

ان مراسلات کے مطالعے سے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ ۱۹۱۳ء کے تقریباً وسط تک روزانہ الہلال شائع ہونا شروع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کے ٹھیک ایک سال کے بعد جب ہماری ایک اشتہار پر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷ر جون اور ۱۵ر جولائی ۱۹۱۴ء تک بھی روزانہ الہلال کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اشتہار کا عنوان " روزانہ الہلال " ہے اور آغاز اس جملے سے ہوتا ہے :

" روزانہ الہلال چوں کہ ابھی شائع نہیں ہوا ہے۔ اس لیے بذریعہ ہفتہ وار مشتہر کیا جاتا ہے کہ . . . . (۱۷ر جون ۱۹۱۴ء، ص ۱۴)

یہی اشتہار ۱۵ر جولائی کو بھی چھپا ہے (ص ۱۶)

لیکن ابھی اس واقعے پر پورا ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ الہلال کا روزانہ ضمیمہ شائع ہونے لگا۔ ۱۲ر اگست ۱۹۱۴ء کا سرورق الٹتے ہی صفحہ ایک پر ہماری نظر دو شذروں پر پڑتی ہے۔ پہلا شذرہ " اعتذار " کے عنوان سے ہے۔ اس میں ہفتہ وار رسائل کے دائرہ کار کی وضاحت کی گئی ہے اور اس سلسلے میں الہلال کی خدمات و خصائص پر توجہ دلائی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں :

" الہلال اردو پریس کا پہلا رسالہ ہے جو ہفتہ وار رسائل کا صحیح نمونہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ ایک ایسے جرنل کے فرائض صالحہ میں یہ داخل نہیں کہ وہ جنگ وغیرہ کے موقع پر تمام خبروں کو اکٹھا کرتا رہے۔ یہ کام روزانہ اخباروں کا ہے اور اسی لیے ایک روزانہ ضمیمہ شائع کر دیا گیا ہے۔

ہفتہ وار رسالے کا کام زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ہفتے بھر کے حوادث و سوانح پر ایک جامع نظر ڈال کے اس کا خلاصہ پیش کر دے۔ چنانچہ اس لحاظ سے الہلال کی نسبت ہم جنگ بلقان کے زمانے کو یاد دلاتے ہیں اور موجودہ جنگ کے متعلق بھی اطمینان دلاتے ہیں کہ جیسی معلومات، جیسے مفید اور بلند مباحث، جیسی

دقیق اور پراز نتائج نظر و نقد اور جیسی دل چسپ تصویریں اور مناظر الہلال فراہم کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اس کے معیار و درجہ سے کم تر نہیں بلکہ بلند تر ہی ہوں گے۔"

اسی شمارے کے اسی صفحے پر "روزانہ ضمیمہ" کے عنوان سے دوسرا شذرہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے:

"مقامی پبلک کے اصرار سے مجبور ہو کر دفتر الہلال نے ایک روزانہ ضمیمہ شائع کرنا شروع کر دیا ہے۔ محض روزانہ تار برقیوں کا ترجمہ عین وقت پر شائع کرنا مقصود تھا، لیکن ضمناً جنگ کے متعلق ضروری مباحث و مضامین بھی درج کیے جاتے ہیں:

(۱) رائل سائز کے چار صفحوں پر شائع ہوتا ہے۔ فی صفحہ چار کالم۔

(۲) کلکتہ سے لے کر بنارس تک کے لیے یہ ضمیمہ یکساں مفید ہے۔

(۳) صوبہ بہار کے تمام شہروں نیز مظفر پور، مرزا پور اور بنارس وغیرہ کے لیے ایجنٹوں کی ضرورت ہے جو منگوا کر متفرق فروخت کریں۔ معقول کمیشن دیا گیا ہے۔"

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ ضمیمہ کب تک جاری رہا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ ۱۸/ نومبر ۱۹۱۴ء یا اس کے لگ بھگ تاریخوں تک جاری رہا ہو گا جب کہ الہلال کے دورِ اوّل کا آخری پرچہ شائع ہوا تھا۔

ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کسی محقق کی نظر سے اس کا کوئی پرچہ گزرا ہو۔ مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے خاکسار کو ۱۹۷۰ء میں ایک پرچہ دکھایا تھا جو صرف ایک ورق تھا۔ مرحوم نے بتایا تھا کہ یہ پرچہ الہلال میں رکھا ہوا آگیا تھا۔ اسے منگوایا نہیں تھا، اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اس لیے کہ یہ ضمیمہ کلکتہ، اس کے قرب و جوار کے علاقوں، بہار اور یوپی کے بعض مشرقی شہروں تک ہی مفید تھا۔ اب اس پرچے کے بارے میں کوئی خاص بات یاد نہیں البتہ یہ بات ذہن میں محفوظ ہے کہ اس میں صرف خبریں تھیں کوئی مضمون یا کالم نہ تھا اب اس پر مضمون لکھنا چاہا اور لاہور خط لکھ کر تلاش کروایا تو اس کا پتا نہیں چل سکا۔

البلاغ (۱۶-۱۹۱۵ء) کلکتہ

(اشاریۂ مندرجات)

آثارِ عتیقہ:

سلیمان دسنوی (ندوی) پروفیسر پونا کالج، مولانا سید

آثارِ اسلامیہ امارت بیجا پور — ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۱۲

〃 〃 (۲) — ۲۶ر 〃 (نمبر ۲) ص ۲۵

احرارِ اسلام:

البلاغ

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ —

مسئلہ خلقِ قرآن اور دربار مامون الرشید (۱) — ۴ر فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۹) ص ۴

〃 〃 〃 (۲) — ۱۱ر 〃 〃 (نمبر ۱۰) ص ۵

〃 〃 〃 (۳) — ۱۸ر 〃 〃 (نمبر ۱۱) ص ۹

خطابۂ الم و ترمیۂ شہادت — یعنی واقعۂ عظیمۂ شہادت

حضرت سید الشہداء (۱) — ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) ص ۱-ب

〃 〃 〃 دیا تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ) (۲) — ۱۰ر دسمبر 〃 (نمبر ۴) ص ۵

ادبیات:

ابوالکلام

مرحوم مولانا شبلی نعمانی — حیاۃ علمی و ادبی پر ایک تنظر[1] — ۱۷، ۲۴ر دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۴، ۵) ص ۱۲

مرزا غالب کا غیر مطبوعہ کلام (قصیدہ در تہنیت غسلِ صحت
نواب یوسف علی خاں صاحب سابق والی رام پور) — ۲۱، ۲۴ر مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۵-۱۶) ص ۵

۱؎ علامہ شبلی مرحوم کے انتقال پر کلکتہ کے ایک تعزیتی جلسے میں مولانا آزاد کی ایک تقریر

اقبال

نوارا تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی — ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۱

حسرت موہانی

غزل[1] — ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) ص ۱۹

اسوۂ حسنہ:

البلاغ

احتساب اور اسلام ۔ تربیت یافتگان عہد نبوت کا اسوۂ حسنہ — ۴ر فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۹) ص ۱۹

الحسبتہ فی الاسلام ۔ احتساب اور اسلام (۲) — ۱۱ر 〃 〃 (نمبر ۱۰) ص ۹

اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صفحہ ۔ اعمال نبوت بہ حیثیت محتسب — ۱۴ر ۲۱ر ۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۱۷

تفویض و اطاعت ۔ عہد صحابۂ کرام — ۲۴ر ۳۱ر مارچ 〃 (نمبر ۱۵-۱۷) ص ۱۷

کائناتِ خلقت ۔ بہ تقریب ورود مسعود یوم الحج و عید اضحیٰ (۱) — ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۴ (الف)

کائناتِ خلقت یا تاریخ امتِ مسلمہ (۲) — ۲۶ر 〃 〃 (نمبر ۲) ص ۲۰

〃 〃 (۳) — ۱۰ر دسمبر 〃 (نمبر ۳) ص ۱۲

〃 〃 (۴) — ۱۷ر ۲۴ر 〃 〃 (نمبر ۴، ۵) ص ۱۷

(تذکارِ مقدس) ماہ ربیع الاول ۔ ولادتِ نبوی ص — ۱۴ر ۲۱ر ۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۳

(مواعظ و خطب) ماہ ربیع الاول اور جشن تذکار ولادت نبوی صلعم[2] — 〃 〃 〃 〃 ص ۸

---

[1] حسرت کی اسی غزل میں مولانا آزاد کے بارے میں یہ قطعہ ہے:

ارباب وفا پرست و حق کوش — تھا جن سے دیارِ صدق آباد
سب ہو گئے چپ بس ایک حسرت — گویا ہیں "ابوالکلام آزاد"

[2] یہ تحریر "مواعظ و خطب" کے باب میں درج تھی ۔ موضوع کی مناسبت سے اس کا حوالہ یہاں دیا گیا۔ اس کے اصل باب کے اظہار کے لیے قوسین میں باب کا حوالہ بھی درج کر دیا ہے ۔ اسی طرح کا اہتمام بعض دوسرے حوالوں کے اندراج میں بھی کیا گیا ہے ۔

عبد السلام ندوی، مولانا

تربیت یافتگانِ عہد نبوت ۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ (۱) ۲۵ فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۲) ص ۱۶

〃 〃 〃 〃 (۲) ۳، ۱۰ مارچ 〃 (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۲۲

اسئلة واجوبتها:

البلاغ

بعض اسئلہ مہمہ ۔ حدیث اختلاف امتی رحمۃ [۱] ۱۷، ۲۴ دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۴، ۵) ص ۵

حکم رضاع و محرمات رضاعۃ [۲] ۲۴، ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۵-۱۷) ص ۱۱

مسئلہ تسمیہ طٰہٰ و یاسین [۳] 〃 〃 〃 〃 ص ۱۴

حکم شوریٰ اور اسلام ۔ خلافت راشدہ اسلامیہ کا نظام جمہوری۔

منہاج نبوت اور شوریٰ [۴] ۱۴، ۲۱، ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۲۳

افکار و حوادث:

البلاغ

مسئلہ مسلم یونی ورسٹی اور علوم و معارف جدیدہ ۲۴، ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۵، ۱۷) ص ۳

(مجوزہ شیعہ کالج لکھنو کا وفد گورنر یوپی سر جیمس کی خدمت میں) ۱۸ فروری 〃 (نمبر ۱۱) ص ۱

المراسلة والمناظرة:

البلاغ

بیع عزرو مسئلہ اجارہ اراضی، مروجہ [۵] ۲۴، ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۵-۱۷) ص ۱۶

النوم ۔ از روئے طبِ قدیم ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) ص ۳۰

۱؎ علی احمد مدراسی کے سوال کے جواب میں

۲؎ مولوی حکیم غلام غوث دراز خان پور کے سوال کے جواب میں

۳؎ آرہ سے ایک مستفسر کے جواب میں

۴؎ مصباح الدین (لشکر گوالیار) کے سوال کے جواب میں

۵؎ مولانا ابو النصر محمد عبد القادر مفتی ریاست جموں کا ایک علمی مراسلہ ۔ البلاغ نے مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور زیر بحث مولانا سید سلیمان ندوی کی رائے کی تاویل کی ہے کہ غالباً ان کا بھی یہی مقصد ہوگا۔

بصائر و حکم :

السلم والحرب ۔ یعنی جنگ اور صلح — ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۳) ص ۹

انسان کی حیات صالحہ اور اس کی طبعی عمر ۔

سلسلۂ الاصلاح والافساد کی ایک مختصر صحبت — ۳ر ۱۰ر مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۲۱

جنگ اور مطالعۂ علم النفس — ۱۴ر ۲۱ر ۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۱۵

جنگ کا اثر اخلاق پر (۱) — ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۴ (ز)

〃 〃 (۲) — ۲۶ر 〃 〃 (نمبر ۲) ص ۷

فلسفہ اجتماع اور جنگ (۱) — ۱۷، ۲۴ر دسمبر 〃 (نمبر ۴، ۵) ص ۱۵

برید فرنگ :

ایک نئی زمین کا اکتشاف ۔ دائرہ قطب شمالی — ۱۸ر فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۱) ص ۸

جواسیس الحرب (ایک فرانسیسی جاسوس جرمنی میں) ۱۱ر 〃 〃 (نمبر ۱۰) ص ۱۸

تاریخ تمدن اسلامی :

غزوات اسلامیہ اور تجارت — ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) ص ۷ ۲

(مختارات) خواطر فی الاسلام ۔ تاریخ مدنیۃ اسلامیہ

کا ایک سرسری درس — ۳ر ۱۰ر مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۱۷

تاریخ و عبر :

اسماعیل پانی پتی، شیخ محمد

الحرب فی الاسلام — ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۳) ص ۱۵

غیلان دمشقی

امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۔ تاریخ معتزلہ کا ایک صفحہ (۱) ۱۷، ۲۴ر دسمبر 〃 (نمبر ۴، ۵) ص ۲۳

تاریخ معتزلہ کا ایک صفحہ ۔ نظائر و امثال (۲) — ۱۴ر ۲۱ر ۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۲۶

حادثہ محزنہ کربلہ — ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) ص ۱۰

تفسیر[1] :

البلاغ

---

[1] البلاغ میں اصل عنوان "باب التفسیر" تھا ۔ بعض تفسیری تحریریں "اسئلۃ و اجوبتہا" بقیہ اگلے صفحے پر

(اسئلۃ واجوبتہا): تفسیر سورۂ والتین[1] ـ اقسام القرآن ۲۵ فروری ۱۹۱۶ء (نمبر۱۲) ص ۸
" " " (۲) ۳/۱۰ مارچ " (نمبر۱۳، ۱۴) ص ۱۴

الاصلاح والافساد (۱) ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء (نمبر۱۰) ص ۱۴
" " (۲) ۱۸ " " (نمبر۱۱) ص ۱۳
" " (۳) ۲۵ " " (نمبر۱۲) ص ۱۴

الحق والباطل اور الاصلاح والافساد ـ حقیقتِ بقاء
اسلام وفنائے کفر ۲۴/۱۲ مارچ " (نمبر۱۳، ۱۴) ص ۷
" " " " ۲۲/۲۴ " " (نمبر۱۵، ۱۷) ص ۶

فلسفۂ احتساب ـ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر۳) ص ۱۵

عبدالحی، مولانا خواجہ

سورۂ کریمۂ ماعون " " " ص ۲۳

مظہرالدین شیرکوٹی، مولانا

(مراسلات): سورۂ والتین ۱۷/۲۴ دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر۴-۵) ص ۲۵

شئونِ اسلامیہ:

عراق ولیلیٰ ے عراق! (عراق وبغداد کے بعض مناظر) ۲۵ فروری ۱۹۱۶ء (نمبر۱۲) ص ۵
نسیم شمال ـ سراج الاخبار افغانیہ اور مجلہ البلاغ ہند ۳/۱۰ مارچ " (نمبر۱۳، ۱۴) ص ۹

مختارات:

الحرب فی الاسلام ـ تاریخ اسلام اور نظام عسکری (۱) ۱۴/۲۱/۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر۶، ۷، ۸) ص ۳۲
" " (۲) ۴ فروری " (نمبر۹) ص ۱۳

مدارس اسلامیہ اور دیگر ادارے[2]:

ابوالکلام

کے تحت چھپی تھیں اور ایک "مراسلات" کے ضمن میں درج تھی۔ ان سب کو اسی جگہ درج کر دیا ہے۔

[1] مولوی وصی احمد بلگرامی کے استفسار کے جواب میں

[2] البلاغ کا عنوان صرف "مدارس اسلامیہ" تھا۔ دیگر ادارات وتنظیمات کے بارے میں بعض مضامین "متفرقات" کے ذیل میں اور بعض "مراسلات" کے ضمن میں تھے۔ ان سب کو اسی عنوان کے تحت جمع کر دیا ہے۔

دارالارشاد (قیام و آغاز اور اصول و شرائط داخلہ)	۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۱۵
آل انڈیا محمڈن کانفرنس اور دعوۃ اسلامی[1]	۱۴، ۲۱، ۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۱۹
افسانۂ زلف یا مسلم یونی ورسٹی	۲۴، ۳۱ر مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۵۔ ۱۷) ص ۴ (الف)
(شذرات): مجوزہ شیعہ کالج (۱)	۱۸ر فروری ″ (نمبر ۱۱) ص ۲
″ ″ (۲)	۲۵ر ″ ″ (نمبر ۱۲) ص ۱
خاتمۂ سخن: ″ (۳)	۳، ۱۰ر مارچ ″ (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۱
(شذرات): مسلم لیگ[2]	۴ر فروری ″ (نمبر ۹) ص ۲
سلیمان دسنوی (ندوی)، مولانا سید	
جامع ازہر	۳، ۱۰ر مارچ ″ (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۱
″ (۲)	۲۴، ۳۱ر ″ ″ (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۲۵
وصی احمد بلگرامی، سید	
(مراسلات): مجوزہ شیعہ کالج[3]	″ ″ ″ ″ ص ۱۸

مذاکرۂ علمیہ:

التحول الفجائی یعنی MUTATION (۱)	۳، ۱۰ر مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۱۰
″ ″ (۲)	۲۴، ۳۱ر ″ ″ (نمبر ۱۵، ۱۷) ص ۲۰
النوم ـ نیند کی حقیقت	۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۹
علم الانسان	۱۸ر فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۱) ص ۵

---

[1] کانفرنس کے اجلاس میں مولانا کا عزم شرکت، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں سکریٹری کانفرنس کا خط اور مولانا کا جواب الجواب

[2] لیگ کے گذشتہ اجلاس بمبئی کے واقعات پر تبصرہ

[3] مراسلہ نگار نے سورۂ والتین (البلاغ نمبر ۱۲) پر مولانا آزاد کے افادات کی تحسین فرمائی ہے، مولانا کی تعریف میں سراج الاخبار (کابل) کی رائے (البلاغ نمبر ۱۳، ۱۴) کی پرزور تائید کی ہے اور مجوزہ شیعہ کالج کے بارے میں بھی مولانا کی رائے (البلاغ نمبر ۱۱، ۱۲) کی توثیق کے ساتھ اپنے خیالات پیش کیے ہیں۔ اس پر البلاغ (مولانا) کا تبصرہ بھی ہے۔

مراسلات:

غلام غوث طبیب (خان پور)

ایک اہم اقتراحِ دینی۔ سیرۃ نبوی[1] — ۲۶، نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) ص ۲۴

مرتضیٰ نونہروی، مولانا سید

الہلال — ۱۷/۲۴، دسمبر ″ (نمبر ۴، ۵) ص ۲۸

... بی اے، متعلم ایل ایل بی

تفسیر البیان[2] — ۴، فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۹) ص ۲۰

مطبوعات جدیدہ:

البلاغ

معراج العقول[3] — ۲۵، فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۲) ص ۱۲

مقالات:

سلیمان دسنوی (ندوی)، مولانا سید

اسلام اور سوشیلزم[4] — ۱۱، فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۰) ص ۲

اصلاح و معاشرت۔ بہ سلسلۂ اسلام اور سوشیلزم — ۱۸، ″ ″ (نمبر ۱۱) ص ۱۷

″ ″ ″ ″ (۲) — ۲۵، ″ ″ (نمبر ۱۲) ص ۱۸

اسیرانِ جنگ (۱) — ۱۰، دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۳) ص ۱۹

″ ″ (۲) — ۱۷/۲۴، ″ ″ (نمبر ۴، ۵) ص ۹

---

[1] علامہ شبلی کی جامع سیرۃ نبوی کے بعد بھی عام مطالعے، تبلیغ و ارشاد اور نصاب میں داخل کرنے کے لیے معمولی ضخامت کی سیرۃ نبوی کی اہمیت اور ضرورت پیش نظر مولانا آزاد سے تالیف تصنیف کی درخواست

[2] طلبہ کے لیے البیان کی قیمت میں خصوصی رعایت کی درخواست! اس لیے کہ تفسیر کے حقیقی مخاطب طلبہ ہی ہیں۔

[3] یہ کتاب مولانا سید مرتضیٰ نونہروی (ضلع غازی پور) کے قلم سے عربی زبان میں ہے۔ صفحات: ۸۰۰۔ یہ تبصرہ مولانا آزاد کے قلم سے ہے اور مولانا نے فاضل مصنف اجتہاد فکر، حریت رائے اور اصابت فہم کی تعریف فرمائی ہے۔

[4] مقالے کی یہ (پہلی) قسط "مراسلات" کے کالم میں شائع ہوئی تھی۔ دوسرے "مقالات" کے صفحے پر شائع ہوئی تھی۔

الدین السیاست	۱۴، ۲۱، ۲۸، جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۹
امن اور اسلام	۲۶، نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) ص ۱۳
تربیت عسکری اور قرآن حکیم	۴، فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۹) ص ۹
اسلام اور تربیتِ عسکری	۱۱، " " (نمبر ۱۰) ص ۱۱
جنگ کا اثر فنِ روایت پر	۱۲، نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۵

مواعظ و خطب:

البلاغ

الحریتہ فی الاسلام	۱۷، ۲۴، دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۴، ۵) ص ۲۲

متفرقات:

ایڈیٹر

قفانبک من ذکری حبیب و منزل ۔ الی مہاجر

الی ربی انہ ھو العزیز الحکیم [1]	۲۴، ۳۱، مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۵-۱۷) ص ۱
افسانہ ہجر و وصال	۳، ۱۰، " " (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۳

(۲)

البلاغ (اطلاعات و اعلانات)

البلاغ

اطلاع ضروری [2]	۱۲، نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) سرورق ص ۲

(شذرات): اعتذار (۱) ۔ (البلاغ کے خاص کاغذ کی عدم دستیابی) ۱۱، فروری ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۰) ص ۱

" (۲) (ایڈیٹر کی ناسازی طبع اور شذرات

کی عدم دستیابی دار مینیجر) " " " "

۔ (البلاغ کی اشاعت تاخیر ۔ آئندہ سے البلاغ بدستور

ہفتہ وار شائع ہوگا) ۱۴، ۲۱، ۲۸، جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۱

---

[1] بنگال سے ایڈیٹر البلاغ کے اخراج کا حکم اور اس پر تبصرہ

[2] البلاغ کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹیں ۔ اس میں یہ تذکرہ بھی ہے کہ دار الارشاد کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور روزانہ درس قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔

ایجنٹوں کے لیے کمیشن	۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) ص ۱۳
" "	۱۴، ۲۱، ۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۲۱
" "	۳، ۱۰ر مارچ " (نمبر ۱۳، ۱۴) ص ۲۴
(شذرات): عہد التوا و انتظار (۱)	۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۳) ص ۲
" " (۲)	۱۷، ۲۴ر " " (نمبر ۴) ص ۱
" " (۳)[1]	۱۴، ۲۱، ۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۲
(مقالہ افتتاحیہ ـ عربی میں): فاتحۃ البلاغ (۱)	۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۲
" (۲)	۲۶ر " " (نمبر ۲) ص ۲
ما لا بد منہ (ادارے کی مشکلات اور قارئین سے بصورت فراہمی خریداران تعاون کی اپیل)	" " " " ص ۱

البیان، ترجمان القرآن (اطلاعات و اعلانات)

ایڈیٹر

البیان فی مقاصد القرآن (اعلان)	۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) سرورق ص ۴
" " "	۲۶ر " " (نمبر ۲) " "
" " "	۱۰ر دسمبر " (نمبر ۳) " "
" " "	۱۷، ۲۴ر " " (نمبر ۴، ۵) " "
" " "	۱۴، ۲۱، ۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) " "
" " "	۴ر فروری " (نمبر ۹) " "
" " "	۱۱ر " " (نمبر ۱۰) " "
" " "	۱۸ر " " (نمبر ۱۱) " "
" " "	۲۵ر " " (نمبر ۱۲) " "
" " "	۳، ۱۰ر مارچ " (نمبر ۱۳، ۱۴) " "
" " "	۲۴، ۳۱ر " " (نمبر ۱۵، ۱۶) " "

---

[1] البلاغ کا صحافتی مسلک ـ دعوۃ کی راہ اور تجارت کے مشرب کا فرق ـ البلاغ کا مسلک "دعوت کی راہ" ہے۔

بعض اطلاعات مہمہ (ترجمان القرآن، البیان اور مقدمہ تفسیر کے بارے میں) —	۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۳) ص ۱
البیان و ترجمان القرآن (انتظار کی درخواست)	۱۴ر۲۱ر۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ص ۱
ترجمان القرآن	۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) سرورق ص ۱
〃	۲۶ر 〃 〃 (نمبر ۲) 〃 〃
〃	۱۰ر دسمبر 〃 (نمبر ۳) 〃 〃
〃	۱۷ر 〃 〃 (نمبر ۴، ۵) 〃 〃
ترجمان القرآن[1]	۱۷ر۲۴ 〃 〃 (نمبر ۴، ۵) ص ۱
〃	۱۴ر۲۱ر۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) سرورق ص ۱
〃	۴ر فروری 〃 (نمبر ۹) 〃 〃
〃	۱۸ر 〃 〃 (نمبر ۱۱) 〃 〃
〃	۲۵ر 〃 〃 (نمبر ۱۲) 〃 〃
〃	۳ر۱۰ر مارچ 〃 (نمبر ۱۳، ۱۴) 〃 〃
〃	۲۴ر۳۱ 〃 〃 (نمبر ۱۵، ۱۷) ص ۱
(شذرات): دعوۃ الی القرآن[2]	۴ر فروری 〃 (نمبر ۹) ص ۱
〃 〃	۱۱ر 〃 〃 (نمبر ۱۰) 〃
نظرے خوش گزرے۔ بعض اہم مسائل۔ مسئلہ اعراض نظر و مطالعہ[3]	۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۳) ص ۸
الہلال (اشتہارات):	
التسعر الہلال فی مجلدات الہلال	۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۲) سرورق ص ۲

۱؎ ترجمان القرآن اور البیان کی توسیع اشاعت کے لیے بعض ارباب دل کا تذکرہ و تحسین۔

۲؎ ترجمان القرآن اور البیان کی اشاعت اس کی اہمیت اور بعض اصحاب کی جانب سے اس کی توسیع اشاعت میں تعاون پر شکریہ و تحسین۔

۳؎ ترجمان القرآن اور البیان کے بارے میں

السحر الهلال فی مجلدات الہلال	۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۳) سرورق ص ۲
″ ″	۲۴/۱۷ر ″ ″ (نمبر ۵،۴) ″ ″
″ ″	۱۴/۲۱/۲۸ر جنوری ۱۹۱۶ء (نمبر ۶، ۷، ۸) ″ ″
″ ″	۴ر فروری ″ (نمبر ۹) ″ ″
″ ″	۳/۱۰ر مارچ ″ (نمبر ۱۳، ۱۴) ″ ″
الہلال کی مکمل جلدیں[1]	۲۴/۳۱ر ″ ″ (نمبر ۱۵، ۱۷) ص ۱۵
مجلدات الہلال ۔ درخواست کا آخری موقع	۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۱) ص ۱۴

اشتہارات:

گریٹ یورپین وار میپ[2] ۔ ایڈیٹر الہلال کی رائے	۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء (نمبر ۳) ص ۲۰
نقشہ جنگ (گریٹ یورپین وار میپ)	۲۴/۳۱ر مارچ ۱۹۱۶ء (نمبر ۱۵ - ۱۷) ص ۱۱

---

[1] اس اشتہار کی آخری سطریں یہ ہیں اور کس درجے حقیقت پر مبنی :

"وہ وقت دور نہیں جب مرحوم الہلال کے ایک ایک پرچے کو لوگ ڈھونڈھیں گے اور کہیں گے کہ وہ ایک تاریخی وجود تھا جواب نہیں مل سکتا کو ہم رادر عدم روح قبول بود واست شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن !"

البتہ اتنا کہا جاتا ہے کہ لوگوں کی طلب صادق نے اسے ڈھونڈھ نکالا۔ کئی سال ہوئے پاکستان میں اس کی اشاعت کے لیے الہلال اکیڈمی لاہور وجود میں آئی اور اس نے الہلال کی تمام جلدیں عکسی شائع کر دیں اور اب (۱۹۸۸ء) میں ہندوستان سے اتر پردیش اردو اکیڈمی (لکھنو) نے الہلال کا فائل شائع کر دیا ہے۔

نوٹ: البلاغ میں کتابوں وغیرہ کے اور بہت سے اشتہار بھی شائع ہوئے ہیں ۔ ان کے حوالے یہاں ترک کر دیے ہیں ۔

[2] ایم حسن برادرز۔ کلکتہ کا شائع کردہ نقشے کا اشتہار ۔ جس کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے رائے دی ہے۔

اقدام ۔ کلکتہ

یہ روزانہ اخبار کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کی نگرانی اور مولانا محی الدین قصوری (ابن مولانا عبدالقادر قصوری) کی ادارت میں اور انہیں کے سرمائے سے جاری ہوا تھا۔ مولانا آزاد نے مارچ کے اواخر یا اپریل (۱۹۱۶ء) کے اوائل میں جو خط مولانا سید سلیمان ندوی کو کلکتہ بلانے کے لیے لکھا تھا۔ اس میں اس کا ذکر آیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کا اجرا عمل میں آچکا تھا، مولانا فرماتے ہیں:

"البلاغ کے علاوہ بالکل علیحدہ ایک معقول مسلک کا روزانہ اخبار "اقدام" بھی جاری ہوا ہے۔ وہ بھی آپ کے ماتحت ہو جاتے گا اور ایک بڑا اسٹاف اپنے ماتحت پائیں گے"۔[1]

اقدام کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر حاشیے میں لکھتے ہیں:

"یہ روزانہ اخبار مولوی محی الدین قصوری نے کلکتہ سے جاری کیا تھا۔ افسوس کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کا داخلہ مختلف صوبوں میں بند ہو گیا اور مولوی محی الدین بھی اسے بند کر کے وطن (قصور) آنے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں انہیں نظر بند کر دیا گیا"۔

ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی کے نام ایک خط میں مولانا عبدالقادر قصوری اور ان کے خاندان سے مولانا آزاد کے تعلقات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اقدام کے اجرا اور بندش پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مہر صاحب فرماتے ہیں:

"۱۹۱۵ء میں مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کے صاحبزادے مولانا محی الدین احمد نے کلکتہ سے ہمارے مولانا (آزاد) کی زیر نگرانی "اقدام" جاری کیا تھا۔ اس پر بھی خاصا روپیہ مولانا قصوری کا خرچ ہوا۔ "اقدام" بہت جلد ہندوستان کا ممتاز اردو روزنامہ بن گیا۔ لیکن حکومت نے مختلف صوبوں میں اس کا داخلہ بند کر دیا۔ خصوصاً پنجاب میں داخلہ بند ہونے کے باعث "اقدام" پر شدید ضرب لگی۔ چوں کہ بیشتر خریدار یہیں کے تھے۔ پھر مولانا کو بنگال سے اخراج کے احکام مل گئے۔ ان کا پریس بھی برباد ہوا، البلاغ بھی بند ہو

---

[1] تبرکات آزاد، مرتبہ مولانا غلام رسول مہر۔ لاہور، ۱۹۵۹ء ص ۱۴۴

گیا اور مختلف رسائل و جرائد کا ذخیرہ بھی معرضِ اتلاف میں آیا۔۔۔۔" لے

مولانا مہر صاحب مرحوم کی معلومات سے ہمارے علم میں ایک اور مفید اضافہ ہوتا ہے۔ مہر صاحب نے لکھا ہے:

"کلکتہ سے جاری کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہ مولانا (آزاد) کی نگرانی میں نکلے اور ابتداءً اس کے مقالاتِ افتتاحیہ مولانا ہی نے لکھے تھے" لے

اقدام کے بارے میں ابھی تک اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ جب تک کسی جگہ سے "اقدام" کے پرچے دستیاب نہ ہو جائیں اس سے زیادہ معلومات کے حصول کا کوئی موقع نظر نہیں آتا۔ مذکورہ بیانات سے صرف یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اقدام ۱۹۱۵ء کے آخر یا ۱۹۱۶ء کے شروع میں نکلا تھا۔ اور اپریل میں مولانا آزاد کے کلکتہ سے اخراج کے بعد وسط اپریل یا آخر اپریل میں یہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

لے افاداتِ مہر مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی۔ لاہور، (۱۹۷۳ء) ص ۱۶۷

لے ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی کتاب "مولانا ابو الکلام آزاد" میرے پاس آئی اور مولانا مہر صاحب کو معلوم ہوا تو انھوں نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے انھیں یہ کتاب بھیج دی۔ کتاب واپس آئی تو اس پر مہر صاحب نے کئی جگہ بیدار صاحب کے خیالات پر اپنی رائے ظاہر فرمائی تھی یا معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ بعض مقامات پر سوالیہ نشان (؟) بنایا تھا۔ یہ جملے مہر صاحب نے کتاب کے صفحہ ۸۴ پر "اقدام" پر حاشیے میں تحریر فرماتے ہیں

پیغام ۔ کلکتہ

تحریکِ خلافت وقت کی ایک عظیم الشان تحریک تھی، جس نے ترکی خلافت اور ملک کی آزادی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں بیش قیمت خدمت انجام دی۔ خلافت کا ادارہ اگرچہ اپنے معروف نام سے باقی نہیں رکھا جا سکا لیکن ایک مسلمان ملک کی حیثیت سے ترکی کا وجود اور اس میں مسلمانوں کے اقتدار کا جو نقش اجاگر ہوا، اس میں انجمن اتحاد و ترقی۔ ترکی کے بعد بیرونِ ترکی جن ممالک و اقوام کا حصہ ہے۔ ان میں سب سے نمایاں نام برصغیر کے مسلمانوں اور ان کی سب سے بڑی ملی تحریک خلافت کا ہے۔

ترکی خلافت کی تحریک میں برصغیر کے مسلمانوں نے دو مرحلوں میں حصہ لیا تھا:

۱۔ پہلے مرحلے میں انھوں نے چاہا تھا کہ خلافت کا ادارہ اپنے کامل معنوں میں اپنے نام، اقتدار و اختیار اپنے تمام منافع و مصالح اور اپنے تمام تر خصائص کے ساتھ باقی رہے۔ تحریکِ خلافت کا یہ دور ۱۹۱۹ء سے شروع ہوتا ہے اور ۲ مارچ ۱۹۲۴ء کے تنسیخ ادارۂ خلافت کے اعلان پر ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ تحریک کا دوسرا دور مارچ ۱۹۲۴ء کے بعد (اگرچہ برصغیر کے مسلمانوں پر صحیح صورت حال مئی کے بعد واضح ہو سکی تھی) اس وقت شروع ہوا جب خلافت کا ادارہ ختم ہوا اور جمہوریۂ ترکیہ کا قیام عمل میں آیا۔

اگرچہ زمام اقتدار اور اختیار ہر دو صورتوں میں مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھا اور انھیں کو حکومت کرنے اور اپنے ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنا تھا پہلے خلافت کا روایتی ادارہ موجود تھا بعد میں ترکی پارلیمنٹ کا وجود مسلمانوں کے اقتدار کی علامت بن گیا۔

تحریک کا پہلا دور ترکی میں مسلم اقتدار (بہ شکلِ خلافت) کے استحکام کے لیے مساعی کا دور تھا تو دوسرا دور جدید ترکی (بہ صورتِ جمہوریۂ ترکیہ) کے استحکام و تعمیر کا دور تھا۔

برصغیر کے مسلمانوں پر خدا کا یہ خاص فضل رہا ہے اور ان کے ملی خصائص کا یہ ایک امتیاز ہے کہ انھوں نے بقاو تعمیر کے ہر دور میں ترکی اور ترک قوم کی خدمت کو اپنا ملّی فرض سمجھا اور اس راہ میں

جان و مال کی بے مثال قربانیاں پیش کیں۔

بعض لحاظ سے تو برصغیر کے مسلمانوں نے ترکی اور ترک قوم کی جو خدمت انجام دی وہ ترکوں کے کے لیے بھی ممکن نہ تھی۔ نوجوان ترک اور انجمن اتحاد و ترقی کے لیے دو محاذ تھے:

اولاً: ترکی کے دشمنوں سے جنگ اور ملک کا دفاع۔

ثانیاً: اندرونِ ملک انگورہ و قسطنطنیہ کی کشمکش میں انقلابی ترکوں کی ترجمانی اور نئے ہنگامہ خیز حالات میں ملک کی رہنمائی۔

تحریکِ خلافت کی خدمات:

ترکی اس وقت تاریخ کے اس نازک دور سے گزر رہا تھا جس میں اس کی زندگی یا موت کا فیصلہ ہونا تھا ہر آنے والی صبح اس کے لیے نئے آلام و مصائب کا پیغام لے کر نمودار ہوتی تھی۔ ان حالات میں بین الاقوامی سطح پر مخالفوں کی ریشہ دوانیوں کا تدارک اور ان کے پروپیگنڈے کا جواب دینا اور اس محاذ پر بھی پوری توجہ صرف کرنا ترکی کے لیے ممکن ہی نہ تھا۔ یہ صرف تحریک خلافت اور اس کے رہنما تھے جنہوں نے برصغیر اور ایشیا سے لے کر یورپ اور امریکہ تک

الف: علمی میدان میں تصنیف و تالیف کے ذریعے

ب: قومی اور بین الاقوامی سطح پر صحیفہ نگاری، انٹرویوز اور مضمون و کالم نویسی کے ذریعے اور

ج: علمی میدان میں وفود بھیج کر اہم شخصیات سے ملاقاتوں تقریروں اور احتجاجوں کے ذریعے

برطانوی مدبّروں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا اور ان کے پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دے رہے تھے۔

لیکن برطانوی مقبوضات میں سب سے اہم اور فیصلہ کن میدان خود برصغیر تھا تحریک خلافت اور اس کے رہنماؤں کو سب سے سخت مقابلہ اسی میدان میں درپیش تھا اور آج یہ بات نہیں کہی جاسکتی تحریک کے رہنما اپنی اس جدوجہد میں ناکام رہے۔ تاریخ اپنا فیصلہ سنا چکی ہے کہ تحریک خلافت نے ہماری قومی سیاسی زندگی کو توانائی بخشی اور برٹش استعمار کے خوف کو مسلمانوں کے دلوں سے ہمیشہ کے لیے اس طرح دور کر دیا کہ پھر کسی قلب پر اس کی پرچھائیں بھی نہ پڑی۔ اگرچہ وقت کی تمام تحریکات کی طرح اس کے بعض وقتی نقصانات بھی ہوئے لیکن اسی تحریک نے نئی قومی زندگی کی تعمیر کا سروسامان بھی فراہم کر دیا۔

تحریک خلافت اور اس کے رہنماؤں نے جو خدمات انجام دی تھیں، ان پر ایک سرسری نظر ضرور ڈال لینی چاہیے:

۱۔ اندرون ملک خلافت کے مسئلے کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے ملک گیر سطح پر جلسوں، اور

جلسوں کا پروگرام بنایا گیا اور رہنمایانِ خلافت نے ملک کے نہ صرف شہروں بلکہ قصبوں اور قریوں تک خلافت کے پیغام کو پہنچایا۔

۲۔ عالمی سطح پر مسئلہ خلافت کے تعارف کے لیے یورپ کو وفد بھیجا گیا۔ اس وفد نے انگلستان، فرانس وغیرہ کے مختلف مقامات پر پبلک جلسوں میں تقریریں کیں، مدبّرین سے ملاقاتیں کر کے مسئلے کی اہمیت اور اس کی سنگینی کو ان کے ذہن نشیں کرنے اور مسلمانوں کے موقف کو واضح کرنے کی کوشش کی اور اخبارات میں انٹرویو اور مضامین کی اشاعت سے مسئلہ خلافت کو واضح اور اشکالات کو دور کیا۔

۳۔ علمی سطح پر انگریزی، اردو، سندھی زبانوں میں تصانیف وتالیف کے ذریعے تاریخی پس منظر کے ساتھ اس مسئلے کی اسلامی شرعی حیثیت اور سیاسی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی اور ملک کے اخبارات و رسائل میں مضامین لکھ کر تحریک خلافت کے مسئلے کی تاریخی، سیاسی اور دینی اہمیت کو واضح کیا اور بعض حلقوں کی طرف سے جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی تھیں انھیں بہ دلائل دور کرنے کی کوشش کی۔

اگرچہ وقت کا ہر معاصر اس مسئلے کی اہمیت میں کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا تھا اور مضامین، مراسلات، بیانات وغیرہ بھی چھپتے رہتے تھے اور اس باب میں معاصرین نے بہت خدمات انجام دیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خلافت کمیٹی کا اپنا کوئی ترجمان نہ تھا اور ضرورت تھی کہ ایک ایسا اخبار وجود میں آئے جو خلافت کمیٹی کے مقاصد کا ترجمان ہو۔ تحریک خلافت کے پروگرام کا داعی اور اس کے نصب العین کا مبلغ ہو اور ایک ایسا ادارہ وجود میں آئے جو کارکنانِ خلافت کے لیے تربیت گاہ کا کام دے اور ان کے لیے معلومات کی فراہمی کا مستند ذریعہ ہو۔

جہاں تک اس ضرورت کا تعلق ہے تحریکِ خلافت کے آغاز سے موجود تھی لیکن ملک کی رہنمائی کے سلسلے میں جو عملی میدان رہنماؤں کے سامنے پیدا ہو گیا تھا اور اس کی ہنگامہ خیزیوں نے جو صورت حال پیدا کر دی تھی، اس نے اس طرف توجہ نہ کرنے دی تھی۔ لیکن یہ ایک ایسی ضرورت تھی جسے ہمیشہ کے لیے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ہفت روزہ پیغام:

ہفت روزہ پیغام کا اجرا وقت کی اسی ضرورت سے عمل میں آیا تھا۔

مولانا آزاد پیغام کے پہلے نمبر کے مقالہ افتتاحیہ میں اس کی اشاعت کے پس منظر اور مقصد کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"۱۔ اس رسالے کی اشاعت سے بالفعل صرف یہ مقصود ہے کہ موجود تحریک کے لیے

تبلیغ و ہدایت کا ایک باقاعدہ سلسلہ قائم ہو جائے۔ پس اصل موضوع رسالے کا یہی ہے۔ البتہ گاہ گاہ علمی و مذہبی مضامین کے لیے بھی گنجایش نکالی جائے گی۔ تفسیر قرآن کے بعض مناسب وقت مباحث اور حصے بھی شائع ہوتے رہیں گے۔

۲۔ احباب کرام کو چاہیے کہ حالت سے زیادہ توقع نہ رکھیں اور سردست ان امیدوں کے ساتھ پیغام کو نہ دیکھیں جو الہلال و البلاغ کے لیے مخصوص تھیں جس وقت تک موجودہ حالت جاری ہے، میں صرف اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ ہر نمبر کے لیے بقدر فرصت کچھ نہ کچھ مواد مہیا کرتا رہوں۔ وقت کے ضروری معاملات و سوالات کی نسبت میری تحریریں بالالتزام اس میں نکلتی رہیں گی۔ لیکن پرچے کی ترتیب اور بقیہ حصے کے مضامین خود ایڈیٹر اور دیگر اہل قلم کے متعلق رہیں گے۔

۳۔ بالفعل رسالے میں مقالات اور مختارات کے علاوہ استفتاء اور استفسارات کے ابواب بھی بالالتزام رہیں گے اور ان کے نیچے تمام ضروری سوالات کے جوابات درج ہوتے رہیں گے جو اس وقت خطوط کے ذریعے صرف مستفسرین تک ہی محدود رہتے ہیں۔

۴۔ ہر تحریر کا ایک خاص موضوع اور مقصد ہوتا ہے اور اس کا اسلوب اور انداز بیان اسی کے مطابق اختیار کیا جاتا ہے۔ اس رسالے کا مقصد صرف تبلیغ ہے، انشاء و ادب نہیں ہے۔ پس جس قدر مضامین نکلیں گے نہایت صاف، سہل اور آسان زبان میں ہوں گے۔ اس کے اوراق سے الہلال کے لٹریچر کی توقع صحیح نہ ہوگی۔

۵۔ پہلا نمبر اس لیے شائع کر دیا جاتا ہے کہ سلسلہ شروع ہو جائے۔ ان شاء اللہ آیندہ نمبروں سے تمام مضامین کی تقسیم و تبویب شروع ہو جائے گی۔"

پیغام کا ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کو مقرر کیا گیا تھا۔ "ذکر آزاد" میں انھوں نے پیغام کے اجرا کی کہانی، راہ کی مشکلات اور مقاصد میں کامیابی کی روداد بیان کی ہے۔ اخبار کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مدرسہ کامیابی سے چل رہا تھا، مگر خلافت اور سوراج کی تحریک کا زور بہت بڑھ چکا تھا، اور مدرسے جیسے ٹھنڈے کام کو میں اپنے مزاج کے مطابق نہیں پاتا تھا۔ آخر مولانا پر زور دینا شروع کیا کہ وقت کی بڑی ضرورت یہ ہے کہ کلکتے سے فوراً ایک اخبار جاری کر دیا جائے، روزانہ نہ سہی، ہفتہ وار سہی۔ مولانا کے ذہن میں اخبار کا تصور "الہلال"، جیسا تھا، لیکن میں اس تصور کی مخالفت کرتا رہا۔ آخر مولانا مان

گئے کہ ہفتہ وار سستا اخبار نکالا جائے، جو عوام کو سادہ بول چال میں مخاطب کرے۔ اخبار کا نام "پیغام" تجویز ہوا اور میں اُس کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ میری رائے تھی کہ اخبار کا نام "پیغام" نہیں جو ثقیل ہے "پیام" رکھا جائے، مگر مولانا اُس وقت تک بھاری بھر کم الفاظ پسند کرتے تھے۔

اخبار کی رائے پکّی ہوگئی، مگر میری پریشانی بڑھ گئی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا، مولانا کا اخبار کیسے ایڈیٹ کر سکوں گا؟ ابھی تک میرا اخباری تجربہ گویا کچھ بھی نہ تھا۔ مضمون نویسی کی مشق تو بہت پرانی تھی۔ مصر میں بھی برابر مضامین لکھا کرتا تھا، جو جنگ کی وجہ سے کہیں چھپتے نہ تھے۔ قسطنطنیہ کے اخبار "جہان اسلام" کو بھی ایڈٹ کر چکا تھا۔ ہندستان میں واپسی کے بعد اخباروں، رسالوں میں مضامین نکلتے رہے تھے۔ لکھنو سے "البیان"، بھی میری ایڈیٹری میں نکل چکا تھا، مگر مولانا کا اخبار کچھ اور ہی چیز تھا، اور میں ڈرتا تھا کہ اِس ذمہ داری کا کہیں اہل ثابت نہ ہوں!

مولانا سے اپنی پریشانی بیان کی، تو عادت کے مطابق دیر تک ہنستے اور بناتے رہے۔ پھر سنجیدہ ہو کر حوصلہ افزائی کی اور فرمایا "آپ کو اہل نہ سمجھتا، تو یہ ذمہ داری سونپتا کیوں!" ایک مشکل یہ بھی تھی کہ ان دنوں مولانا زیادہ تر دورے پر رہتے تھے اور اخبار مجھی کو اکیلے کو چلانا تھا۔ بر وقت ان کی رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔" (ص ۷۸ - ۷۹)

پیغام کی مقبولیت:

آگے چل کر پیغام کی کامیابی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ عنوان ہے "گالیوں سے خوشی"

"پیغام" کی ایڈیٹری کے یہ دن میرے لیے ایسے خوشی کے دن تھے کہ پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئے تھے۔ اخبار اس قدر مقبول تھا کہ آج بھی، جب اخبار بینی عام ہو چکی ہے، لوگوں کو آسانی سے یقین نہیں آئے گا۔ کسی کسی ہفتے تو دس دس ہزار پرچے چھپتے تھے، اور دیکھتے دیکھتے بازار میں عنقا ہو جاتے تھے۔ ایک پرچے کی قیمت، دو آنے تھی۔ لیکن میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہاکر، ایک ایک دو دو روپے میں بیچتے تھے اور گاہک تھے کہ ٹوٹے پڑتے تھے۔ اخبار کی مقبولیت نے مولانا کی نگاہ میں میری وقعت اور بھی بڑھا دی تھی۔

"پیغام"، بہت بڑی لیتھو مشین پر چھپتا تھا مگر مشین میں کوئی ایسی خرابی تھی کہ چلتے چلتے رک

لہ ترکی حکومت نے جاری کیا تھا تاکہ انگریزی مقبوضات خصوصاً ہندستان میں انقلاب برپا کیا جائے (ملیح آبادی)

جاتی تھی۔ لنگی باندھ کر خود مجھے بھی رات رات بھر مشین پر کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ کپڑے چیکٹ ہو جاتے اور حالت ایسی کہ انجان آدمی، مجھے ایڈیٹر خیال ہی نہیں کر سکتا تھا۔ اخبار اسٹیچنگ مشین میں تار سے سی کر تقسیم کیا جاتا تھا، اور یہ کام بھی میں نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ سر سے پاؤں تک میل کچیل میں لت پت، مشین پر کھڑا مستعدی سے کام کرتا رہتا تھا، مگر ہاکروں کو اخبار لینے کی آپا دھاپی ہوتی تھی، اور جب میری مستعدی اُن کی جلد بازی کا ساتھ نہ دے سکتی، تو مغلظ گالیاں دینے لگتے! ضرور مجھے اوّل درجے کا کاہل الوجود اور کام چور سمجھتے ہوں گے!

ایک دن بدرالدین بھی پاس کھڑے تھے۔ ایک ہاکر نے آتے ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ "سالا" کہہ دیا! نہ جانے کتنی دفعہ گالیاں سن چکا تھا، لیکن بدرالدین کے لیے یہ بالکل نئی اور ناقابل برداشت بات تھی۔ ہاکر کو سزا دینے پر تل گئے۔ میں نے خوشامد کی" خفا نہ ہو۔ یہ گالی نہیں ہے۔ تعریف ہے۔ اخبار مقبول ہے اور یہ شخص جلد سے جلد لے جانا چاہتا ہے۔ بیچارے کے خیال میں دیر لگنے کا سبب، میں ہوں اور گالی دینا اپنا حق سمجھتا ہے۔ میں خفا نہیں ہوں۔ خوش ہوں بلکہ اِس گالی پر فخر کرتا ہوں!"

بدرالدین نے مولانا کو خبر پہنچا دی۔ مجھے بلا کر فرمایا "اب معلوم ہوا! آپ پٹھان نہیں ہیں۔ کوئی شیخ زادے ہوں گے لکھنو میں خود آپ کے مکان پر ملیح آبادی پٹھانوں کو دیکھ چکا ہوں۔ شیر تھے شیر! پٹھان اور گالی پی جائے۔ معاذ اللہ!" دیر تک بناتے اور ہنستے رہے۔ پھر دل کھول کر تعریف کی اور اخبار کو سراہتے رہے"! (ص ۱۰۵-۷)

مولانا ملیح آبادی نے اس سلسلے میں اپنی بعض پریشانیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اب مولانا زیادہ تر دورے پر رہتے تھے اور اخبار کا کام چلتا رہتا تھا، مگر جب موجود ہوتے، تو بڑی مشکل سے دوچار ہونا پڑتا۔ لکھنے میں وقت کی پابندی کے مولانا قائل ہی نہ تھے۔ اس قید سے بھی ہمیشہ آزاد رہے کہ لکھیں گے، تو کتنا لکھیں گے۔ فرما دیتے، پرچے میں دو صفحے میرے لیے خالی رکھیے۔ اخبار جمعہ کے دن نکلتا تھا۔ ایک ہی کاتب سے کام لیا جاتا تھا۔ اب منگل کے بعد بدھ ہے۔ پرزوں پر پرزے بھیج رہا ہوں کہ مضمون دیجیے، مگر وہاں نہ سانس نہ ڈکار۔ ذرا لرزش لیجے میں تقاضا کرتا ہوں، تو جواب آتا ہے "مولوی صاحب، بے فکر رہیے۔ بھیج رہا ہوں!" لیجیے، جمعرات بھی آگئی۔ میرے تقاضے جاری ہیں، مگر اُدھر سے وہی ایک جواب "بس بھیج رہا ہوں!" صبح سے دوپہر، دوپہر سے سہ پہر۔ آخر شام ہو گئی۔ اب مولانا کی طرف سے پرزہ آرہا ہے،

پیچش نے ہلکان کر ڈالا ہے۔ کیسے لکھتا! اور یا پھر دو صفحوں کی جگہ چار صفحے کا مضمون ملتا!
اب آدمی کرے تو کیا کرے۔ دونوں صورتیں مشکل۔ فوراً دو صفحے کا مضمون کیوں کر
لکھ دیا جائے، اور خالی دو صفحوں میں چار صفحے کے مضمون کو کیسے کھپا دیا جائے؟
اس مصیبت کو میں جانتا ہوں، یا کاتب صاحب جانتے تھے۔ ہم رات رات بھر جاگتے
اور اس مہم کو کسی نہ کسی طرح سر کرتے، مگر ہماری مصیبت اس سے بھی زیادہ تھی۔
آٹھ بجے رات کو مولانا کی سلپ چلی آرہی ہے کہ اُن کے مضمون میں فلاں پیراگراف بدل
دیا جائے اور اب اس طرح لکھا جائے۔ ایک بالکل نئی عبارت آگئی۔ اس سے مطلب
ہی نہیں کہ یہ عبارت، پہلی عبارت کے برابر ہے، یا کم ہے، یا زیادہ ہے! اور بہت دفعہ
پتھر پر کاٹ چھانٹ کی جاتی تھی، کیونکہ مولانا سب کچھ گوارا کر سکتے تھے، مگر اپنی تحریر کو
قیمہ بنائے بغیر، بلکہ بالکل بدل ڈالے بغیر رہ نہیں سکتے تھے!
لیکن مجھے یہ مصیبتیں بھی راحت معلوم ہوتی تھیں، کیونکہ مولانا جب موجود ہوتے تھے، تو
اپنے مضمون اُنھی کے ہاتھ میں دے دیتا اور وہ اصلاح و ترمیم کر دیتے۔ مولانا کا
از حد احسان مند ہوں۔ اُن کی اصلاحوں سے مجھے اتنا فائدہ پہنچا کہ بیان کرنا چاہوں، تو
بیان نہیں کر سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں کامیاب اخبار نویس محض اس وجہ سے بن سکا
کہ مولانا جیسا کامل اخبار نویس خوش قسمتی سے مل گیا تھا، جو میری اصلاح کیا کرتا تھا۔"

(ص ۸ – ۷ – ۱۰)

پیغام کے منیجر فضل الدین احمد تھے۔ مولانا آزاد کے سلسلے میں ان کا اکثر ذکر آیا ہے۔ مولانا
ملیح آبادی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پیغام نکل رہا تھا، فضل الدین مرحوم، اخبار کے منیجر تھے۔ فضل الدین مولانا کے
بچپن کے ساتھی تھے۔ پنجابی تھے اور اُن کا دل معصوم بچوں کا سا تھا، جاپان میں
انجینیری پاس کی تھی۔ بڑے ہنسوڑ، یار باش آدمی تھے۔ طرح طرح سے منھ بنا کر
لوگوں کو ہنسانا اور قسم قسم کے لطیفے سنا کر دوستوں کو کھلکھلا دینا اُن کے بائیں ہاتھ
کا کام تھا۔ مولانا کا "تذکرہ" اِنھی نے شائع کیا ہے!" (ص ۱۰۹)

اخبارات کی فنی تقسیم اور پیغام:

پچھلے صفحات میں جو کچھ عرض کیا ہے اس سے پیغام کے اجرا کا پس منظر اور ضرورت پر روشنی پڑتی

ہے لیکن اس کی اہمیت کا نقش پوری طرح اجاگر نہیں ہوتا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اہمیت پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔

اخبارات کو عام طور پر دو بڑی قسموں، پارٹی پریس اور نان پارٹی پریس میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس اعتبار سے پیغام کا تعلق اخبار کی پہلی قسم سے ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن کیا پیغام کی قسمت میں اتنا ہی ہے کہ اسے پارٹی پریس کا ایک ممتاز نمایندہ یا اہم تاریخی اخبار کہہ دیا جائے؟

اخبار۔ اصلاح و انقلاب احوال کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہے۔ دنیا میں اخبار کے ذریعے افکار و خیالات اور اعمال میں بڑے بڑے انقلابات پیدا کیے گئے ہیں۔ برصغیر میں صحافت کی تاریخ کا آغاز اگرچہ بعد میں ہوا لیکن اس کی اہمیت کا اندازہ لگا لینے میں دیر نہیں کی گئی۔ اخبار کے ذریعے افکار کی تخم ریزی کی گئی اور اس کے نتائج کو سرزمینِ عمل میں بہت جلد محسوس کر لیا گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے طول و عرض سے مختلف اغراض و مقاصد سے اخبار نکلنے لگے۔

دعوت اور تبلیغ و اصلاح کے لیے اخبارات کے استعمال کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ اردو صحافت۔ اردو میں ہر قسم کی صحافت کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ ان میں تجارتی اخبارات بھی ہیں، دعوت و اصلاح کے ترجمان بھی، ان میں جماعتوں اور تحریکوں کے اخبارات بھی ہیں اور ایسے بھی جن کا تعلق کسی جماعت یا تحریک سے نہ تھا اور ایسے اخبارات بھی تھے جو کسی جماعت کے ترجمان تو واقعی نہ تھے لیکن ان کے مالکان و مدیران کے سامنے زندگی کا ایک نصب العین تھا، مقاصد تھے اور وہ ان کو روبہ عمل لانے کے لیے کوشاں تھے۔ ان اخبارات نے تحریکات پیدا کیں، مقاصد کا شعور بخشا، بعدہ انہوں نے جماعتوں اور تنظیموں کی تشکیل کی طرف رہنمائی کی اگر ان اخبارات کو وضعوار تقسیم کریں تو ان کی تین قسمیں بنتی ہیں:

۱۔ غیر جماعتی اخبارات؛ ایسے اخبارات جن کا تعلق کسی جماعت یا تحریک سے نہ ہو۔ ان کے مالکان نے تجارت کی غرض سے انھیں جاری کیا ہو اور ان کے مدیران نے ایک پیشے کے طور پر ان میں ملازمت کی ہو۔ ملک و قوم کی خدمت و رہنمائی یا کسی اخلاقی، دینی، علمی، ادبی خدمت مقصود اور نصب العین نہ ہو۔

۲۔ جماعتی و تحریکی اخبارات؛ ایسے اخبارات جو کسی خاص جماعت یا تحریک کے مبلغ ہوں۔ ان کے پیش نظر جماعت کے مقاصد کی ترجمانی اور مفادات کا حصول ہو۔

۳۔ دعوتی اخبارات؛ یہ پریس کی وہ قسم ہے کہ کسی جماعت یا تحریک کے مبلغ تو نہیں ہوتے لیکن ان کے مدیروں اور مالکوں کے سامنے زندگی کے اعلیٰ مقاصد اور ایک بلند نصب العین ہوتا ہے، وہ اپنے قارئین کو

اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آگے چل کر ان کی یہی رہنمائی کسی جماعت کی تنظیم اور کسی تحریک کے آغاز کا موجب بن جاتی ہے۔

سب سے پہلے آخری قسم کے اخبار کو لیجیے کہ اس کی بہترین مثال مولانا ابوالکلام آزاد کا الہلال اور البلاغ تھا۔ یہ دونوں اخبار کسی جماعت کے ترجمان نہ تھے لیکن ان کے مدیر کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کے اعلیٰ مقاصد کا ذوق بخشا تھا اور قوم و ملت کی حیاتِ نو کے لیے جس دعوت سے ان کا فکر آشنا ہو گیا تھا ان اخبارات کا ایک ایک لفظ اپنے قارئین کو زندگی کے ان مقاصد سے آشنا اور دعوت کی اہمیت کو ذہن نشین کرتا تھا۔ ذوق و فکر کی اسی تربیت نے جماعت حزب اللہ کی تنظیم و تشکیل اور مدرسہ دارالارشاد کے قیام اور درس و تدریس کے اجرا تک رہنمائی کی۔

جہاں تک جماعتی اور تحریکی اخبارات کا تعلق ہے تو اس کا بہترین نمونہ بھی مولانا آزاد کی نگرانی میں نکلنے والے ہفتہ وار پیغام کلکتہ نے پیش کیا۔ پیغام مرکزی مجلس خلافت کا ترجمان اور تحریک خلافت اور ترک موالات کے پروگرام کا مبلغ تھا۔

تحریک خلافت نے چوں کہ اس وقت قومی و ملی مقاصد کے لیے جان نثاری کی ایک عام فضا پیدا کر دی تھی اس لیے کسی نہ کسی حد تک ہر اخبار تحریک کے مقاصد کو ملک کے سامنے پیش کرتا تھا لیکن یہ چوں کہ پارٹی اخبارات نہ تھے عام فضا کے رنگ میں رنگ ضرور گئے تھے۔ ان کی حیثیت آزاد یا غیر جماعتی اخبارات کی تھی اس لیے وہ کبھی کبھی تو دبھی تحریک کے طریقۂ کار یا نتائج پر تنقید کرتے تھے اور خلاف مقاصدِ تحریک مضامین و مراسلات بھی چھاپ دیتے تھے۔ ان حالات نے ایک قطعی جماعتی اخبار کی ضرورت کا احساس پیدا کر دیا تھا۔ پیغام کا اجرا اسی احساس کا نتیجہ تھا۔ اس کے لیے ایک ایسے ایڈیٹر کی ضرورت تھی جو سیر و گردش کے مقابلے میں قیام و سکون کی زندگی کو پسند کرتا ہو لیکن تحریک کے مقاصد سے اسے کلّی اتفاق ہو۔ تحریک خلافت سے متعلق مولانا محمد علی، مولانا ابوالکلام وغیرہ کئی بہت بڑے ایڈیٹر موجود تھے لیکن تحریک کی رہنمائی کی ضرورتوں سے انھیں کسی ایک جگہ قیام و قرار نہ تھا یہی وجہ ایڈیٹر کی ضرورت پڑی۔ اس کا قرعہ فال مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے نام نکلا اور نگرانی کی ذمہ داری مولانا ابوالکلام پر ڈالی گئی وہ سیر و سفر کے مقابلے میں قیام و سکون کی زندگی پسند کرتے تھے۔ مقام اشاعت کلکتہ قرار پایا کہ مولانا آزاد گزشتہ ۲۴، ۲۵ برس سے وہیں مقیم تھے اور مولانا ملیح آبادی کا قیام بھی ایک سال سے زیادہ عرصے سے وہیں تھا۔ تحریک کا ایک بہت بڑا میدان کلکتہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقے تھے۔

پیغام کی تاریخی اہمیت:

پیغام، ایک ہفت روزہ رسالہ تھا جو ۲۳ ستمبر ۲۱ء کو کلکتہ کے مطلع صحافت پر نمودار ہوا اور تقریباً تین ماہ کی جلوہ پاشیوں کے بعد دسمبر میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

پیغام اگرچہ بند ہوگیا اور شاید اس وقت اس کی بندش پر کسی نے افسوس نہ کیا ہو اور مورخ کی آنکھ سے اس کے غم میں کوئی آنسو نہ ٹپکا ہو لیکن آج اس کے مقصد اجرا اور مضامین پر نظر پڑتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان صحیفہ تھا اور آج وہ قومی تاریخ کے ایک دور اور تحریک خلافت اور ترک موالات کے حوالے سے قومی و ملی تاریخ کا بہت بڑا ماخذ ہے۔ قومی تاریخ میں تین ماہ کی مدت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی لیکن کبھی ایک دن ہی برسوں میں پھیلی ہوئی تاریخ پر بھاری ہوتا ہے۔ پیغام کے تین ماہ تو بہت اہمیت رکھتے ہیں تحریک خلافت اور ترک موالات نے ہماری قومی تاریخ پر بڑے گہرے اور دور رس اثرات ڈالے۔ تحریک خلافت سے قومی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور کی تاریخ سازی میں پیغام کا حصہ ہے۔

پیغام تحریک خلافت اور ترک موالات کے موضوع پر تاریخ کا سب سے بڑا اور اہم ماخذ ہے۔ اس کے صفحات میں خلافت کی پوری تاریخ، تحریک کی کامیابیوں کی پوری تفصیل اور ملک میں ترک موالات کے پروگرام پر عمل اور اس کے نشیب و فراز اور نتائج و ثمرات کی روداد سمٹ آئی ہے۔ پیغام کا ہر نمبر اور نمبر کا ہر صفحہ ملی تاریخ کے ایک خاص دور کے بصائر و عبر کا گنجینہ ہے۔

پیغام کے عنوانات:

اگرچہ پیغام کے مقصد اجرا اور اس کی نوعیت میں الہلال و البلاغ سے زمین و آسمان کا فرق تھا پھر بھی اس کے عنوانات اور ترتیب میں الہلال و البلاغ کی جھلک نظر آتی ہے۔ پیغام کے چند مستقل عنوانات یہ ہیں:

(مقالات، عالم اسلامی، مختارات، شذرات، خبریں (بین الاقوامی اور قومی و ملکی) مواعظ و خطبے رفتار سیاست، افکار و حوادث، پیغامات و اعلانات،

مضامین و مقالات کے ضمن میں سب سے زیادہ مولانا آزاد کی تحریریں شائع ہوئی ہیں یا مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی کے مقالات کا سلسلہ ہے۔

الف : مولانا آزاد کے مضامین و مقالات یہ ہیں:

مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب[1] (۱) فیصلے کا انتظار۔ مقدمہ کراچی (۵) کیا آخری منزل آگئی (۶ و ۷) کراچی رزولیوشن (۷)، رہنمایانِ ملت (اسیران کراچی) کی سزایابی (۷) ان الحکم الا للّٰہ (۲ و ۱۰) آخری منزل کے آثار پھر شروع ہوگئے۔۔۔ (۱۲) جس منزل کا انتظار تھا وہ آگئی (۱۳) باب فتح مقصود کا افتتاح، محمد علی شوکت علی کے سفرِ حق کا اختتام اور گرفتاریوں کی ابتدا (۱) قتلِ مسلم (۵، ۷، ۸، ۹ و ۱۰) یہ مولانا کا بہت اہم مقالہ ہے۔

مولانا آزاد کے یہ تمام مضامین اور مقالات تحریک خلافت اور ترک موالات کے مختلف پہلوؤں پر مستند ترین معلومات فراہم کرتے ہیں اور چوں کہ مولانا کی یہ تحریریں ابھی تک کسی مجموعے میں یک جا اور مرتب نہیں ہوئیں اس لیے ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

ب : مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی کے مقالات :

آزادی کی قدر و قیمت (۷) آزادی کا سفر اور راہ کی مشکلات (۹) آزادی کی تحریک اور حکومت کا طرزِ عمل (۱۰) سول نافرمانی پر قرآن حکیم سے ایک نظر (۱۱) آزادی کے رہنما اور ان کے فرائض (۱۲) آزادی کی ایک نشانی۔ عصاءِ موسیٰ اور ترک موالات (۱۳)

نگرامی مرحوم کے یہ نہایت فکر انگیز اور بصیرت افروز مقالات ہیں اور یہ چھبوں مقالے "آزادی کا سفر" کے عنوان سے اسی زمانے میں (۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء میں) کتابی شکل میں چھپ بھی گئے تھے۔ کتاب میں "خداوند خدا کی جنگ یا زوالِ فرعون" کے عنوان سے ایک ساتواں مضمون بھی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مدرسہ اسلامیہ کلکتہ میں مدرس تھے۔ یہ مدرسہ، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے طلبہ کے ترک موالات کے بعد مسجد ناخدا میں مولانا آزاد نے قائم کیا تھا۔ پیغام نکالنے کا فیصلہ ہوا تو اس کے فعال کارپردازوں میں صاحبِ قلم بھی تھے اور پیغام کے دسویں نمبر کی اشاعت کے بعد جب مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی گرفتار ہوگئے تو بعد کے پرچوں کی اشاعت مولانا نگرامی ہی کے مساعی کی رہین منت ہے۔

مولانا آزاد کے مضامین و مقالات کے علاوہ مولانا کی معروفیات و اسفار کی تفصیلات، مواعظ و خطب اور پیغامات و اعلانات بھی سب سے زیادہ درج ہوئے ہیں۔

مولانا کی معروفیات کے سلسلے میں ملک کے مختلف اطراف کے اسفار اور دوروں کی تفصیلات پیغام کے نمبر ۱، ۲، ۶ اور ۹ میں ملتی ہیں۔

مولانا آزاد کے مواعظ و خطب کے سلسلے میں "ماہ ربیع الاوّل اور تذکار ولادت نبوی" (۸) یہ

---

[1] مقالات کے آگے قوسین میں پیغام کے شمارے کا عدد درج ہے۔

مقالہ البلاغ کے شمارہ ۶، ۷، ۸ سے ماخوذ ہے اور وہاں بھی "مواعظ وخطب" ہی کے زیر عنوان شائع ہوا تھا۔

اس عنوان کی اہم ترین چیز جمعیتہ علماء ہند کے تیسرے سالانہ جلسے کا خطبۂ صدارت ہے جو پیغام کے نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ میں قسط وار شائع ہوا ہے۔

وقت کے اہم مسائل وحوادث کے بارے میں مولانا آزاد نے اپنے پیغامات وبیانات کے ذریعے بھی ملک اور کارکنانِ خلافت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں علی برادران کی گرفتاری (۱) سودیشی کی فتح (۱) مالیبار کی بدامنی (۱) انگورہ کی مالی اعانت (۵) بدیشی کپڑے کا مقاطعہ (۵) پرنس آف ویلز کی آمد پر بائیکاٹ کی اپیل (۷) تاریخ ہند کا یادگار دن۔ ۷ انومبر۔ پرنس آف ویلز کی آمد پر کلکتہ میں ہڑتال کی اپیل (۸) شورش بمبی (۱۱) تمام کارکنانِ خلافت کے نام برقی پیغام (۱۱) ایڈیٹر پیغام کی گرفتاری (۱۱) مولانا آزاد کا آخری پیغام (۱۳)

وقت کے دوسرے اکابر ومشاہیر میں سے جن حضرات کے پیغامات، اپیلیں یا اعلانات پیغام کے صفحات کی زینت بنے ان میں امیر شریعت بہار مولانا سید محمد بدر الدین، مولانا محمد علی، گاندھی جی، اسیران مقدمہ کراچی اور ترک موالات کے سلسلے میں ایک اپیل میں ملک کے پچاس لیڈروں کے دستخط ہیں۔

جماعتی وتحریکی خبروں میں خلافت اور ترک موالات کی خبریں تو پیغام کا خاص موضوع تھیں چوں کہ اس وقت مجلس خلافت کے علاوہ جمعیتہ علماء ہند، کانگریس اور مسلم لیگ کے سامنے بھی سوراج، مسئلہ خلافت اور ترک موالات کے مسائل تھے، مسلم لیگ نے تو جلد ہی اس میدان کو چھوڑ دیا اور اس زمانے میں اس کی کوئی سرگرمی بھی سامنے نہ آئی اس لیے اس کی کسی قسم کی کارگزاری کے تذکرے سے پیغام کے صفحات خالی ہیں لیکن جمعیتہ علماء ہند کا سالانہ اجلاس لاہور اور کانگریس کی مجلس عاملہ کا اجلاس اسی زمانے میں ہوا تھا اس لیے ان اجلاسوں کے فیصلوں اور کارروائیوں کی جو تفصیلات شائع ہوئی ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان کا ذکر جمعیتہ علماء ہند کی مطبوعہ رودادوں اور تاریخ میں بھی نہیں۔ مثلاً امارت یا امامتِ ہند کے مسئلے اور ہندوستان بھر کے لیے امیر شریعت کمیٹی کی تشکیل کے سلسلے میں جو معلومات اس جلسے کی روداد میں ملتی ہیں وہ صرف پیغام (۲۰ ر نومبر ۱۹۲۱ء) کے صفحات میں درج ہیں۔

پیغام مجلس خلافت کا ترجمان اور تحریک خلافت کا مبلغ اور ترک موالات کا داعی تھا۔ چوں کہ تحریک خلافت کا خاص تعلق ترکی کے مسئلے سے تھا اس لیے ترکی کے متعلق خبروں اور ترکی رہنماؤں کے بیانات وغیرہ خاص طور پر اس میں جگہ پاتے تھے۔ لیکن ترکی کے علاوہ بھی عالمی کانفرنسوں کی رودادیں اور فیصلے شائع ہوتے تھے اور مشاہیر عالم کے بیانات ونقار بر واعلانات ترکی اور عالمی مسائل کے بارے۔

میں پیغام ہیں درج کیے جاتے تھے۔ مثلاً ترکی و دیگر ممالک کے مشاہیر میں اتاترک، عزت پاشا، علی فہمی کامل، کاظم قرہ پاشا، شاہ قسطنطین، سفیر آذربائیجان، جنرل گورنیوف، جنرل گادرواڈا اور بہت سے اکابر و مدبرین وقت کے بیانات پیغام ہیں درج ہیں

مختارات: پیغام کا ایک معروف صفحہ مختارات کے عنوان سے تھا۔ اس کے تحت قومی اور بین الاقوامی مسائل میں ملکی اخبارات سے اکابر عالم کے افکار، خطبات، مختلف اقوام و ممالک کی ترقیات و ایجادات اور دیگر اہم سیاسی و غیر سیاسی خبریں شائع ہوتی تھی۔ الہلال کی طرح پیغام کا یہ نہایت مفید اور معلوماتی صفحہ تھا۔

جیل کے حالات کے سلسلے میں منشی عبدالسمیع خاں ملیح آبادی (۶) اور عبداللہ مصری (۹) کے خطوط نہایت اہم ہیں۔ منشی صاحب اسی زمانے میں خلافت کا ایک جلوس نکالنے کے جرم میں گرفتار ہو کر جیل سے رہا ہوئے تھے اور مصری صاحب اس وقت بھی جیل میں تھے

ایک اہم مضمون مولانا سید رشید رضا مصری کا "مسئلہ عرب و شام" کے عنوان سے پیغام کے کئی نمبروں (۱، ۲ و ۵) میں شائع ہوا ہے۔

پیغام کے چند مضمون نگار:

جن حضرات کے رشحات فکر و نگارشات مضمون، مقالے، پیغام یا کسی اور شکل میں پیغام میں شائع ہوئے ہیں ان کے نام گذشتہ صفحات میں آچکے ہیں۔ البتہ چند غیر معروف شخصیات ایسی ہیں جن کی طرف اشارہ کر دینا چاہیے۔

۱۔ فضل الدین احمد الہلال اور البلاغ میں مولانا آزاد کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ پیغام کے مینجر تھے۔ مولانا آزاد کے "تذکرہ" کے مرتب تھے اور انہی نے اسے شائع کیا تھا۔ تذکرہ پر ان کے قلم سے مقدمہ ہے اور ایک خاص بحث کی بنا پر اسے کافی شہرت ملی۔ ان کا ایک مضمون جو آئرلینڈ کے ایک سیاسی لیڈر چارلس اسٹوارٹ پارنل کے سوانح کے بعض اقتباسات پر مشتمل ہے۔ الہلال کے ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ اس کا عنوان تھا "تاریخ استقلال آئرلینڈ کی ایک عشق آمیز داستان" ۔ پیغام کے ۱۱ نومبر ۲۱ء کے شمارے (۸) میں اسے نقل کیا گیا ہے اور اس کا تکملہ "چارلس اسٹوارٹ پارنل۔ ایک پولیٹیکل لیڈر اپنے عشق و محبت کی زندگی میں" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ "تذکرہ" کے مقدمہ کے بعد میرے علم کی حد تک یہ مرحوم کی دوسری تحریر ہے۔ ان تحریروں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم میں تصنیف و تالیف اور ترجمہ کی بہترین صلاحیتیں تھیں۔

۲۔ دوسری شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد کے برادرِ نسبتی بدرالدین احمد کی ہے۔ مولانا ملیح آبادی نے "ذکر آزاد" میں ان کا متعدد مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ان کی کوئی تحریر کہیں نظر سے نہیں گزری تھی پیغام میں ان کے قلم سے دو تحریریں ہیں۔

سوویٹ روس کا غصہ: لیگ اقوام ایک منحوس سڑی ہوئی لاش ہے! (نمبر۹)

چند حقائق و نتائج: برطانیہ کا طرز عمل ہندوستان کے ساتھ۔ سوراج یا موت (نمبر۱۰) دونوں تحریروں کے مطالعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ترجمہ و تالیف کا کام ہے اور اس میں ان کے سلیقے کا پتا چلتا ہے۔

۳۔ منشی عبدالسمیع ملیح آبادی۔ یہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے بڑے بھائی تھے۔ خلافت کا ایک جلوس نکالنے کے جرم میں گرفتار ہوئے تھے، رہائی کے بعد ایک خط میں انھوں نے جیل کے بعض حالات سے پردہ اٹھایا تھا۔ منشی عبدالسمیع چوں کہ ایک عملی آدمی تھے۔ اس لیے ان کا یہ خط ان کی نادر و یادگار تحریر ہے۔

۴۔ چوتھی شخصیت مولوی عبداللہ مصری کی ہے۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے دوستوں میں سے تھے "ذکر آزاد" میں ان کا ذکر آیا ہے۔ آزاد ہند کے ملیح آبادی نمبر میں بھی کئی مقام پر ان کا ذکر آیا ہے۔ مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام کسی اخبار کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی استعمال کیا گیا تھا لیکن یہ بھی لکھنے پڑھنے والے آدمی نہ تھے۔ ترک موالات کے سلسلے میں گرفتار ہو گئے تھے۔ "برہما جیل" سے ان کا خط ایک تاریخی یادگار ہے۔

چند دیگر ضروری معلومات:

پیغام کا پہلا نمبر شائع ہوا تو اخبار کے نام کے نیچے "زیر نگرانی مولانا ابوالکلام" چھپا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے شمارے سے اس جملے کو حذف کر کے اس کی جگہ پر یہ عبارت درج کی جانے لگی:

"اس میں مولانا ابوالکلام کی تحریرات بالالتزام شائع ہوتی رہیں گی"

چھٹے نمبر میں مزید تبدیلی کر دی گئی اور جملہ اس طرح ہو گیا:

"جس میں بالالتزام مولانا ابوالکلام کی تحریرات شائع ہوتی رہیں گی"

ساتویں نمبر میں

"مولانا" سے پہلے "حضرۃ" کے لفظ کا اضافہ کیا گیا اور "ہوتی رہیں گی" کی جگہ "ہوتی ہیں" بنا دیا گیا۔

اس کے بعد سے اس کے آخری نمبر (۱۳) تک یہ عبارت درج ہوتی رہی البتہ "حضرۃ" کا املا "حضرت" کر دیا گیا ہے۔

پیغام کا ہر شمارہ سولہ صفحے پر مشتمل ہوتا تھا۔ شمارہ (۲، ۳ اور ۴) مشترکہ شمارہ تھا اس لیے اس میں آٹھ صفحے زیادہ ہیں۔ اسی طرح شمارہ (۱۰) میں آٹھ صفحے کا ایک ضمیمہ شامل ہے۔ شماروں کی گنتی کے لحاظ سے پیغام کے تیرہ شمارے نکلے لیکن اشاعتوں کے اعتبار سے ۱۱ پرچے شائع ہوئے۔ جن کے صفحات کی تعداد ۱۹۲ ہے۔ پیغام کی سالانہ قیمت چھ روپے مع محصول، ششماہی تین روپے آٹھ آنے اور عام پرچے کی قیمت دو آنے تھی۔ مشترکہ شمارہ (۲، ۳ و ۴) اور شمارہ (۱۰) میں آٹھ آٹھ صفحے زیادہ تھے۔ اس لیے ان دونوں اشاعتوں کی قیمت ڈھائی آنے تھی۔ ممالک غیر سے اس کی سالانہ قیمت نو روپے مقرر تھی۔

پیغام البلاغ پرنٹنگ ہاؤس میں چھپتا تھا اور ۴۵ رپن لین۔ کلکتہ سے شائع ہوتا تھا

پیغام کا اسلوب تحریر:

پیغام کے اسلوب کے بارے میں مولانا آزاد نے اس کے پہلے نمبر ہی میں بتا دیا تھا:

"ہر تحریر کا ایک موضوع اور مقصد ہوتا ہے اور اس کا اسلوب اور انداز بیان اسی کے مطابق اختیار کیا جاتا ہے۔ اس رسالے کا مقصد صرف تبلیغ ہے۔ انشا و ادب نہیں ہے۔ پس جس قدر مضامین نکلیں گے نہایت صاف، سہل اور آسان زبان میں ہوں گے۔ اس کے اوراق سے الہلال کے لٹریچر کی توقع صحیح نہ ہوگی" (ص ۴)

پیغام کے مطالعے سے یہ یک نظر اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایڈیٹر کے سامنے یہی اصول رہا ہے اس کے تمام مضامین صاف، سہل اور آسان زبان ہی میں ہیں انور علی دہلوی نے لکھا ہے:

"پیغام میں تحریر کا وہ سادہ و صاف انداز اختیار کیا جو الہلال اور البلاغ کی مشکل پسندی اور ادبیت کی خواص پسندی سے بالکل مختلف تھا۔ وقت کی رفتار پر ماہرانہ نظر نہ ہو تو ایسے فیصلے نہیں کیے جا سکتے اور ایسی تبدیلیاں نہیں لائی جا سکتیں۔ ۱۲ء اور ۲۱ء میں جو زمانی فصل ہے، اس کو بھی نظر میں رکھیے"[1]

انور علی دہلوی نے یہ سچی بات مولانا آزاد کے اسلوب کے بارے میں کہی ہے لیکن پورے پیغام کے بارے میں بھی یہ بات اتنی ہی سچی ہے۔

---

[1] ادبی صحافت اور مولانا آزاد (مقالہ) مشمولہ "مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے"، مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم، اردو اکادمی، دلی، ۱۹۸۶ء، ص ۴۳۰-۴۲۹

پیغام۔ کلکتہ

(فہرست مندرجات)

۱: جلد (۱) شمارہ (۱) جمعہ ۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۱ء

۲: جلد (۱) شمارہ (۲، ۳، ۴) جمعہ ۔ ۳۰ ستمبر و ۷ و ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۱ء

۳ :جلد (۱) شمارہ (۵) جمعہ - ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

۴ :جلد (۱) شمارہ (۶) جمعہ - ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

۵: جلد (۱) شمارہ (۷) جمعہ ۴ نومبر ۱۹۲۱ء

۶: جلد (۱) شمارہ (۸) جمعہ ۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۲۱ء

۷: جلد (۱) شمارہ (۹) جمعہ۔ ۱۸ ر نومبر ۱۹۲۱ء

۸: جلد (۱) شمارہ (۱۰) جمعہ ۲۵ ر نومبر ۱۹۲۱ء

ضمیمۂ پیغام:

بمبئی کے ہنگامے ص ۲۳

خلافت فنڈ کے متعلق ایک اطلاع۔ اسکیشہر کا سقوط اور تخلیۂ بروصہ کی تیاریاں۔

بالشویک افواج کا دوبارہ اجتماع۔ حامیلانِ وینزیلاس کا فوج سے اخراج۔

ایتھنز میں زخمیوں کے مظاہرے۔ موسم سرما میں زبردست حملہ ۲۴

۹: جلد (۱) شمارہ (۱۱) جمعہ۔ ۲ر دسمبر ۱۹۲۱ء

۱ امتحان و ابتلا کا آغاز اور وعدۂ الٰہی! (آیۂ قرآنی "ولنبلونکم بشیء..." ۔ مع ترجمہ)

۲ شورش بمبئی (بیان) مولانا ابوالکلام آزاد

۴ شذرات: انارکی کا نتیجہ

۵ پرنس آف ویلز۔ پردیسیوں کو نکالو

۶ زہریلی گیس

// تمام کارکنانِ خلافت کے نام (برقی پیغام) مولانا ابوالکلام آزاد

// اتحادِ اسلامی کا قیام: آذربائیجان اور اناطولیہ۔ سفیر آذربائیجان کی تقریر۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا جواب۔

سوویٹ نظامِ حکومت: آذربائیجان کی سیاسی حالت۔ اجتماعی حالت۔ مالی حالت۔ تعلیمی حالت۔

۷

۸ خطبۂ صدارت (۲) مولانا ابوالکلام آزاد

۱۳ (مقالات): سول نافرمانی پر۔ قرآنِ حکیم سے ایک نظر مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی

۱۴ حکومت انگورہ کی شاندار سیاسی فتح: فارس کانفرنس کا عظیم الشان نتیجہ

۱۵ ایڈیٹر پیغام کی گرفتاری مولانا ابوالکلام آزاد

۱۶ (خبریں): اناطولیہ میں فرانسیسی قیدی

// ٹرکی اور البانیہ

۱۰: جلد (۱) شمارہ (۱۲) جمعہ۔ ۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء

بنگال میں سول ڈس اوبیڈینس کا شاندار آغاز

۱۱: جلد (۱) شمارہ (۱۳) جمعہ۔ ۱۶ ردسمبر ۱۹۲۱ء (آخری شمارہ پیغام)

مجلہ الجامعہ کلکتہ

۱۹۱۶ء میں شریف مکہ حسین بن علی نے انگریزوں کی شہ اور ایما سے ترکی خلافت سے بغاوت کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے بعد عرب و حجاز کے حالات نے نہایت پیچیدہ صورت اختیار کر لی تھی۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی ہمدردیاں ترکی خلافت کے ساتھ تھیں۔ لیکن شریف حسین، کے قبضہ و قیام حکومت کے بعد کچھ لوگوں نے ذہنی طور پر اگرچہ اسے قبول کر لیا تھا لیکن حالات میں جو الجھاؤ پیدا ہو گیا تھا اس سے وہ بھی پریشان تھے۔ دیوبندی اور اہل حدیث مکتبۂ کر کے علما اور مجلس خلافت کے رہنما خاص طور پر فکر مند تھے اور حالات کی اصلاح و درستگی کے لیے کوشاں تھے۔ ان کی بہترین توقعات امیر عبدالعزیز ابن سعود آل فیصل کی تحریک اصلاح و انقلاب سے وابستہ تھیں۔ ان رہنماؤں نے اصلاح و تطہیر حجاز کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے امراء عرب و حجاز سے براہِ راست رابطہ پیدا کیا، حالات کے جائزہ و مشورہ کے لیے متعدد وفود روانہ کیے اور ہندوستان پاکستان میں تحریک اصلاح و انقلاب کو متعارف کراتے اور اسے مقبول بنانے کے لیے وقت کے اخبارات و رسائل کے صفحات کو مستقل طور پر اس کے لیے وقف کر دیا۔ خصوصاً اہل حدیث اور دیوبندی خیال کے رسائل نے اس باب میں شاندار خدمات انجام دیں۔ ان دونوں جماعتوں کے بیشتر حضرات ملک کی آزادی کی جدوجہد قومی و ملی تحریکات اور اسلامی ممالک کی سیاست میں عام طور پر ہم خیال اور ہم فکر رہے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمات کا پیمانہ یہاں بھی بلند و ارجمند رہا۔ انھیں اپنی علمی و ادبی زندگی کے اوائل ہی میں عربی رسائل و جرائد کے ذریعے مشرق وسطیٰ کے ممالک کی سیاست سے جو دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اسے ان کے سفر (۱۹۰۸-۹ء) اور وہاں کے اہل علم اور اصحاب نظر و تدبر سے ملاقاتوں نے مستحکم کر دیا تھا۔ اور تاریخ و سیاست اور تحریکات وطنی و ملی کے مطالعے نے اس کے نقوش کو گہرا اور مزین کر دیا تھا۔ اس کا بہترین اظہار الہلال (۱۹۱۲-۱۴ء)، البلاغ (۱۹۱۵-۱۶ء)، پیغام (۱۹۲۱ء) الجامعہ (۱۹۲۳-۲۴ء) اور الہلال (۱۹۲۷ء) میں ہوا۔ اس سلسلے میں دو اخباروں کا ذکر اور کر دینا چاہیے جن

سے مولانا کا خاص تعلق تھا اور جو مولانا کے ذوقِ علم اور تفکر و تدبر کے آئینہ دار تھے اور مولانا کا ان سے بھی نگرانی و سرپرستی کا تعلق تھا۔ ۱۔ روزانہ اقدام کلکتہ زیر ادارت مولوی محی الدین قصوری (۱۹۱۶ء) ۲۔ روزانہ پیام، کلکتہ زیر ادارت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (۱۹۲۵ء) آخری سہ ماہی[1]۔ ان اخبارات و رسائل کے بعد بھی وہ خلافت۔ ہمی اور زمیندار اور انقلاب لاہور کے ذریعے اسلامی ممالک کی خدمت انجام دیتے رہے۔ یہ ایک الگ اور بہت اہم موضوع اور مولانا آزاد کی خدمات کا عظیم الشان میدان ہے جس کی طرف اہلِ علم اور اصحابِ قلم کو توجہ دینی چاہیے۔

یہاں ہم مولانا آزاد کی ان خدمات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو انھوں نے "الجامعہ" کے ذریعے تحریک تطہیرِ حجاز کے سلسلے میں امیر عبدالعزیز ابن سعود کی سعی و اقدام کے بعد انجام دی تھیں۔

الجامعہ کے اجرا کا منصوبہ کہاں اور کن حالات میں بنا تھا اور اس کے کیا مقاصد قرار پائے تھے؟ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (ایڈیٹر الجامعہ) نے "ذکرِ آزاد" میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مولانا آزاد اور ملیح آبادی علی پور جیل (کلکتہ) میں قید تھے (۱۹۲۲ء) مولانا ملیح آبادی فرماتے ہیں:

> "یہ وہ زمانہ تھا کہ شریف حسین کے ذریعے حجاز اور حرمین شریفین پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ شریف کی بغاوت کا شباب تھا کہ میں مصر سے حج کرنے گیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انگریز فوجی افسر اپنی وردیوں پر عربی جبّے پہنے مکہ میں بلکہ خود حرم میں آزادی سے پھر رہے ہیں۔ ترکوں کی مکمل شکست کے بعد حجاز انگریزوں کا ہو چکا تھا۔ اگرچہ دکھانے کو بادشاہ شریف حسین بن علی تھا۔
>
> جیل میں مولانا اس صورت حال سے بہت پریشان تھے اور حجاز کی آزادی کے لیے بے قرار۔ بہت سوچ بچار کے بعد یہ اسکیم طے پائی کہ ہندوستان سے ایک عربی رسالہ نکالا جائے۔ وہ اسلامی دنیا کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرے اور تدارک کی راہ دکھائے۔
>
> پہلی جنگ عظیم کے بعد مسلم ممالک از حد مرعوب تھے۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ ہر ایک کو صرف اپنی پڑی تھی اور دوسرے ملکوں سے حتیٰ کہ مرکزِ اسلام حجاز سے بھی اسلامی دنیا بے پروا ہو چکی تھی۔ عرب ممالک یا تو برطانیہ اور فرانس کے قبضے میں آ چکے تھے یا ان کے اثر میں تھے۔ لیکن عام رائے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ ضرورت تھی کہ اسلامی ممالک

---

[1] آخر الذکر دونوں اخباروں کے بارے میں ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کسی کی نظر سے گزرے بھی ہیں۔

میں عام رائے پر اثر ڈالا جائے۔ انگریزوں اور شریف حسین کے خلاف اسے ابھارا جائے۔ یقین تھا کہ عام رائے ہموار ہوگئی تو انگریزوں کے چنگل سے حجاز کو نجات مل جائے گی۔

عرب میں صرف ایک ہی طاقت ایسی تھی، جو شریف مکہ سے ٹکر لے سکتی تھی۔ یہ طاقت نجد کے سلطان ابن سعود کی تھی ابن سعود بھی انگریزوں کے اثر میں تھا اور بظاہر شریف حسین کے پاسنگ برابر بھی نہ تھا، مگر میں عرب ملکوں کے حالات سے اور ابن سعود کی سیاست و قوت سے بہ خوبی واقف تھا۔ اس لیے مجھے پوری امید تھی کہ عرب ممالک کی عام رائے جب شریف کے خلاف ہو جائے گی اور ہندستان کے مسلمانوں کے نام سے مناسب موقع پر ابھارا جائے گا تو وہ شریف کا خاتمہ کر ڈالے گا اور شریف کے خاتمے کے ساتھ حجاز بھی انگریزی اقتدار سے آزاد ہو جائے گا۔

چنانچہ طے پایا کہ الجامعہ کے نام سے عربی رسالہ کلکتے سے جاری کیا جائے۔ میں اسے ایڈٹ کروں اور خلافت کمیٹی اس کا خرچ برداشت کرے۔ میرے رہا ہوتے ہی پرچہ جاری ہوگیا" (۲۹۶-۲۹۷)

مقاصدِ مہمۂ الجامعہ:

واضح رہے کہ الجامعہ کے اجرا کا صرف اتنا ہی مقصد نہ تھا، جو مولانا ملیح آبادی کے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ بلاشبہ شریفی رویہ اور حالات کی اصلاح کا جذبہ اس کا بہت بڑا محرک تھا۔ درحقیقت اس کے مقاصد کا دائرہ اس سے بہت زیادہ وسیع تھا اور یہ ایک مستقل ضرورت تھی جس پر اس سے بہت پہلے توجہ دی جانی چاہیے تھی لیکن ایسا نہ ہو سکا اور اب جو حالات پیش آ رہے تھے اُن میں اس ضرورت سے صرف نظر نہ کیا جا سکتا تھا۔ الجامعہ کے پہلے نمبر ہی میں "مقاصدِ مہمۂ الجامعہ" کے عنوان سے عربی اور فارسی میں الجامعہ کے مقاصد ستہ کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ فارسی میں اس کے مقاصد چوں کہ فہم کے لیے رہینِ منت ترجمہ نہیں اس لیے انھیں یہاں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ دعوتِ جامعہ اسلامیہ خاصہ و جامعۂ جمیع امم و اقطار شرقیہ عامہ

۲۔ تعارف و تفاہم و تعاون و تناصر فیما بین جمیع بلاد اسلامیہ و شرقیہ، علی الخصوص درمیان براعظم ہند و بلاد اسلامیہ و عربیہ۔

۳۔ دریں عصر انقلاب و تغیر کہ تمام اقوام و اقطار شرقیہ برائے اصلاحِ حال و تلافی مافات سرگرم

سعی و اقدام اند، ایں ہمہ مساعی متفرقہ را در یک ارتباط و اشتراک منسلک نمودن، تا اعمال ہر ملت و جماعت با اعمال دیگر متحد و مربوط باشند۔

۴۔ یک مقصد خصوصی مجلہ خاصۃ تعارف افکار و تبادل آرا ست در میان جمیع مفکرین و نظار مسئلہ اصلاح و احیاء مسلمین کہ در اقطار مختلفہ و بلاد بعیدہ منتشر اند۔ تا برائے اصلاحِ امت و تجدیدِ قوامِ ملت یک دستور صحیح و مسلک قویم متحقق و منضبط گردد۔

۵۔ نشر و اشاعۃ لغۃ عربیہ در بلاد عجمیہ، خصوصاً در بلاد ہند و افغانستان کہ ہمیں لغۃ جلیلہ برائے تمام عالم اسلامی لغۃ دینی و علمی و بین المللی ست، و حیات علمیہ و اجتماعیۃ مسلمین موقوف و منوط ست براں

۶۔ احیاء علوم اسلامیہ بواسطۂ بحث و تحقیق علوم و مسائل و نشرِ مقالات علمیہ و جمع مباحث و معارف محققین عصر۔" (شمارہ ۱، صفحہ ۲)

ان مقاصد کی تفصیل و تشریح بھی الجامعہ کے اسی شمارے میں مقالہ افتتاحیہ کے صفحے پر "فاتحۃ الجامعۃ" کے عنوان سے کی گئی ہے (ش ۱ ص ۳، ۴)

الجامعہ کس قسم کا رسالہ تھا اور اسے کن حالات سے سابقہ پڑا تھا اور اس کا کن لوگوں سے مقابلہ تھا۔ اس کا اندازہ مولانا ملیح آبادی کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں ؛

"الجامعہ انقلابی پرچہ تھا۔ اس کے مضامین میں آگ بھری ہوئی تھی۔ چند ہی نمبر نکلے تھے کہ اسلامی دنیا میں آگ بھڑک اٹھی اور ہر طرف سے شریف حسین کی طرف لپکی۔ یہ دیکھ کر شریف بوکھلا گیا۔ بڑا مغرور اور مغلوب الغضب آدمی تھا۔ اپنی پوزیشن بھی بھول گیا اور اپنے سرکاری اخبار "القبلہ" میں الجامعہ کو بازاری گالیاں دینے لگا۔ القبلہ معمولی اخبار تھا لیکن اسے لکھنے والے بہر حال پڑھے لکھے لوگ تھے۔ لیکن الجامعہ کے خلاف اس میں جو کچھ چھپتا نہایت رکیک عربی میں ہوتا تھا۔ میں شریف کی دو تین تقریریں مکہ میں سن چکا تھا اس لیے مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ تحریریں خود شریف اپنے قلم سے لکھتا ہے، یا بول کر لکھا دیتا ہے۔ حد یہ ہے کہ شریف حسین مولانا ابو الکلام کو ابو الکلاب لکھا کرتا تھا" (ذکر آزاد، ص ۲۹۹)

الجامعہ کی اشاعت کے دوران میں مولانا ملیح آبادی کو کن حالات سے گزرنا پڑا اور راہ میں کیا مشکلات پیش آئیں؟ اس سلسلے میں آگے چل کر مولانا ملیح آبادی لکھتے ہیں:

"الجامعہ نکل رہا تھا کہ بمبئی کے کچھ حجازیوں نے گم نام خط لکھے کہ ہمارے بادشاہ کو گالیاں

دیتے رہتے ہو، کلکتہ آ کر ہم تمہیں مار ڈالیں گے! — میں نے یہ خط مولانا کو دکھائے تو انہوں نے چہرہ ایسا بنا لیا، جیسے نہایت خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ چہرہ بدل لینے میں مولانا کو کمال حاصل تھا۔ پھر دہشت زدہ لہجے میں کہنے لگے "مولوی صاحب! یہ تو بہت بری بات ہوئی۔ حجازی بڑے نڈر اور اجڈ ہوتے ہیں۔ کیوں نہ اعتدال سے لکھیے"

مولانا کے دل کی حالت میں خوب جانتا تھا۔ سمجھ گیا کہ مجھے ٹٹول رہے ہیں۔ نہ سمجھتا تو بھی وہی کہتا، جو ایسے موقع پر کہنا چاہتے تھے۔ عرض کیا، "اس قسم کی دھمکیاں مجھ پر ذرا اثر نہیں کرتیں! یہ سنتے ہی مولانا کا چہرہ اصلی حالت پر آ گیا۔ فرمانے لگے "آپ کو آزما رہا تھا" مولانا کو اس وقت کیا معلوم تھا کہ بعد میں اسی اخبار نویسی کی لمبی زندگی میں قتل کی کتنی دھمکیاں ملیں اور کئی دفعہ قاتلانہ حملوں کا بھی نشانہ بننا پڑا۔ مگر بحمد اللہ اصول پر استقامت میں فرق نہ آیا"

(ایضاً، ص ۳۰۳-۳۰۴)

الجامعہ کی کامیابی:

الجامعہ کی کامیابی اور اس کی بندش کے بارے میں مولانا ملیح آبادی لکھتے ہیں:

"تحریک صحیح تھی اور بروقت۔ جلد ہی کامیاب ہو گئی۔ خلیج فارس سے مراکش تک پوری اسلامی دنیا میں شریف مکہ کے خلاف اہل بچ گئی۔ مگر ابن سعود انگریزوں کے خوف سے پس و پیش کر رہا تھا۔ الجامعہ نے مسلمانان ہند کے نام سے اسے ابھارا اور اس وقت کی بین الاقوامی سیاست میں واضح کر کے بتایا کہ انگریز شریف حسین کی مدد نہیں کر سکتے۔ آخر ابن سعود نے حرکت کی اور حجاز سے شریف حسین اور اس کے خاندان کو مار بھگایا۔

حرمین کی آزادی کے بعد الجامعہ کی ضرورت باقی نہ رہی اور اسے بند کر دیا گیا"

(ایضاً، ص ۳۰۴)

مولانا ملیح آبادی کی تربیت اور الجامعہ کی رہنمائی:

الجامعہ مولانا آزاد کی نگرانی میں شائع ہوا تو مولانا دورے پر تھے۔ مولانا ملیح آبادی ڈر رہے تھے کہ مولانا کو پرچہ شاید پسند نہ آئے۔ مولانا لاہور میں تھے کہ پرچہ ان کی نظر سے گزرا اور پسند بھی آیا لاہور سے وہ ملتان گئے وہیں سے یہ خط تحریر کیا،

ملتان

اخ العزیز! السلام علیکم

لکھنؤ میں دستی خط ملا تھا۔ وہاں سے آگرہ آ گیا، آگرہ کا قصد تھا نہ ضرورت۔ لیکن ایسی صورت پیش آ گئی کہ گئے بغیر چارہ نہ تھا وہاں سے لاہور آیا اور لاہور میں الجامعہ دیکھا۔ مجھے رسالے کی ترتیب اور مجموعی ہئیت کی طرف سے تشویش تھی۔ لیکن بحمد اللہ کہ وہ بلا وجہ ثابت ہوئی۔ نہایت خوش اسلوبی سے یہ کام آپ نے انجام دے دیا، البتہ طباعت کی غلطیاں اور حروف کا اقتباس جا بجا ہے خصوصاً "ڈ" اور "ذ" کا التباس اور مرکب الفاظ کے تقدیم و تاخیر آئندہ زیادہ غور کے ساتھ پروف دیکھیے گا تو غلطیاں کم رہیں گی۔

اب بڑی دقت دوسرے نمبر کی ہے۔ یہ میرا سفر گو آخری ہے لیکن قصد اور توقع سے زیادہ طویل ہو گیا۔ خیال تھا کہ تو دس تک واپس پہنچ جاؤں گا لیکن اب بہ مشکل ۱۵، ۱۶ تک واپس ہو سکتا ہوں۔

نہیں معلوم ملتان سے کب رہائی ہو اور اس کے بعد لاہور میں پنجاب کا جھگڑا لگ چکے۔ بڑی دقت یہ پیش آ گئی ہے کہ مجھ سے پہلے پنڈت نہرو اور مسٹر داس[1] پہنچ چکے تھے وہ ایک ترتیب عمل شروع کر چکے ہیں، میں اس ترتیب کو اب بدل نہیں سکتا۔ اور وہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ فیصلے سے دور کر دینے والی۔ بہر حال ارادے سے زیادہ قیام کرنا پڑے گا۔ لکھنؤ، آگرہ اور لاہور میں بے انتہا کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح لکھنے کا موقع ملے لیکن بالکل نہیں ملا، حتیٰ کہ آگرہ کے متعلق ایک مختصر بیان پریس میں دینے کی بھی مہلت نہ نکل سکی۔ لوگ کسی ترتیب و تنظیم کے عادی نہیں ہیں۔ رات کو ایک دو بجے سونے کی مہلت ملتی ہے۔ اور صبح سے پھر جلسے اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ نیند کے اوقات کے مختل ہو جانے کی وجہ سے دماغ کام نہیں دیتا۔

بہر حال کوشش کر رہا ہوں کہ چند ضروری چیزیں لکھ کر بھیج دوں۔ آپ بد دل اور پریشان نہ ہوں۔ اگر مضمون نہ بھیج سکا تو مجبوراً دوسرے نمبر کی تاخیر گوارا کر لیجیے گا۔ اس کے سوا چارہ نہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں اگر آئندہ نمبر پہلی مئی کو ڈبل نکلے۔ اس کے بعد پھر ایسی صورت پیش نہ آئے گی۔ جوں ہی یہ سفر ختم ہوا، میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہوں گا۔"

مولانا ملیح آبادی فرماتے ہیں:

---

[1] یہاں اشارہ پنڈت موتی لال نہرو کی طرف ہے۔ دوسرے مسٹر سی آر داس ہیں۔

"مولانا کے اس خط سے مجھے واقعی خوشی ہوئی تھی۔ مولانا کا ذوق ایسا تھا کہ کسی چیز کو ان کا اچھا کہہ دینا۔ اس کے اچھے ہونے کا ثبوت تھا۔ اخبار نویسی کے تو وہ امام ہی تھی۔ کمپوزنگ اور طباعت کی غلطیوں کا انھوں نے جو تذکرہ کیا ہے، بجا ہے۔ لیکن اردو طباعت میں یہ غلطیاں موروثی اور فطری بن چکی ہیں۔ ان سے بچاؤ تقریباً محال ہے۔"

(ذکر آزاد، ص ۹۹-۲۹۵)

مولانا ابھی سفر ہی میں تھے کہ الجامعہ کا دوسرا پرچہ بھی شائع ہو گیا۔ پرچہ ان کی نظر سے گزرا تو انھوں نے محسوس کیا کہ اس میں بعض باتیں مصالح کے خلاف ہیں اور بعض ایسی باتیں بھی ہیں جن سے تحریک خلافت کی طے شدہ پالیسی اور اس کے مقاصد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ مولانا آزاد واقعتہً بھی انھیں درست نہ سمجھتے تھے۔ چناں چہ مولانا نے ایک مفصّل خط ملیح آبادی کو لکھا۔ اس خط سے چوں کہ سیاسی معاملات میں مولانا کی اعتدال پسندی، سلامتی طبع اور حزم و احتیاط پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس خط کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ مولانا کا خط یہ ہے:

لاہور۔ ۱۹ر اپریل ۲۳ء۱۹

اخ العزیز! السلام علیکم

اسی وقت آپ کا خط ملا۔ اسی وقت جواب لکھ رہا ہوں۔ آپ نے دوسرا نمبر نکالنے کے لیے جو اہتمام کیا، اس نے آپ کی مستعدی کا نقش میرے دل پر ثبت کر دیا، لیکن ساتھ ہی اس بات پر سخت حیرت ہوئی کہ سید رشید رضا کا مضمون آپ رسالے میں شائع کر رہے ہیں اور بالکل محسوس نہیں کرتے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

لکھنؤ میں جب آپ کا خط آیا اور آپ نے سید (صاحب) کے مضمون کا حال لکھا، تو میں سمجھا تھا کہ انھوں نے اتحادیوں[1] کے خلاف شکایتیں کی ہوں گی اور نوٹ میں ان کا جواب دے دینا کافی ہو گا۔ اسی لیے لکھا تھا کہ کمپوز کرا لیجیے، کلکتہ آکر دیکھوں گا اور نوٹ کے ساتھ شائع ہو جائے گا۔ لیکن اب اصل مضمون دیکھتا ہوں تو دوسرا ہی عالم نظر آتا ہے۔ نہ صرف متنفر بجیں ترک بلکہ اثنائے جنگ کی عثمانی گورنمنٹ پر سخت الزامات لگائے ہیں، الحاد و تشریع ترکی کا ملزم ٹھہرایا ہے، حاکمیۃ ملیۃ کو (جو اس وقت انگورہ کی طاقت و پارٹی ہے) ہادم

---

[1] ترکوں کی انجمن اتحاد و ترقی کے رکن انور پاشا وغیرہ (ملیح آبادی)

خلافت بیان کیا ہے۔ جمال پاشا کے فرضی مظالم کا اعادہ ہے، تورۂ حجاز کے لیے طبیس ہونے کا ادعا ہے اور بہ حیثیت مجموعی اتنی نا تمام حق گوئی بھی نہیں ہے، جتنی "حقائق جلیّہ" وغیرہ مقالاتِ المنار میں تھی۔ تعجب ہے کہ الجامعہ کے دوسرے نمبر میں آپ یہ مضمون شائع کر رہے اور اس نوٹ کو کافی سمجھتے ہیں جو ابتدا میں درج کیا گیا ہے۔ نوٹ میں آپ ان واقعات اور ان کے طریقِ استدلال کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ صرف یہ کہتے ہیں کہ ترک اور عرب دونوں نے ایسا کیا ہے۔ اور ان کا مقصود تمام ترکوں کا عام الحاد نہیں ہے بلکہ بعض کا۔ ہر شخص اس سے یہ نتیجہ نکالے گا کہ الجامعہ ان کے تمام افکار سے متفق اور تمام بیان کردہ واقعات کا معتقد ہے، صرف عام و بعض کی توجیہہ ضروری سمجھتا ہے۔ نیز ترکوں کی طرح عرب بھی اس کے نزدیک جنسیت کے ملزم ہیں۔

علاوہ بریں آپ نے لکھا ہے کہ۔۔۔۔ جدید مدنیتِ ملعونہ سے جنسیت پیدا ہوئی۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

غور کیجیے! اگر اس مضمون کا ترجمہ ہندوستان میں اخبارات شائع کر دیں تو مسئلہ خلافت کی تحریک پر کیا اثر پڑے گا۔ جدید انقلاب خلافت کے بعد سے تمام یورپین اخبارات بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ ینگ ٹرک ملحد ہیں۔ اسلام سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ اسی کی ایک شہادت آپ نے بھی دے دی۔ ایسی شہادت جس میں یہاں تک لکھا ہے کہ "اباحوا المہتک وکذا فجور النساء المسلمات" عام مسلمانوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ ہندوستان کے علما تو پہلے سے نوجوان ترکوں کے خلاف مستعد ہو رہے ہیں۔

خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجیے اور یہ مضمون شائع نہ کیجیے۔ دوسرا نمبر شائع نہ ہو، مضائقہ نہیں لیکن ایک نیا فتنہ نہیں پیدا کرنا چاہیے اور نہ اباطیل و اکاذیب کی اشاعت میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ کچھ فرض نہیں کہ ان کا یہی مضمون ضرور شائع ہو۔ اگر وہ پسند کریں گے کوئی اور تحریر بھیج دیں گے، نہیں بھیجیں گے تو ان کی مرضی۔

بہرحال اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ ابتدا کا ایک فارم بدل دیا جائے اور اس میں کوئی اور مضمون دے دیا جائے۔ اگر اور کوئی مضمون نہ ہو تو پھر ایک نمبر "حکم حمل سلاح علی المسلم" کا دے دیجیے۔ اس مرتبہ میں کلکتہ پہنچ جاؤں اور مطمئن ہو کر بیٹھ رہوں، پھر ان مشکلات کا خاتمہ ہو جائے گا۔

گاندھی جی کی تصویر پر جو الفاظ مدح و توصیف کے لکھے ہیں، مثلاً "القدوۃ فی حیاتہ، طاہر الذیل، نقی القلب" یہ بھی سخت اعتراضات کا موجب ہوں گے۔ خدارا ان چیزوں میں احتیاط و حزم سے کام لیجیے۔ صرف "قائد حرکۂ ہندیۂ سلمیہ" اور نام کافی ہے۔ امید ہے کہ نئے فارم میں اس کا لحاظ رہے گا۔

میں جانتا ہوں کہ یہ تاخیر آپ پر بہت شاق گزرے گی لیکن کیا کروں، اس معاملے میں مجبور ہوں۔ سید رشید رضا کا مضمون کسی حال میں بھی قابل اشاعت نہیں ہے۔ یا تو لوح پر سے میرا نام الگ کر دیجیے یا یہ مضمون شائع نہ کیجیے۔

اگر فارم بدل کر رسالہ شائع نہ کر سکیں تو میرا انتظار کریں، اس کے سوا چارہ نہیں کہ ڈبل نمبر نکالا جائے۔ فارسی مضمون کے لیے پریشان نہ ہوں اور نہ "اسرار خوری" وغیرہ چھاپ کر رسالے کو مضحکہ خیز بنائیں۔ سب باتیں اپنے وقت پر ہو جائیں گی۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ رسالے کی ضخامت دو جزو رکھی جائے۔ کم کر دی جا سکتی ہے۔

میں اس سفر میں بے طرح پھنسا، بے کار وقت گیا، امید ہے کہ پرسوں یعنی سنیچر کو روانہ ہو سکوں۔" (ایضاً، ص ۳۰۰-۳۰۲)

میرا خیال ہے کہ مولانا ملیح آبادی نے ان باتوں پر غور کیا ہوگا اور مولانا کی رائے سے متفق ہو گئے ہوں گے۔ اس لیے کہ اس کے بعد ان کا عمل ٹھیک ٹھیک مولانا کے مشورے کے مطابق نظر آتا ہے:

۱۔ علامہ رشید رضا کے مقالے کی دوسری قسط انھوں نے شائع نہیں کی اور مولانا آزاد نے تحریک خلافت کے جن مصالح اور مقاصد کی طرف توجہ دلائی تھی اور علامہ مرحوم کے مقالے سے جنھیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا، اس سلسلے میں "المراسلۃ المناظرۃ" کے صفحے پر شیخ عبدالغنی (حیدر آباد) عمر رضا (ترکی) اور بیومی البحیری (الازہر۔ مصر) کے مراسلات شائع کیے ہیں، جن میں علامہ موصوف کے افکار پر نقد کیا گیا ہے۔

۲۔ اور جیسا کہ مولانا نے مشورہ دیا تھا کہ اگر کوئی مضمون نہ ہو تو پھر ایک نمبر "حکم حمل سلاح علی المسلم" کا دے دیجیے۔ مولانا ملیح آبادی نے اسی کے مطابق عمل کیا ہے۔

۳۔ الجامعہ کے انیسویں شمارے میں جب گاندھی جی کی تصویر دوبارہ شائع کی تو اس کے کیپشن میں، اور ان کا مفصل خط جو مولانا محمد علی کے نام ہے اور اس پر اتنی ہی مفصل تمہید کی عبارت جو ادارے کی جانب سے ہے، اس کے عنوان کی عبارت میں اسی حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا ہے جس کی مولانا نے ہدایت فرمائی

تھی۔ تصویر پر گاندھی جی کے نام کے ساتھ یہ الفاظ ہیں:

زعیم الهند المحبوب وقائد الاکبر علی حریتہ

اور خط کے متن کو اس عنوان سے زینت دی گئی ہے:

زعیم الهند الاکبر ومحب الانسانیتہ مہاتما غاندی علی حریتہ

ایک تاریخی وسیاسی علمی مجلہ:

الجامعہ ایک تاریخی وسیاسی مجلہ تھا اور آج اس کی ایک مسلمہ علمی حیثیت بھی ہے۔ وہ ۲۳، ۲۴ء میں برصغیر اور بیرون ملک سیاسی تاریخ اور افکار و تحریکات قومی وملی کا اہم ترین ماخذ ہے۔ خصوصاً تحریک خلافت اور ترک موالات کے دور آخر کے حالات اور ترکی میں قسطنطنیہ اور انقرہ کی کشمکش یا ادارۂ خلافت اور انجمن اتحاد و ترقی کے قائدین کے افکار کا مستند ترین ماخذ ہے۔ اسی طرح اندرونِ ملک سیاسی جدوجہد کے حالات اور سیاسی و تاریخی معلومات سے اس کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ الجامعہ نے اپنے مقاصد کے دائرے میں بہترین قومی وملی خدمات انجام دی ہیں۔ ان خدمات کا سلسلہ سیاست، اصلاح و قیام ملت اور احیائے اسلام کے کاموں سے لے کر ادب و تاریخ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی اہمیت اور خدمات کا اندازہ اس کے مضامین کے انڈکس پر ایک نظر ڈال کر لگا لیا جا سکتا ہے یہاں اس کی خدمات کے تمام پہلوؤں پر تبصرہ اور ان کا تعارف ممکن نہیں۔ البتہ اس کی ایک خصوصیت کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

علامہ اقبال مرحوم کے "ترانہ ملی" نے جو شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے، اس پر گفتگو تحصیل حاصل ہے۔ الجامعہ میں اس کا منظوم عربی ترجمہ چھاپا گیا۔ اس کے شروع میں علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کی شاعری کے خصائص پر ایک جامع نوٹ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے:

> "ترانہ ملی بہترین ملی نغموں میں سے ہے۔ یہ ہندوستان کے عظیم شاعر اور مشہور فلسفی علامہ اقبال کی تخلیق ہے۔ وہ ہندوستان کی ایک بلند پایہ شخصیت ہیں اور بہترین انسانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے یورپ کے جامعات میں علم حاصل کیا ہے اور اعلیٰ علمی اسناد و شہادات حاصل کیے ہیں۔ وہ جدید علوم میں گہری نظر رکھتے ہیں۔ ابنائے وطن کے دلوں میں ان کے لیے بڑی محبت ہے۔ وہ اپنے اقران میں بلند درجے پر فائز ہیں۔ وہ شاعری میں صاحب فکر و فن شخصیت کے مالک اور ایک خاص اسلوب کے خالق ہیں۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعے اسلامی زندگی کے احیا اور دینی خدمت کے قیام کی دعوت دیتے ہیں۔ انگلستان میں ان کے اشعار کا انگریزی ترجمہ کیا گیا ہے، اور وہاں کے اہل علم اور اصحاب نقد و نظر نے اقبال

کی عظمت کا اعتراف کیا ہے" (شمارہ ۲۲ صفحہ ۱۹، ۲۰)

الجامعہ نے آیندہ شماروں میں علامہ مرحوم کے فارسی کلام کی اشاعت کا بھی وعدہ کیا تھا۔ "ترانۂ ملی" کا منظوم عربی ترجمہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں عربی کے استاد مولانا عبدالحق حقی اعظمی بغدادی نے کیا تھا۔ مولانا عبدالحق عربی کے ادیب اور شاعر تھے۔ الجامعہ نے ان کی متعدد منظومات شائع کی ہیں۔

مولانا آزاد نے یہ بات جو لکھی کہ فارسی مضمون کے لیے پریشان نہ ہوں اور نہ اسرار خودی کو چھاپ کر رسالے کو مضحکہ انگیز بنائیں۔ سب باتیں اپنے وقت پر ہو جائیں گی" تو اس کا تعلق دراصل الجامعہ کے خاص مقصد سے "اسرار خودی" کی عدم مناسبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ مولانا آزاد نہیں چاہتے ہوں گے کہ الجامعہ آغاز ہی میں اپنے دائرہ مقاصد سے قدم باہر نکالے۔

چند دیگر معلومات و خصائص:

الجامعہ مرکزی خلافت کمیٹی کا ترجمان تھا۔ وہی اس کے اخراجات برداشت کرتی تھی۔ مولانا عبدالرزاق اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور مولانا ابوالکلام آزاد اس کے نگراں تھے اور مضامین کی ترتیب و تالیف کے سلسلے میں ہدایات اور مشوروں سے رہنمائی فرماتے تھے۔

الجامعہ عربی میں جاری کیا گیا تھا لیکن اس کے پہلے شمارے ہی میں یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ اگرچہ مقالات کا غالب حصہ عربی میں ہوگا کہ "عربی زبان مذہبی الملی عالم اسلامی است" لیکن اس کا ایک حصہ فارسی و نثر کی مقالات کے لیے بھی مخصوص ہوگا۔ نیز اردو میں مضامین کی شمولیت کا عزم ظاہر کیا گیا تھا:

"ان المجلة ترحب بكل لغة من اللغات الشرقية الكبيرة مثل الفارسية والتركية والهندية. وستزيد المقالات في هذه اللغات الثلاثة" (فاتحة الجامعہ، ش ۱ ص ۴)

چنانچہ الجامعہ کے شائع ہوتے ہی ایک طبقے کی طرف سے اصرار ہوا کہ اس میں اردو کے صفحات بھی شامل کیے جائیں۔ اس سلسلے میں الجامعہ کے دوسرے پرچے میں ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق کے قلم سے "گذارش" ہے۔ اس گذارش سے چوں کہ عربی میں اشاعت کی ضرورت اور اہمیت اور اس کے مقصد اجرا پر روشنی پڑتی ہے اور اردو حصے کی شمولیت کے لیے ایک شرط بھی بیان کی گئی ہے۔ اس لیے اس کا مطالعہ دلچسپی اور افادیت سے خالی نہیں۔ گذارش یہ ہے:

"ہر طرف سے خطوط آرہے ہیں کہ "الجامعہ" میں اردو کیوں نہیں رکھی گئی؟ ہم اپنے دوستوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ بہت جلد اردو بھی اس میں شامل ہو جائے گی۔ جیسا کہ پہلے نمبر میں تصریح کی جا چکی ہے۔

الجامعہ سے اصلی مقصود ممالک اسلامیہ وعربیہ تک ہندستان کی آواز پہنچانا ہے۔ غالباً یہاں کی پبلک اس حقیقت سے واقف نہیں کہ اکثر اسلامی ممالک ہندستان کے متعلق قریب قریب اتنا ہی جانتے ہیں جتنا ہم چین یا ترکستان کے متعلق۔ انھیں نہ تو اس براعظم کی گذشتہ تاریخ معلوم ہے نہ موجودہ تحریک کی کچھ زیادہ خبر ہے۔

مدتوں سے ایک عام اتحاد اسلامی کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ ہندستان میں بھی، مصر میں بھی، ترکی میں بھی۔ مگر عمل کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھتا۔ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے۔ باہم کوئی ذریعہ تعارف و تفاہم نہیں جو ہر مشترک عمل کے لیے اوّلین شرط ہے۔ الجامعہ یہی کمی دور کرنے کے لیے جاری ہوا ہے اور اسی لیے قدرتاً اس کی زیادہ قوت عربی پر صرف ہوگی کہ بین الملّی اسلامی زبان ہے۔ پھر فارسی اور اردو۔

اردو کب سے شروع ہوگی؟ اس کا جواب ہم سے نہیں، پبلک سے مانگیے۔ اگر حضرت مولانا (ابوالکلام آزاد) کی تحریرات پڑھنے کا شوق ہے، تو پھر اب انھیں فرصت دینی چاہیے اور وہ تمام "شرمناک جھگڑے" موقوف کر دینا چاہیے جن کے سلجھانے میں ان کا تمام قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے۔ جب تک حضرت مولانا اطمینان سے نہ بیٹھیں، اس وقت تک ہم اردو فارسی کے متعلق کوئی وعدہ نہیں کر سکتے۔" (ش ۲ سرورق کا صفحہ ۴)

لیکن اردو، فارسی اور ترکی میں مقالات کی شمولیت عزم کے باوجود عملاً ممکن نہ ہو سکی۔ شروع سے آخر تک الجامعہ کے تمام صفحات عربی کے لیے وقف رہے۔

الجامعہ کی سالانہ قیمت آٹھ روپے تھی۔ ابتدا میں ششماہی خریداری کا سلسلہ نہیں رکھا گیا تھا، لیکن نمبر ۳، ۴ (مشترکہ شمارہ) میں ششماہی خریداری کی رعایت کا اعلان بھی کر دیا گیا، جس کی قیمت چار روپے آٹھ آنے تھی۔ ایک پرچے کی قیمت آٹھ آنے تھی لیکن شمارہ ۱۰ یا اس کی دسویں اشاعت سے فی پرچہ بارہ آنے قیمت کر دی گئی تھی۔

الجامعہ البلاغ پریس۔ کلکتہ میں چھپتا تھا۔ پریس کے مینجر قاضی نور الانام تھے اور ۴۵۔ رپن لین کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔ ۴۵۔ رپن لین، ایک وسیع و عریض کوٹھی تھی جس کے اوپر کے حصے میں مولانا آزاد رہتے تھے اور نیچے کے حصے میں البلاغ پریس اور الجامعہ کا دفتر تھا۔

الجامعہ پندرہ روزہ مجلہ تھا، لیکن پندرہ روزہ الگ الگ اس کے صرف تین پرچے (نمبر ۱، ۲، ۸) ہی نکل سکے۔ اپریل ۱۹۲۳ء سے نومبر تک اس کے پانچ شمارے دو دو نمبروں کو ملا کر شائع کیے گئے اور ایک

اشاعت تین نمبروں (۵، ۶ و ۷) کی جامع تھی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ الجامعہ اگرچہ پندرہ روزہ مجلہ تھا لیکن عملاً ماہوار شائع ہوتا تھا۔ دسمبر ۱۹۲۳ء سے دو شماروں کو ملانے کا تکلف بھی ختم کر کے اُسے ماہوار کر دیا گیا۔ چنانچہ اس کے آخری چار شمارے (دسمبر ۱۹۲۳ء تا مارچ ۱۹۲۴ء) ماہوار نکلے۔

الجامعہ کی صرف ایک جلد ہے جو بیس شماروں پر مشتمل ہے لیکن اشاعت کے لحاظ سے یہ صرف تیرہ نمبر ہیں۔ اس کی ابتدائی تین اشاعتوں یا چار نمبروں کے صفحات مسلسل ہیں (صفحہ ۱ تا ۸۴) اور الگ الگ بھی۔ پانچویں شمارے سے ہر اشاعت کے صفحات الگ الگ ہی ہیں اور ہر اشاعت کے صفحات کم و بیش ہیں۔ مجموعی طور پر الجامعہ کی پوری جلد کے صفحات کی تعداد ۳۹۴ ہے۔ اس میں ٹائیٹل کے باون (۵۲) صفحات شامل نہیں۔

الجامعہ کا پہلا نمبر اپریل ۱۹۲۳ء میں نکلا تھا اور آخری شمارہ مارچ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا تھا۔ بارہ مہینوں میں صرف تیرہ پرچے نکلے اور پھر ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

الجامعہ کی اشاعتوں، شماروں، تاریخ ہائے اشاعت اور صفحات کی تفصیل یہ ہے:

اشاعت	شمارہ	تاریخ اشاعت	صفحات
۱	۱	یکم اپریل ۱۹۲۳ء	۱ تا ۲۴
۲	۲	۱۵ر " "	۲۵ تا ۵۲
۳	۳+۴	یکم و ۱۵ر مئی ۱۹۲۳ء	۵۳ تا ۸۴
۴	۵+۶+۷	یکم جون تا یکم جولائی "	۳۶
۵	۸	۱۵ر جولائی "	۲۴
۶	۹+۱۰	۳۰ر جولائی و ۱۴ر اگست ۱۹۲۳ء	۳۲
۷	۱۱+۱۲	۲۸ر اگست و ۱۳ر ستمبر "	۳۶+۲
۸	۱۳+۱۴	۲۷ر ستمبر و ۱۲ر اکتوبر "	۲۴
۹	۱۵+۱۶	۲۶ر اکتوبر و ۱۰ر نومبر "	۲۰
۱۰	۱۷	۱۰ر دسمبر ۱۹۲۳ء	۳۴
۱۱	۱۸	جنوری ۱۹۲۴ء	۲۴
۱۲	۱۹	فروری "	۳۶
۱۳	۲۰	مارچ "	۴۲

۳۹۴ (کل صفحات)

صفحات کی تعداد میں سرورق کے صفحات کی تعداد باون (۵۲) شامل نہیں ہے۔ اگر یہ تعداد بھی شامل کرلی جائے تو الجامعہ کے صفحات کی تعداد چار سو چھیالیس (۴۴۶) ہو جاتی ہے۔

ابواب وعناوین مع فہرست مضامین:

الجامعہ کے ابواب وعناوین الہلال اور البلاغ سے ملتے جلتے ہیں مضامین کی ترتیب وتالیف کا انداز بھی وہی ہے۔ یہاں اس کے مضامین ومقالات اور دیگر مشمولات کو مرتب کر دیا گیا ہے۔ مشمولات کی اس ترتیب میں بیشتر عنوانات الجامعہ ہی کے ہیں۔ ایسے مشمولات جو کسی خاص عنوان کے تحت نہ تھے انھیں بحث اور مضمون کی مناسبت سے کسی عنوان کے تحت شامل کر دیا ہے۔ پھر بھی بعض چیزوں کے اندراج کے لیے متفرقات کا عنوان قائم کیا ہے۔ انڈکس کی ترتیب کا یہ طریقہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہر پرچے کے مندرجات کو الگ الگ مرتب کیا جائے لیکن اس کے مقابلے میں یہ ترتیب زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔ مضمون کے اندراج میں پہلا نمبر شمارے کا اور دوسرا صفحے کا ہے۔ مثلاً "وصف الصحرا ۱۳:۱-۲۱-۲۴" اس میں "۱۳" الجامعہ کے شمارے کو ظاہر کرتا ہے ۲۱-۲۴ کا یہ مطلب ہے کہ یہ مضمون صفحہ ۲۱ سے ۲۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور "حرکتہ اللا تعاون السلمی" (۱) ۱۷:۱-۱۹ (۲) ۳:۲-۶ کا مطلب ہے کہ یہ مضمون دو قسطوں پر مشتمل ہے۔ پہلی قسط پہلے شمارے کے صفحہ ۱۷ تا ۱۹ میں چھپی ہے اور دوسری قسط الجامعہ کے تیسرے شمارے کے صفحہ ۲ تا ۶ میں شائع ہوئی ہے۔ مشمولات کے عنوانات عربی میں ہیں اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ ان کا موضوع اور مبحث سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی لیکن جہاں کہیں کسی وضاحت کی ضرورت سمجھی گئی وہاں اردو استعمال کی گئی ہے۔ یہ کام بنیادی طور پر اردو والوں ہی کے لیے ہے۔

مقالات افتتاحیہ:

شذرات:

المقالات:

الجوع وما فی الجوع عبد الرحمٰن نگرامی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنو) ۱۷: ۲۰-۲۲

کتاب کلیلہ و دمنہ الشہیر: بحث علمی تاریخی لعالم ہندی کبیر ۱۷:۱۸-۲۱

الارض المحرمۃ، سقف الدنیا "تبت" ۲۰: ۲۹-۳۲

الہند فی نظر العرب عبد الرحمن الشارخ (کراچی) ۹: ۱۸-۱۹

باب التفسیر:

تفسیر سورہ والتین (مقتبس من تفسیر "البیان فی مقاصد القرآن" ابو الکلام احمد (آزاد) ۱۵: ۷-۱۳

〃 〃 〃 〃 〃 〃 (۲) 〃 〃 ۱۷: ۵-۷

(تفسیر) سورۃ الکافرون علامہ عبد الحمید فراہی ۲۰: ۹-۱۴

مختارات:

موعظۃ العلماء والامراء (الذیل۔ مشتمل بر تراجم علماء و محدثین عظام از حافظ زین الدین ابن رجب) ۱۳: ۸-۹

معرقی المشاہیر۔ شیخ الاسلام ابو الوفا علی ابن عقیل البغدادی (مدیر الجامعہ کے نوٹ اور مولانا آزاد کے حواشی کے ساتھ) ۵: ۹-۱۷

اقوال۔ مختارۃ من جریدہ وادی النیل ۱۷: ۱۰

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم حافظ وہبی ۱۹: ۹-۱۶

الحجز (از وادی النیل) ۱۹: ۱۶

اقوال الجرائد العربیہ:

الجامعہ و مصر ۵: ۳۶

ملوک الجزیرۃ بفضل الانکلیز! ۹: ۳۱-۳۲

وصف الصحرا ۱۳: ۲۱-۲۴

تقریظ جریدہ "الوفاق" (جاوا) الجامعہ کی تحسین) ۱۷: ۴

شئون داخلیہ:

الحالۃ السیاسیۃ فی الہند ۳: ۳۲

الحالۃ السیاسیۃ فی الہند ۵: ۳۲-۳۵

〃 〃 〃 ۵: ۳۲-۳۵

الاحتفالات بالصلح ۹: ۲۸

الحالۃ السیاسیۃ ۹: ۲۹

خطبہ رئیس الموتمر الوطنی للجمعیۃ الوطنیۃ الکبریٰ (کانگریس کے اجلاس خصوصی کا خطبۂ صدارت ستمبر ۲۳ ۱۹ء)

(۱) ۱۱: ۲-۸ ب

〃 〃 〃 〃 〃 〃 (۲) ۱۳: ۱-۱۰

موتمر الجمعیۃ الوطنیۃ الکبریٰ (کانگریس کے خصوصی اجلاس زیر صدارت مولانا ابو الکلام آزاد پر تبصرہ) ۱۱: ۳۴-۳۶

(ملک میں سیاسی بیداری اور مسئلہ حجاز میں جمعیۃ خلافت اور جمعیۃ علماء الہند کا موقف) ۱۳ : ۱۰ - ۱۱

الحالۃ ... فی پنجاب ۱۵ : ۵ - ۶

احوال مسلمی کیرالم (ملیبار) نظرۃ فی شئون "موپلا" ا۔ک (ابوالکلام؟) ۱۷ : ۱۵ - ۱۷

فوز الوطنیین فی الانتخابات ۱۷ : ۳۴ الحضارۃ والہند ۱۸ : ۴

حول مہاتما غاندی ۱۸ : ۶ ابتلاء وطنی الکبیر ۱۸ : ۶

المقاومۃ السلبیۃ فی پنجاب ۱۸ : ۶ المیثاق الوطنی الہند ۱۸ : ۷

المسجون وسوراج ۱۸ : ۷ حزب المعتدلین یطالب بسوراج ۱۸ : ۸

المقاومۃ السلبیۃ ۱۸ : ۸ - ۹ مطالب حزب السوراجیین ۱۸ : ۹

الاسبوع : الوطنی ۱ : ۹ - ۱۲ ، ۱۸ : ۱۰ - ۱۳

زعیم الہند الکبیر و محب الانسانیہ مہاتما غاندی علی حریتہ : البلاد الہندیہ کلہا فی جذل وسرور ؛

اول منشور لمہاتما غاندی (مولانا محمد علیؒ کے نام ایک خط مع تبصرہ الجامعہ) ۱۹ : ۲ - ۴

بدأت انتصارات الوطنیہ ۱۹ : ۳۵ - ۳۶ حدیث السجن لمہاتما غاندی ۲۰ : ۱ - ۳

النزاع بین الحکومۃ الہندیہ وحکومۃ حیدر آباد ؛ صاحب السمو نظام حیدر آباد الدکن یطالب بمقاطعۃ برار (وائسرائے ہند کے نام میر عثمان علی خاں کا خط مع تبصرہ الجامعہ) ۲۰ : ۴ - ۷

حوادث محلیہ : القتل السیاسی فی کلکتا ۱۸ : ۲۳

" " : الشنق السیاسی ۲۰ : ۳۵

العالم الاسلامی :

العالم الاسلامی بماضیہ وحاضرہ ومستقبلہ ۱۳ : ۱۷ - ۲۰

اھذا الذی تریدہ العرب؟ ۲ : ۱۸ لیس ھذا ما تریدہ العرب ۳ : ۲۰

الی اخواننا فی الشام والعراق ومصر وسائر البلاد الاسلامیہ ۳ : ۷

النہضۃ الاسلامیۃ الحدیثۃ شیخ عبدالرحمٰن (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو) ۵ : ۲۵ - ۲۷

داء الشرق ودوائہ : کیف نشفی عللنا ونصلح شؤننا؟ ۱۱ : ۱۱ - ۱۲

اردن :

استقلال شرق الاردن ۸ : ۲۱ - ۲۲

افغانستان:

ملک الافغان وملک انکلیز ۱:۲۱ النہضتہ الافغانیتہ الجدیدہ ۸: ۱۷-۱۸

النہضتہ الافغانیتہ الجدیدہ (۲) ۹ : ۲۳ — ۲۴

الاتحاد الاسلامی: المعاہدۃ بین ایران وافغانستان ۱۵: ۱۷ - ۱۸

بریطانیا والافغان ۱۷: ۳۴ محاورۃ بین انکلیز والافغان ۱۸: ۱-۳

مستقبل افغانستان ۱۹: ۳۲ - ۳۳

بحرین:

حالتہ البحرین ۱۹: ۲۵ - ۲۶

ترکی:

صوت من دار الخلافتہ الاسلامیتہ: عظیم من عظماء الترک یخاطب الہنود عامہ ، دعوۃ عامتہ الی الاتحاد والاتفاق (الجامعہ کے ایک طویل نوٹ اور اس درخواست کے ساتھ کہ تمام ہندوستانی معاصرین اس کا ترجمہ شائع کریں) ۱۱: ۱۷ — ۲۰

مسئلہ خلافت ترکیہ:

یہ عنوان الجامعہ میں نہیں ہے۔ یہ مضامین مختلف ابواب وصفحات میں منتشر تھے۔ مناسب یہی معلوم ہوا کہ انھیں ایک عنوان کے تحت مرتب کر دیا جائے۔

الخلیفتہ المخلوع ومسلموالہند ۱: ۸ حرکتہ الخلافتہ ومطالبہا ۱: ۱۹

ترکیا وروسیا والخلفاء ۱: ۲۴ رایتہ الخلافتہ الجدیدۃ ۳: ۹

الیمن وحکومتہ انقرہ ۳: ۱۲ شقشقتہ الخلیفتہ المخلوع ۳: ۲۹ - ۳۱

تصلب الاتراک فی موتمر الصلح ۳: ۳۲

جلالتہ مولانا امیر المومنین والجامعہ (مدیر الجامعہ کے نام حضرت امیر المومنین کے کاتب خاص محمد شکیب حقی کا مکتوب) ۵: ۱

حول مسئلتہ الخلافتہ ۸: ۵ - ۷

زعماء حرکتہ الخلافتہ - الاخوین الشہیرین؛ شوکت علی ومحمد علی ۸: ۹ - ۱۱

"امیر المومنین" والشریف حسین ۸: ۲۲ جمعیتہ الخلافتہ والشریف حسین ۹: ۳۰

رای ترکی عظیم ۱۱: ۱۲

فرنساوی کبیر یہنئی ترکیا (جنگ میں کامیابی اور قیام صلح پر فرانسیسی ادیب کی جانب سے ترکی کو مبارکباد) ۱۱: ۲۴

المسئلة العربیة:

فلسطین:

مصر:

چین:

روم وارمن:

رومانیا:

کینیا:

افکار وحوادث:

"عجب" من اعجب العجائب ۱۸ : ۳ حالۃ البلد الحرام ۱۸ : ۴

حوادث واخبار :

کم عدد المسلمین فی العالم ؟ (ترکی، ہندوستان، عرب، افریقہ، امریکا وغیرہ میں مسلمانوں کی تعداد) ۱۱ : ۱۸-۲۹

ارض الزلازل والبراکین ۱۱ : ۲۹-۳۰ المسلمون فی الصین ۱۷ : ۱-۲

حول الزلزلۃ فی الیابان ۱۷ : ۲-۴ المعاون فی الہند ۱۷ : ۲۲

المراسلۃ والمناظرۃ :

اس عنوان کے تحت بحث وجواب طلب مراسلات درج کیے جاتے تھے۔

——— (مقالہ علامہ رشید رضا صاحب المنار پر شیخ عبدالغنی (حیدرآباد) کی تنقید) ۳ : ۲۴-۲۷

کتاب من دار الخلافۃ (مدیر الجامعہ کے نام علامہ رشید رضا کے مقالے کے بارے میں ایک خط) عمر رضا (ترکی) ۵ : ۲۷-۲۱

——— (علامہ رشید رضا کے مقالے پر نقد) بیومی البحیری (الازہر) ۹ : ۱۶

حجازی ینتقد مسلک الجامعہ ۱۹ : ۸-۹

کتاب مفتوح الی صاحب مقالہ "الحالۃ فی البلد الحرام" (ظفر الملک علوی کے بعض خیالات کے بارے میں) ۱۹ : ۸

الخلافۃ ؛ مصنعتزا لتنہوسین ع ۔ سنی ۲۰ : ۲۰-۲۲

مراسلات :

اس عنوان کے تحت ایسے مراسلات درج کیے جاتے تھے جو جواب طلب نہ ہوتے تھے اور جن پر کوئی بحث مقصود نہ ہوتی تھی۔

دعوۃ عامہ محمد امین الحسینی (مفتی اعظم فلسطین) ۵ : ۳۱-۳۲

المسلمون امۃ واحدۃ ۹ : ۱۶

کتاب مفتوح الی عموم المسلمین محمد بن محمد الفتنۃ مکی (جاوا) ۹ : ۱۷

مجلۃ عربیہ تصدر من جاوا احمد بن محمد سورکتی ۹ : ۱۷

النعرۃ الطورنیہ وصداھا : دواعیہا ومظاہرھا وتاثیرھا فی داخل ترکیا وخارجہا ۱۳ : ۱۲-۱۶

الدیتہ السیاسیہ الشریفیہ (مسئلہ حجاز اور الجامعہ کے موقف پر ایک رائے) ت۔ الکندی ۱۷ : ۱۱-۱۴

الجمہوریتہ الترکیہ عمر رضا ۲۰ : ۱۵-۱۷ کتاب من البحرین م ۔ س ۲۰ : ۴۱-۴۲

مطبوعات جدیدہ :

اشہر الخطب ومشاہیر الخطباء (موسیٰ آفندی) المرأۃ الجدیدۃ (الآنسہ ماری زیادۃ = می) مجلۃ الذخیرۃ۔

جادا (مدیر: احمد بن محمد سرکتی الانصاری) مجلتہ الحارس- بیروت (مدیر: ابین الغریب) ۲۰: ۸

متفرقات:

تہنیتہ من مصلح (علامہ رشید رضا مصری کے خط بنام مولانا ابوالکلام آزاد کا اقتباس) ۱: ۲۳

اصلاحات فی الہند ۲: ۲۴-۲۵ البحر بیادی انکلترا ! ۲: ۲۵

مسلموالہند (شعوبہم و قبائلہم) ۳: ۱۰-۱۲ وصف المسیح علیہ السلام من معاصرلہٗ ۳: ۱۶

النظرات: ـــــ (امیر شکیب ارسلان کے ایک مقالے ماخوذ المنار۔ معرکا ترجمہ ۳: ۱۷

موتمرالجمعیتہ الوطنیہ ۹: ۸ مصطفیٰ صغیر: الجاسوس الہندی الشہیر ۱۱: ۲۱-۳۲

بصائروحکم: اقوال لہاتما گاندی ۱۸: ۵

موتمر جمعیتہ الخلافتہ (مولانا شوکت علی کے خطبۂ صدارت سالانہ جلسہ مجلس خلافت کا اقتباس اور اس پر تبصرہ)

۱۸: ۱۳-۱۵

ماقررہ الموتمر (مجلس خلافت کے سالانہ اجلاس میں منظور شدہ قرار دادیں) ۱۸: ۱۶

جمعیتہ علماء الہند (مولانا سید حسین احمد مدنی کے زیر صدارت جمعیتہ علماء ہند کے سالانہ اجلاس پر تبصرہ و اقتباس خطبۂ صدارت) ۱۸: ۱۶-۲۲

نصیحتہ للشاعرۃ الہندیتہ (مسز سروجنی نائیڈو) ۲۰: ۸

سیر التعلیم فی نساء الہند ۲۰: ۸

منظومات:

نشید "اقبال" بالعربیہ (علامہ اقبال کے ترانۂ ہندی کا ترجمہ از عبدالحق الاعظمی البغدادی، استاد عربی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) ۲: ۱۹-۲۰

نشدان الشرق من عدوان اغیار الغرب	عبدالحق حقی اعظمی بغدادی	۳: ۲۸
تذکیر الامجاد و تبصیر الانجاد بواجب الاتحاد	〃 〃 〃	۸: ۱۲-۱۳
〃 〃 〃	〃 〃 〃	۱۹: ۲۹-۳۰
〃 〃 〃	〃 〃 〃	۲۰: ۲۴-۲۵
عام ۱۳۴۲ھ	〃 〃 〃	۱۷: ۲۳-۲۴
عراقی یصف حکومتہ العراق	آفندی الرصافی (عراقی)	۳: ۳۱
عقد الصلح مع الحکومتہ الترکیہ	الشاعر العربی	۹: ۸

غازی مصطفیٰ کمال پاشا، علی ذکری الفتح   شاعر بحرین شیخ سلمان بن احمد بن عباس ۱۹:۱۱-۳-۳۲

تصاویر و نقشہ جات:

مصطفیٰ کمال پاشا   ۱: سرورق، ۲: ۲۳، ۹: ۱

جزیرۃ العرب (چھٹی صدی عیسوی میں) ۱: سرورق (آخری صفحہ)، ۲: ۱۱، ۱۱: ۱

امیر المومنین محمد عبد المجید خان ۳۰:۱، ۳: سرورق

امیر امان اللہ خان (مع فخری پاشا سفیر ترکی) ۱: ۲۱، ۳: ۱

سعد پاشا زغلول ۱: ۲۲   مہاتما گاندھی ۲: سرورق د ۱، ۱۹: ۱

عصمت پاشا ۲: ۲۳، ۸: ۱   یکیر ساہی بک ۲: ۲۳

فخری پاشا (مع امیر امان اللہ خاں) ۲: ۲۳، ۳: ۱   رؤف پاشا ۲: ۲۳

نور الدین پاشا ۲: ۲۳   فیضی پاشا ۲: ۲۳

انور پاشا ۳: ۲۱   الشقیقان الزعیمان الکبیران محمد علی و شوکت علی و امہا الکریمہ ۵: سرورق

بیت اللہ الشریف ۸: سرورق   محمل مصری ۹: سرورق

جامع ایا صوفیہ ۱۳: سرورق   امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین ۱۵: سرورق وا

پیام کلکتہ

الجامعہ بند ہوجانے کے بعد مولانا نے "پیام" کے نام سے ایک روزنامہ اخبار جاری کیا اس کے ایڈیٹر بھی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی تھے۔ پیام کے فائل یا کسی پرچے کی دستیابی کا ابھی تک علم نہیں ہوسکا۔ اس لیے اس کے اجرا اور بندش کی قطعی تاریخوں کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ جہاں تک اس کی پالیسی کا تعلق ہے تو اس کی سیاسی پالیسی وہی ہوگی جو مولانا آزاد اور مولانا ملیح آبادی کا سیاسی مسلک تھا۔ اس اخبار کے بارے میں مولانا ملیح آبادی کا واحد بیان ہے جس سے اس کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ آیئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ واقعہ الجامعہ کی بندش کے بعد کا ہے۔ مولانا ملیح آبادی "پیام" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

انھی دنوں روزانہ اخبار نکالنے کی کھچڑی پکی اور "پیام" نام تجویز ہوا، لیکن مشکل یہ سامنے آئی کہ اخبار کا ایڈیٹر مجھی کو ہونا تھا، اور میں ابھی تک انگریزی پر قابو نہیں پاسکا تھا، اس لیے ایک اچھے انگریزی داں کی ضرورت تھی، جو خبروں کا ترجمہ بھی کرے، اور انگریزی اخباروں کے ایڈیٹوریل وغیرہ کا خلاصہ مجھے بروقت سنا دیا کرے۔

ابھی تک اردو اخبار ریوٹر وغیرہ خبر رساں ایجنسیوں کی خبریں نہیں لیتے تھے، اور انگریزی اخباروں سے خبریں ترجمہ کرلیا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں "نئی روشنی" (الٰہ آباد) کے ایڈیٹر، مرحوم واحد یار خاں صاحب کلکتہ میں مصیبت کی زندگی بسر کررہے تھے۔ "نئی روشنی" روزانہ تھا اور اس دور میں بہت اچھا اخبار سمجھا جاتا تھا۔ خود مولانا بھی اس کے مداح تھے۔ واحد یار خاں صاحب، اصل میں انجینیر تھے اور ان کا بیان تھا کہ الٰہ آباد ہائی کورٹ کی عمارت انھی کے ہاتھوں تیار ہوئی تھی۔ لکھ پتی تھے، مگر قومی خدمت اور اخبار نویسی کے "جنون" میں مبتلا ہوگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دولت کھو بیٹھے اور اب کلکتہ میں فاقوں پر گزر بسر تھی۔ (یہ بات بہت بعد میں معلوم ہوئی۔ نہایت اعلیٰ انسان تھے اور اپنی مصیبت ظاہر ہونے نہیں دیتے تھے)

میں نے مولانا سے مرحوم کا تذکرہ کیا، تو خلاف عادت، مولانا خوشی سے اچھل پڑے اور

فرمایا، اِن سے بہتر آدمی ملنا ممکن نہیں! فوراً معاملے کرلو۔

واحد یار خاں سے تذکرہ ہوا، تو اِس شریف آدمی نے معاوضہ قبول کرنے سے قطعی انکار کردیا اور کہا، آنریری کام کریں گے۔ میں نے اُسی وقت مولانا کو خبر کی۔ کاتب تو پہلے سے رکھے جاچکے تھے۔ طے ہوگیا کل سے اخبار نکلے گا۔

واحد یار خاں یہ سُن کر چلے گئے۔ اب رات آئی۔ بدرالدین مرحوم بیماری کی شدت سے رات بھر سوتے نہیں تھے اور میں خدمت میں مصروف رہتا تھا۔ کوئی چار بجے کا پھیرا ہوگا کہ ہم دونوں کی آنکھ لگ گئی۔ مکان کا فرش پتھر کا تھا۔ دفعتاً ایک قیامت سی برپا ہوگئی اور ہم دونوں ہڑبڑا کے اُٹھ بیٹھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ پورا ایک فوجی دستہ گھر میں گھسا چلا آتا ہے۔ یقین ہو گیا، پولیس ہے اور مولانا کو، یا مجھے، یا دونوں کو گرفتار کرنے کے لیے آدھمکی ہے۔ چٹ پٹ میں چارپائی سے کودا اور کمرے کا دروازہ کھول کر جیسے ہی باہر نکلا، اور بجلی کا بٹن دبایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ واحد یار خان چلے آرہے ہیں اور اُن کے پیچھے دو تین مزدور سروں پر چھوٹے اٹھائے ہیں!

میرے منھ سے بے اختیار چیخ نکل گئی "ارے آپ!" بات یہ تھی کہ خاں صاحب کے جوتے کے تلوں میں فوجی بوٹوں کی طرح کیلیں جڑی ہوئی تھیں اور خاں صاحب اپنی پوری قوت اور مکمل بے پروائی سے سنگی فرش پر رواں دواں تھے!

میری چیخ کے جواب میں بڑی معصومیت سے فرمانے لگے "آدمی جب کام کا ذمہ لے، تو پوری ذمہ داری اور پوری توجہ سے اُس پر ٹوٹ بھی پڑے!" عرض کیا، یہ مزدوروں پر کیا لدا ہوا ہے؟ فرمانے لگے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، اور تمام مستند ڈکشنریاں! مولانا تو تین چار بجے رات سے بیدار ہو جانے کے عادی تھے۔ یہ ہنگامہ سن کر چپکے سے گھر کی عقبی سیڑھی سے اپنے نچلی منزل کے کمرے میں آگئے اور گھنٹی بجائی۔ میں پہنچ گیا۔ نمایاں پریشانی سے پوچھا، یہ نیچے کیا قیامت برپا تھی؟ عرض کیا، واحد یار خاں کے جوتوں کی کرامت تھی! خوش ہوئے۔ کہنے لگے، بڑا مستعد آدمی ہے۔ اب اخبار کی کامیابی یقینی ہے!

صبح چھ بجے سے پہلے ہی انگریزی اخبار آگئے، اور یہ حضرت اپنے "آلاتِ حرب" انسائیکلوپیڈیا اور ڈکشنریوں سے مسلح ہوکر ایڈیٹر کے کمرے میں متمکن ہوگئے۔ اب مولانا بھی مطمئن غیر مطمئن ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ایک بڑے روزنامہ اخبار کا قابل ایڈیٹر، خبروں کا ترجمہ کررہا تھا۔ خیال کیا معنے! حق الیقین تھا کہ دس بجے دن سے پہلے ہی پورے اخبار کی

خبریں تیار ہو جائیں گی۔ مولانا، ایڈیٹوریل لکھ رہے تھے اور ریلیں نوٹ تیار کر رہا تھا۔

نو بجے ہیڈ کاتب نے آکر خبریں طلب کیں۔ میں نے کہا، واحد یار خاں سے تم نے کیوں نہ لیں؟ کہنے لگا، نہ جانے کتنی دفعہ جا چکا ہوں، مگر یہی کہے جاتے ہیں، ذرا ٹھہرو! میں نے کہا، بھائی، تم جاؤ۔ سب خبریں تیار ہوں گی۔ لے لو۔ کاتب ذرا دیر بعد پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا، وہ تو فرماتے ہیں، ابھی تک ایک خبر بھی نہیں ہوئی! اب تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ مولانا کو اطلاع دی، تو فرمایا، کاتب جھوٹا ہے۔ آپ خود جا کر دیکھیے۔

میں پہنچا، تو دیکھا، واحد یار خاں ننگے سر انتہائی پریشانی و حیرانی کے عالم میں ڈکشنریوں وغیرہ پر لوٹتے پڑے ہیں۔ عرض کیا خاں صاحب، کیا بات ہے؟ فرمایا "صاحب، عجیب وغریب مشکل سے دوچار ہوں۔ یہ دیکھیے، چین کی خبر ہے تا! اس میں دو لفظ ایسے آگئے ہیں، جو صبح سے اب تک کسی طرح سمجھ میں نہ آسکے۔ عرض کیا، کون لفظ ہیں؟ فرمایا ضرور اخباروں میں چھاپے کی غلطی ہو گئی ہے۔ یا ریوٹر سے سہو ہو گیا ہے۔ خبر میں ایک لفظ یا جملہ تو یہ ہے "سَن یَٹ سَن" اور دوسرا لفظ یا جملہ ہے "انڈر گراؤنڈ موومنٹ" آپ خود ہی بتائیے یہ سَن یَٹ سَن کیا بلا ہے اور اَنڈر گراؤنڈ مُوومنٹ، یعنی "زمین دوز حرکت" کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ انسائیکلوپیڈیا چھان ماری، تمام ڈکشنریاں کھنگال ڈالیں مگر دونوں معمّے ہنوز لاینحل ہیں!"

یہ سُن کر مجھ پر ایسی حیرت چھائی کہ نہ پہلے کبھی ہوئی تھی نہ بعد میں کبھی ہوئی۔ اس ناامیدی کا اندازہ کرنا بھی لوگوں کے لیے مشکل ہے، جس سے اِس وقت دوچار ہونا پڑا۔ سنبھل کر عرض کیا، خاں صاحب، آپ بہت تھک گئے ہیں۔ آرام کیجیے۔ چائے بھیجتا ہوں۔ مولانا کو یہ عجیب ماجرا سنایا، تو ایک لمحہ کے لیے تعجب میں پڑ گئے۔ پھر فرمایا "معلوم ہو گیا، ایڈیٹر ہونا الگ بات ہے اور مترجم ہونا الگ بات"

پھر کہنے لگے، اخباروں میں اعلان ہو چکا ہے کہ "پیام" آج نکلے گا، مگر اب کیوں کر نکل سکتا ہے؟ بڑی رسوائی ہو گی! عرض کیا، ابھی وقت ہے۔ میں خود انگریزی نہ جاننے پر خبروں کا ترجمہ کیے دیتا ہوں، اور ہوا بھی یہی۔ پانچ بجے شام سے پہلے اخبار، بازار میں پہنچ گیا، اور بہت مقبول ہوا، لیکن بعض اسباب سے اخبار چل نہ سکا اور تھوڑے ہی دنوں بعد بند ہو گیا۔ (ص ۱۲ - ۳۰۸)

پیام کے دوران اشاعت کا ایک واقعہ مولانا ملیح آبادی نے تحریر فرمایا ہے، جس کا

تعلق علامہ اقبال مرحوم سے ہے اس واقعے کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہیں۔ "ڈاکٹر اقبال، ملک الشعراء" کے عنوان سے لکھتے ہیں :

"اِس زمانے کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ مصری شاعر احمد شوقی پاشا کو عرب ملکوں نے "امیر الشعراء" کا خطاب دیا تھا۔ اِس پر مولانا کو خیال ہوا کہ ہندستان میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کو ملک الشعراء بنا دیا جائے۔ ایک دن صبح مولانا ہاتھ میں کچھ کاغذ لیے میرے کمرے میں آئے اور اپنا خیال ظاہر کیا۔ میں نے سختی سے مخالفت کی۔ متعجب ہو کر فرمایا، کیا ڈاکٹر اقبال اس خطاب کے اہل نہیں ہیں؟ عرض کیا، ڈاکٹر صاحب کے شاعرانہ کمالات کے مُعترف آپ ہیں۔ مجھے شاعری سے ذوق نہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب، محض شاعر ہی نہیں ہیں، سیاسی لیڈر بھی ہیں، اور ہم اُن کی سیاسیات کے مخالف ہیں۔ ملک الشعراء بن کر وہ سیاسی فائدے بھی اٹھا سکتے ہیں۔

مولانا، سوچ میں پڑ گئے اور میں کہتا رہا "اخبار کے مالک آپ ہیں اور جو تجویز چاہیں پیش کر سکتے ہیں، لیکن جب تک ایڈیٹر میں ہوں، اپنے ضمیر کے خلاف کسی تجویز کی حمایت نہیں کر سکتا۔ میرا نام، ایڈیٹری سے الگ کر دیا جائے۔ اِس کے بعد بھی اخبار کی خدمت جاری رکھوں گا"

یہ سُن کر مولانا نے ہاتھ کے کاغذ پھاڑ ڈالے اور فرمایا "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمیں یہ تجویز پیش نہیں کرنا چاہیے"

مولانا، بااصول اخبار نویس تھے اور اپنے اخبار کے ایڈیٹر کی رائے کا احترام کرتے تھے۔" (ص ۳۱۳ - ۳۱۲)

اس بیان سے علامہ اقبال کے بارے میں مولانا آزاد کی رائے اور عزم کا صاف اظہار ہو جاتا ہے مولانا آزاد اقبال کی شاعری سے متاثر تھے، ان کی عظمت کے قائل تھے اور وہ انھیں اس کا اہل سمجھتے تھے کہ انھیں ملک الشعراء بنایا جائے۔ لیکن مولانا ملیح آبادی کا نقطۂ نظر دوسرا تھا وہ اقبال کے شاعرانہ مقام سے محض ناآشنا تھے۔ ان کی نظر علامہ مرحوم کے سیاسی کردار پر تھی۔ ان کے بیان سے دو باتیں مولانا آزاد کے سامنے صاف صاف لفظوں میں آ گئیں :

۱۔ مولانا اپنی تجویز واپس لے لیں۔

۲۔ اگر مولانا اس سے متفق نہ ہوں تو یہ تجویز ضرور شائع کریں لیکن ادارت سے ان (ملیح آبادی) کا نام نکال دیں۔

مولانا ملیح آبادی فرماتے ہیں:

"یہ سن کر مولانا نے ہاتھ کے کاغذات پھاڑ ڈالے اور فرمایا آپ ٹھیک کہتے ہیں، ہمیں یہ تجویز پیش نہیں کرنا چاہیے"

بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ مولانا اس بات سے متفق ہو گئے تھے کہ علامہ اقبال اس سے سیاسی فائدہ اٹھائیں گے اس لیے ایسی کوئی تجویز پیش نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن خود مولانا ملیح آبادی کے تبصرے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس رائے سے متاثر نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ ایک مخلص اور قابل اعتماد ایڈیٹر کو ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ مولانا ملیح آبادی کے تبصرے کے الفاظ یہ ہیں:

"مولانا با اصول اخبار نویس تھے اور اپنے اخبار کے ایڈیٹر کی رائے کا احترام کرتے تھے"

اس تبصرے کے بعد ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اقبال کے بارے میں مولانا کی رائے نہ بدل گئی تھی بلکہ ایڈیٹر کی رائے کے احترام میں انھوں نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ لیکن ہمیں مولانا ملیح آبادی کے تعلق سے بھی سوچنا چاہیے کہ آیا واقعی یہ ان کی رائے تھی؟ آخر ۱۹۲۳ء میں جب کہ انھوں نے الجامعہ (شمارہ (۲)، بابت ۱۵ اپریل ۱۹۲۳ء) میں حضرت علامہ اقبال کے "ترانۂ ملی" کا ترجمہ خود چھاپا تھا اور اس پر اپنے ادارتی نوٹ میں علامہ مرحوم کی شخصیت اور ان کے فکر و پیغام کی عظمت اور اہمیت کا یہ کہہ کر اعتراف کیا تھا:

۱۔ ترانے کے بارے میں: من احسن الاناشید الھندیتہ الاسلامیہ

۲۔ شاعر کی شخصیت کے بارے میں: محمد اقبال شاعر الھند الکبیر والفیلسوف الشھیر وھو من خیرۃ رجال الھند والمتخرجین من کلیات اوروبا والحائزین علی شھادات علمیتہ عظیمتہ والمتوغلین فی العلوم الحدیثتہ۔

۳۔ ملک میں ان کی منزلت اور اقران و معاصرین کے بارے میں: ولہ منزلتہ کبیرۃ فی قلوب ابناء وطنہ و درجتہ سامیتہ فی زمرۃ اقرانہ"

نیز یورپ کے اہل علم کو بھی ان کی عظمت کا اعتراف تھا: فاجلہ الناس ھناک وعظموہ

۴۔ اب (۲۵ء میں) ملیح آبادی کہتے ہیں: ڈاکٹر صاحب (اقبال) کے شاعرانہ کمالات کے مبصّر آپ ہیں، مجھے شاعری سے ذوق نہیں" لیکن ۱۹۲۳ء میں علامہ مرحوم کے شاعرانہ کمال کے بارے میں انھیں نے فرمایا تھا: وہو صاحب مذہب فی الشعر ومبدع اسلوب الجدید فیہ"

۵۔ دعوت اور پیغام کے بارے میں: یدعوفی شعرہ الی تجدید الجامعتہ الاسلامیتہ واحیاء الاخوۃ الدینیتہ"

۶۔ نیز علامہ کے محاسن شعر کا تقاضا تھا کہ قارئین الجامعہ کو آیندہ بھی ان کے مطالعے سے لطف اندوز ہونے کا سروسامان کیا جائے۔

ان شخصی اور علمی وفکری اوصاف ومحامد کے اعتراف کے بعد کیا رہ جاتا ہے کہ اقبال مرحوم کو "ملک الشعراء" تسلیم نہ کرلیا جائے اور شاعرانہ کمالات کے اعتراف کی ذمہ داری مولانا آزاد پر ڈال دی جائے؟ اگر علامہ مرحوم "شاعرالہند الکبیر" تھے اگر انہیں ابنائے وطن کے دلوں میں "منزلتہ کبیرۃ" حاصل تھی اور یورپ کے لوگ بھی ان کی جلالت قدر اور عظمت علم وفکر کے معترف تھے (فاجلہ الناس ہناک وعظموہ) تو انھیں "ملک الشعراء" کیوں نہ تسلیم کرلیا جاسکتا تھا؟ ۲۳ء اور ۲۵ء کے دوران میں حالات وافکار میں کوئی ایسا انقلاب آگیا تھا کہ ملیح آبادی کی رائے علامہ مرحوم کے بارے میں بدل جاتی۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ انھیں اپنی رائے تبدیل کرلینے کا حق تھا۔

پیام کے بارے میں اس تفصیل اور مولانا ملیح آبادی کے مفصّل بیان کے باوجود یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پیام کا اجرا الجامعہ کے بند ہونے کے کتنے عرصے بعد عمل میں آیا تھا اور کتنے دن جاری رہ کر بند ہوا تھا۔ "ذکر آزاد" میں (ص ۱۵ - ۳۱۴) ۳۰ رجولائی ۱۹۲۵ء کا جو خط مولانا آزاد کا نقل ہوا ہے۔ اس میں مولانا لکھتے ہیں:

"اگر ستمبر میں کام نہ شروع ہوا تو ۔ ۔ ۔ ۔ اکتوبر سے زیادہ تاخیر نہ ہوگی۔ یہ بھی اس صورت میں کہ میں باہر جاؤں۔ ورنہ ستمبر سے اجرا لازمی ہے"[1]

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ "پیام کے اجرا اور بندش کا واقعہ ۱۹۲۵ء کے آخری تین مہینوں سے تعلق رکھتا ہے۔

---

[1] نیز دیکھیے مکاتیب ابوالکلام آزاد، مرتبہ ابوسلمان شاہجہان پوری، کراچی، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۰

احمد سعید ملیح آبادی سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار صاحب کا خیال ہے "پیام" کے نام سے مولانا آزاد کا کوئی اخبار مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں نکلا ہی نہیں۔ ان کی رائے ہے کہ اس بارے میں مولانا ملیح آبادی سے تسامح ہوا۔ ممکن ہے حقیقت یہی ہو اور آیندہ تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ لیکن جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے مولانا ملیح آبادی کی بیان کردہ تفصیلات کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے۔

الہلال (۱۹۲۷ء)
(اشاریہ مندرجات)

الہلال (۱۹۲۷ء) کا انڈکس نذر قارئین ہے۔ اس کے بارے میں چند ضروری باتیں پیش نظر رہنی چاہییں:

۱۔ یہ انڈکس انہیں عنوان کے تحت ترتیب دیا گیا ہے، جو عنوانات الہلال میں نمایاں ہوئے تھے۔ اگرچہ بعض مضامین کی صحیح جگہ کسی دوسرے عنوان کے تحت نظر آتی ہے اور ممکن ہے کوئی مضمون سہواً ہی کسی عنوان کے تحت درج ہو گیا ہو لیکن اس انڈکس میں ہر اندراج کو الہلال کے عنوان کے تحت رکھا گیا ہے۔

۲۔ اس انڈکس میں ایک دو عنوان ایسے ہیں جو الہلال میں نظر نہیں آئیں گے اور بعض طویل عنوانات کو مختصر کر کے درج کیا گیا ہے۔ مثلاً:

الف: طریقِ طباعت کے بارے میں قارئین الہلال کے جو افکار و آرا شائع ہو رہے تھے اور جن کا سلسلہ شمارہ ۵ سے شروع ہو کر آخری نمبر تک جاری رہا۔ اس کا عنوان تھا: "کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کے لیے موزوں نہیں؟" انڈکس میں اس کا اندراج "اردو طباعت" کے عنوان سے ہوا ہے۔

ب: الہلال کا ایک عنوان تھا: "مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں" اور اسی طرح کا دوسرا عنوان تھا: "مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں"۔ ان دونوں عنوانوں کے لیے "تاریخی شخصیتیں" عنوان اختیار کیا گیا ہے۔

ج: اسی طرح الہلال کی اشاعت میں تاخیر، تصویروں، مضمونوں، ٹائپ، طباعت، قیمت وغیرہ کے مسائل کے بارے میں جو اعلانات، اطلاعات یا اعتذارات چھپتے تھے۔ انھیں الگ الگ درج کرنے کے بجائے ان سب کے لیے ایک عنوان "الہلال" اختیار کیا گیا ہے۔

د: جو چیزیں الہلال میں اس کے مقررہ کسی عنوان کے بغیر شائع ہوئی تھیں۔ ان سب کو "متفرقات" کے ذیل میں درج کیا گیا ہے۔

۳: الہلال کا یہ دور صرف ایک جلد پر مشتمل ہے اور اس کا آغاز و اختتام ایک ہی سال (۱۹۲۷ء)

میں ہو گیا تھا۔ اس لیے حوالوں میں جلد کا نمبر (۱) اور سال (۱۹۲۷ء) حذف کر دیا گیا ہے۔

آثار علمیہ و خطیہ

صحیح بخاری کا ایک تاریخی صفحہ (مصححہ و در سیبۂ شیخ مجدالدین فیروز آبادی) ۶ ر ستمبر، ش ۱۴، ص ۱۰

آثار عتیقہ

محمد یحییٰ (بدایوں)

شہر رقیم کا انکشاف (۱) ۲۱ ر اکتوبر، ش ۱۸، ص ۱۱

〃 〃 (۲) ۲۸ ر 〃 〃 ۱۹، ص ۴

ولی اللہ، میر

ٹکسلا؛ ہندوستان قدیم کا ایک مکمل منظر زمین کے نیچے۔ پیروانِ بدھ کے شہر، دار العلوم اور خانقاہیں۔ ۸ ر جولائی، ش ۱/۳، ص ۲۰

از منۂ وسطیٰ میں عربی طباعت؛ اور اطباءِ یورپ ۲۲ ر جولائی، ش ۶، ص ۳

اندلس میں اسلامی تمدن کا آخری نقشِ قدم؛ کنیسۂ اسکوریال کے عربی آثار ۱۰ ر جون، ش ۱، ص ۱۲

ایک قدیم مرقع۔ خلیفہ ہارون الرشید اور فرانسیسی سفارت ۷ ر اکتوبر، ش ۱۶، ص ۵

سات عجائباتِ عالم۔ جدید علم آثار و تنقیب کی روشنی میں:

۱۔ ڈائنا کا مندر ۱۹ ر اگست، ش ۱۰، ص ۹

۲۔ مقبرہ موسولس ۱۹ ر اگست، ش ۱۰، ص ۱۱

۳۔ اسکندریہ کا منارہ ۲۶ ر اگست، ش ۱۱، ص ۸

۴۔ مشتری کا مجسمہ ۲۶ ر اگست، ش ۱۱، ص ۹

۵۔ روڈس کا عظیم بت ۲ ر ستمبر، ش ۱۲، ص ۲

۶۔ بابل کے معلق باغ ۲ ر ستمبر، ش ۱۲، ص ۳

۷۔ اہرامِ مصر ۲ ر ستمبر، ش ۱۲، ص ۴

علم الآثار ۱۲ ر اگست، ش ۹، ص ۸

علم الآثار مصر کا جدید ذخیرہ۔ فراعنۂ مصر کے عظیم ہیکل ۲۵ ر نومبر، ش ۲۳، ص ۹

احرارِ اسلام

ادبیات

اردو طباعت

---

[۱] یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ کے عہد کا ہے ۔ اس کا وہ عنوان نہیں "جو سودہ بنت عمارہ" کا ہے

[۲] ناطق کمال، بونی، شاپن اور واشنگٹن اردن کے اقوال

افسانہ

باب التفسیر

---

[1] ٹائپ کی طباعت کے بارے میں قارئین الہلال کی آرا ۱۵ر جولائی کے شمارہ ۵ سے الہلال کے آخری شمارے مورخہ ۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء شمارہ ۲۵ تک شائع ہوتی رہیں۔

حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ ۔ آیہ کریمہ "الم تر الی الذی حاج ابراہیم" کی تفسیر
مولوی محمد عبدالحق سکندر آبادی ۔ (استفسار) ۱۴ اکتوبر ش ۱۷، ص ۲

حجتہ ابراہیمی ۔ آیہ کریمہ "الم تر الی الذی۔۔۔ کی تفسیر ۔ قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال ۔

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ ۔ مولانا ابوالکلام (جواب) (۱) ۱۱ نومبر ش ۲۱، ص ۱۱
〃 〃 〃 〃 〃 (۲) ۱۸ نومبر ش ۲۲، ص ۵
〃 〃 〃 〃 〃 (۳) ۲۵ نومبر ش ۲۳، ص ۵
〃 〃 〃 〃 〃 (۴) ۲ دسمبر ش ۲۴، ص ۴

بریدِ شرق

ترکی:

مکتوب انگورہ: ٹرکی کے سیاسی، معاشی حالات ۱۰ جون، ش ۱، ص ۱۴

مکتوب قسطنطنیہ: ٹرکی کا محرم، امیر البحر بریسٹل کا بیان، انگورہ قیصریہ ریلوے، روس انگریزی جھگڑا اور ٹرکی ۱۷ جون، ش ۲، ص ۱۴

〃 〃 : دو تاریخی دشمن رو در رو (عباس پاشا علمی اور لارڈ کرومر)[1] ۲۴ جون، ش ۲، ص ۲۱

〃 〃 : استنبول اور انگورہ کی عید، خلق فرقہ سی، ٹرکی اور روس، غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا سفر آستانہ ۱۵ جولائی، ش ۵، ص ۱۹

مکتوب انگورہ: شورائے دولت ملّی تحقیق، وزیر خارجیہ کی تصریحات، مجلس قومی کا نیا انتخاب، ترکی عورت اور حق انتخاب، برطانیہ کی سازشیں، ٹرکی اور افغانستان ۲۹ جولائی، ش ۸، ص ۱۸

مکتوب قسطنطنیہ: غازی مصطفیٰ پاشا کی آمد، تاریخ کی یاد، غازی موصوف کی تقریر ۵ اگست، ش ۸، ص ۱۸

〃 〃 : نوجوان ٹرکی پر ایک نظر ۔ ٹرکی کی اجتماعی زندگی کا مطالعہ ۱۲ 〃 ش ۹، ص ۱۸

〃 〃 : غازی بر سر میں، افغانستان اور ٹرکی، بیزنطینی آثار 〃 〃 ، ص ۱۹

مکتوب آستانہ: ایشیا اور یورپ کا اتصال، ٹرکی میں اشاعت اسلام، ترکی موسیقی، مصطفیٰ کمال پاشا کا سفر ادرنہ

---

[1] خدیو مصر کے معزول جانشین عباس حلمی اور کرومر کا قسطنطنیہ کی عدالت میں آمنا سامنا۔

حجاز:

شام:

عراق وفلسطین:

مکتوبِ عراق؛ تعلیم، امیر فیصل کی ایک اخبار نویس سے ملاقات، عراقی فوج اور برطانیہ، کویت کی پنچایت اور کردستان	۱/۸ جولائی، ش ۳/۴، ص ۱۶
فلسطین کی چٹھی؛ سیاسی حالات اور حضرت یوسفؑ کی قبر کی دریافت	۱۰ جون، ش ۱، ص ۱۷
مکتوبِ فلسطین؛ جامعۂ عبرانی، موتمر قومی، مجلس تشریعی اور دیگر حالات	۲۴ جون، ش ۲، ص ۲۳
فلسطین۔ اسرائیل کے منتشر گھرانے کا اجتماع۔ صیہونی تحریک (آغاز و مقاصد) عالم گیر جنگ عالم	۱/۸ جولائی، ش ۳/۴، ص ۱۷

مصر:

مکتوبِ مصر؛ انگریزی مصری نزاع، حج براہِ مصر	۲۲ جولائی، ش ۶، ص ۱۰
〃 ؛ نئے رہنما کا انتخاب، وفد کا پیغام	۱۴ اکتوبر، ش ۱۷، ص ۱۶
〃 ؛ فقید الشرق احمد سعد زغلول پاشا	۱۶ ستمبر، ش ۱۴، ص ۱۷
〃 ؛ سعد پاشا زغلول کی زندگی پر ایک نظر	۳۰ ستمبر، ش ۱۵، ص ۱۷
مصر کی سیاسی بیداری کی تاریخ۔ مصطفیٰ نحاس پاشا مصری رہنما کی زبانی	۹ دسمبر، ش ۲۵، ص ۱۸
مکتوبِ مصر؛ مصر کی موجودہ سیاست پر ایک نظر	〃 〃 〃
〃 ؛ مصر و برطانیہ کی نزاع، لارڈ جارج لائڈ کی بے ضابطگی، محمل مصری وغیرہ	۲۴ جون، ش ۲، ص ۲۳
〃 ؛ انگریزی مصری نزاع، مصر کی ذہنی و اجتماعی ترقی	۱/۸ جولائی، ش ۳/۴، ص ۱۹
〃 ؛ مصر کے سیاسی، معاشی، علمی، تعلیمی حالات	۱۰ جون، ش ۱، ص ۱۵

شمالی افریقہ:

شمالی افریقہ۔ مراکش، ٹیونس اور الجزائر۔ فرانسیسی استعمار کے بعد	۱۱ نومبر، ش ۲۱، ص ۱۵

مشرق بعید:

مکتوبِ چین؛ چین کے بڑے سپہ سالار اور جنوبی چین کی مشہور شخصیتیں	۱۵ جولائی، ش ۵، ص ۱۹
〃 ؛ چین کے سیاسی و سماجی حالات	۲۴ جون، ش ۲، ص ۲۵

بریدِ فرنگ

اٹلی :

اٹلی کے نئے اصولِ حکمرانی ؛ مسولینی کی عجیب و غریب تقریر — ۵ راگست، ش ۸، ص ۱۷

امریکہ :

مکتوبِ امریکہ ؛ امریکہ میں تمدنی اور صناعی ترقی کا افراط اور ردِّ فعل اور عورتوں کی زندگی سے بیزاری — ۲۹ر جولائی، ش ۷، ص ۱۹

ریاست ہائے متحدہ امریکہ ؛ بین الاقوامی سیاست سے علیحدگی — ۲۶ر اگست، ش ۱۱، ص ۱۶

امریکہ میں الحاد کی مقبولیت ۔ الحادی انجمنوں کی دعوت و تبلیغ — 〃 〃 ص ۱۷

مکتوبِ امریکہ ؛ شادی کے مروجہ طریقے کے خلاف تحریک ۔ امریکہ کی دولت — ۹ر ستمبر، ش ۱۳، ص ۲۰

انگلستان :

مکتوبِ لندن ؛ فوادِ اوّل سلطانِ مصر کا لندن میں ورود اور مصر و انگلستان کے بعض معاملات — ۲۲ر جولائی، ش ۶، ص ۷

روس :

روس کا نفس پرست شاہی راہب راس پوٹین ۔ خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ — ۱۲ر اگست، ش ۹، ص ۱۵

انقلابِ روس کی جوبلی ۔ دسویں سالگرہ کا جشن — ۹ر دسمبر، ش ۲۵، ص ۹

جرمنی :

جرمنی کی چٹھی — ۲۴ر جون، ش ۲، ص ۲۶

جمہوریہ اور شاہیہ کی نئی کشمکش ۔ تاج کے لیے دو جرمن عورتوں کی مخفی جنگ — ۱۰ر جون، ش ۱، ص ۸

مکتوبِ جرمنی ؛ قیصر کی جرمنی میں واپسی، قیصر کے موجودہ خیالات وغیرہ — ۲۱ر اکتوبر، ش ۱۸، ص ۱۹

رومانیا :

حسن و عشق اور تاج و تخت [1] — ۱۰ر جون، ش ۱، ص ۱۰

---

[1] رومانیا کے وارثِ تخت کے ابتلائے عشق کی داستان ۔ اس کی محبوبہ (بیوی) کی زبانی ۔ ایک انگریز خاتون اخبار نویس کا انٹرویو ۔

فرانس :

مکتوب فرانس :	انگلستان فرانس کی کشمکش، فرانس میں شاہی رعایتہ، عورتوں کے لیے جبری فوجی خدمت اور عورتوں کے سیاسی حقوق	۱۶ر ستمبر، ش ۱۴، ص ۲
"	: بحر اٹلانٹک کو پرواز کے ذریعے عبور کرنے میں سبقت	۲۴ر جون، ش ۲، ص ۲۶
"	: فرانسیسی اولوالعزمی کی قربانی۔ کپتان نجیسر کی مفقود الخبری	۱۸ر جولائی، ش ۳/۴، ص ۹
مکتوب فرانس :	شیخ سنوسی، امریکہ کی کامیاب ہوائی مہم	۱۸ر جولائی، ش ۳/۴، ص ۲۳
	: فیلپ بینیل اور اسموئیل کروبیٹن کی صد سالہ برسیاں، عثمانی شاہزادہ برہان الدین ابن سلطان عبد الحمید خاں کی وفات	۲۲ر جولائی، ش ۶، ص ۱۰
بریدِ فرنگ :	بدنصیب کروڑ پتی۔ کیا دولت حسرت کا سبب ہے، دولت جمع کرنے کے لیے ہے یا خرچ کرنے کے لیے	۷ر اکتوبر، ش ۱۶، ص ۱۰
"	: یورپ میں ایک مشرقی درویش (طاہر بے)	۱۱ر نومبر، ش ۲۱، ص ۹
"	: مصر اور ترکی کی نسوانی تحریکات	۱۸ر نومبر، ش ۲۱، ص ۱۱
"	: ہوائی سفر کا ایک نیا تجربہ	۴ر نومبر، ش ۲۰، ص ۹
"	: اب میں مرد ہوں۔ ایک عورت کے خیالات مرد ہو جانے کے بعد	۲۸ر اکتوبر، ش ۱۹، ص ۵
"	: یورپ کا ایک نیا نقشہ۔ تجارت کی حفاظت اور آزادی کا حصار	۲۵ر نومبر، ش ۲۳، ص ۱۰
"	: علم اور مسیحی کلیسا۔ کتاب پیدائش اور تخلیق کائنات۔ برمنگھم کے بشپ کا کفر اور زندقہ	" " ص ۱۱
"	: دنیا کی مشترک اور عام زبان۔ اسپرنٹو	۲۱ر اکتوبر، ش ۱۸، ص ۴
"	: حجاز اور سمرقند	۲ر دسمبر، ش ۲۴، ص ۱۱
"	: دوسرا طوفان نوح اور کشتی جس کا نام "بیت داؤد" ہے[1]	" " ص ۱۲
"	: میڈونا ر مجسمہ کے لیے ہندوستانی نمونہ	" " ص ۱۱
"	: ترکی کی نسوانی تحریک	" " ص ۱۰

---

[1] یہودیوں کا ایک فرقہ اور اس کے عقائد

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازے پر۔ اکابر تاریخ اسلام کے مختصر وفیات: امام علی علیہ السلام ۲۴ر جون، ش ۲، ص ۱۳
〃 〃 〃 حسین بن علی علیہما السلام ۱۵ر جولائی، ش ۵، ص ۱۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃 (۲) ۲۲ر جولائی، ش ۶، ص ۱۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃 (۳) ۲۹ر جولائی، ش ۷، ص ۱۴

انسانیت موت کے دروازے پر۔ اکابر تاریخ اسلام کے مختصر وفیات، عمرو بن العاص رضؓ ۵ر اگست، ش ۸، ص ۱۳
〃 〃 〃 حجاج بن یوسف ثقفی ۱۲ر 〃 ش ۹، ص ۲۰
〃 〃 〃 امیر معاویہ بن ابی سفیان رضؓ ۲۶ر 〃 ش ۱۱، ص ۱۸
〃 〃 حضرت ابوبکر صدیق رضؓ عمر بن خطاب رضؓ عثمان بن عفان رضؓ
سلمان فارسی رضؓ امام حسن رضؓ ابو ہریرہ رضؓ سعد بن العاص رضؓ
سعید رضؓ بن عمرو رضؓ بن العاص، ربیع بن خیثم رضؓ معاویہ بن یزید بن معاویہ رضؓ
جمیل شاعر، مہلب بن ابی صفرہ، عبد الملک بن مروان، ابن القریہ،
اخطل، ابراہیم نخعی امام کوفہ، مروان بن محمد، ابوجعفر منصور، امام سفیان ثوری
عبداللہ بن عبد العزیز، سیبویہ امام نحو ۷ر اکتوبر، ش ۱۶، ص ۱۶
〃 〃 ابراہیم موصلی، عباس بن الاحنف، ہارون الرشید، ابونواس،
محمد امین، معروف الکرخی، بشیر بن المنصور ۱۴ر اکتوبر، ش ۱۷، ص ۱۹
〃 〃 امام شافعی، مامون الرشید، ابوالعتاہیہ، خلیفہ واثق باللہ،
خلیفہ منتصر باللہ، امام جاحظ، خلیفہ معتضد باللہ ۲۱ر اکتوبر، ش ۱۸، ص ۲۱
ماہ ربیع الاوّل کا اختتام اور واقعۂ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تاریخ عالم کی
عظیم ہستیاں اور داعی لا الہ الا اللہ کی عظمت ۳۰ر ستمبر، ش ۱۵، ص ۱۹
مرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟ مومن و منکر کا ایک دلچسپ مکالمہ ۱۰ر جون، ش ۱، ص ۲۰

تاریخ وعبر

تاریخی شخصیتیں

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں؛ قائدینِ فکر: سید جمال الدین اسد آبادی ۲۶ راگست، ش ۱۱، ص ۶

〃 〃 〃 〃 : مصطفیٰ فاضل پاشا اور اس کا لائحہ اصلاحیہ ۷ راکتوبر، ش ۱۶، ص ۶

〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 〃 (۲) ۱۴ راکتوبر، ش ۱۷، ص ۱۳

〃 〃 〃 〃 : مدحت پاشا۔ شہید حریت و دستور ۲۱ راکتوبر، ش ۱۸، ص ۱۶

〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 〃 (۲) ۲۸ راکتوبر، ش ۱۹، ص ۱۴

〃 〃 〃 : مدحت پاشا کے خطوط۔ قید خانہ طائف سے عزیزوں کے نام ۴ ر نومبر، ش ۲۰، ص ۱۳

〃 〃 〃 : مدحت پاشا۔ شہید حریت و دستور ۱۱ ر نومبر، ش ۲۱، ص ۱۳

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں: انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ: والٹیر ۲۹ رجولائی، ش ۷، ص ۴

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں: انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ: جان جاک روسو ۵ راگست، ش ۸، ص ۷

〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 (۲) ۱۲ راگست، ش ۹، ص ۱۰

〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 (۳) ۱۹ راگست، ش ۱۰، ص ۲

تفریح و ترویجِ فکر

بعض مشہور آدمیوں کے لطیفے ۱۰ رجون، ش ۱، ص ۲۳

خواطر و سوانح

زندگی پر آخری نظر: ایک کروڑپتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟ ۲۶ راگست، ش ۱۱، ص ۲۳

میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک لمحہ۔ فرانسیسی اخبار نویس۔ فرانسس ڈیلیزی ۵ راگست، ش ۸، ص ۲۰

میری اخباری زندگی کا ایک صفحہ۔ موسیو کلیمان و وٹیل ۱۰ رجون، ش ۱، ص ۲۸

〃 〃 ۔ موسیو گسٹن شیرد ۲۴ رجون، ش ۲، ص ۲۷

بیسویں صدی کے آدم خور گروہ 〃 〃 ص ۲۸

طالب علم جس کی عمر ۷۸ برس ہے! 〃 〃 〃

سیر فی الارض

عالم شرق و اسلام

عالم مطبوعات و صحائف

پروفیسر ہنیوار کی یاد داشت کتب 〃 〃 ص ۲۳
دنیا کا جدید ترین شہر؛ آسٹریلیا کا نیا دار الحکومت ۲ر ستمبر، ش ۱۲، ص ۱۷
نہایت الارب (شہاب الدین احمد نویری) اور مسالک الابصار (ابن فضل اللہ العمری) ۱۰ر جون، ش ۱، ص ۱۹
مذہب اور دنیائے جدید (پروفیسر وہائٹ ہڈ) 〃 〃 〃
تاریخ کبیر ذہبی (شمس الدین الذہبی) پریم (رایچ کے گورڈن)، آشور اور بابل کی
نئی تاریخ (ڈی ڈی لکنیل)، قدیم ہندوستان میں سانپ کی حیثیت (ڈاکٹر کے ووجل)
تجہیز و تکفین کی فضول خرچیاں (پی ایس پکل) ۲۴ر جون، ش ۲، ص ۱۸
لوزان کی آیندہ مسیحی کانفرنس، ٹرکی کی جدید مردم شماری، آزادی پر دنیا کی نئی نظر
(سر ہربرٹ سیموئیل)، جدید روس کا جدید تمدن (مسی ایچ ہر فورڈ) ترک اور نسل ابراہیمی، امریکہ
کے شامی اور استقلال شام، پارہ کا فوری علاج ۲۴ر جون، ش ۲، ص ۱۹
انسان کا مستقبل، مشتری کے بارے میں تازہ معلومات ۹ر دسمبر، ش ۲۵، ص ۲۰
صناعی آنکھ جو رات کی تاریکی میں دیکھتی ہے، زلزلے سے پہلے اس کا اعلان،
صناعی آفتاب کیا چاند تک پہنچنا ممکن ہے؟ امریکہ سے یورپ، دو گھنٹے میں ۲ر دسمبر، ش ۲۴، ص ۱۹
پرنس یوسوبوف کا اعتراف، روسی راہب راسپوٹین کا قتل، برطانوی شہنشاہیت
کا تنزل، جاپان میں اخبارات کی حیرت انگیز ترقی، ہنسی۔ ایک علمی اور نفسیاتی بحث ۲۵ر نومبر، ش ۲۳، ص ۱۷
روح۔ سائنٹھ اطباء عصر کے مباحث ۲۸ر اکتوبر، ش ۱۹، ص ۱۳
عظیم الشان قوام ستارہ، تاریخ کا سب سے بڑا سوانگ۔ مجلس اقوام کے بارے میں
ایک امریکی اخبار نویس کے خیالات، جنون کے بارے میں ایک نیا نظریہ، حیوانات کی عمر ۱۸ر نومبر، ش ۲۲، ص ۱۸
شام و فلسطین کے فرقے (از مسٹر چارلس لیوک) ۳۰ر ستمبر، ش ۱۵، ص ۱۱

مختارات

عورت اور اتفاق ۱۹ر اگست ۱۹۳۰ء، ش ۱۰، ص ۱
علما کی خوش مزاجی، بادشاہوں کو ہدیہ، عورت کی طاقت (از اناتول فرانس) ۷ر اکتوبر، ش ۱۶، ص ۴
اخبار نویسی (اقوال مشاہیر) ۹ر ستمبر، ش ۱۳، ص ۱۲
حب ذات کس میں زیادہ ہے۔ مرد میں یا عورت میں؟ ۳۰ر ستمبر، ش ۱۵، ص ۷

مذاکرۂ علمیہ

مراسلات

لکھنو سے ایک انگریزی روزنامہ کا اجرا		۱۲ر اگست، ش ۹، ص ۲۱
ایک جواب طلب مراسلہ۔ دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ؛		
اسلام اور سزائے قتل۔ (صرف مراسلہ مولانا آزاد کے تمہیدی نوٹ کے ساتھ)		۹ر ستمبر، ش ۱۳، ص ۱۶
اسلام اور سزائے قتل۔ دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ۔		
(جواب از مولانا ابوالکلام)	(۱)	۷ر اکتوبر، ش ۱۶، ص ۱۹
" " " " "	(۲)	۱۴ر اکتوبر، ش ۱۷، ص ۱۷
" " ایک ناتمام مبحث کی تکمیل	(آخری قسط)	۹ر دسمبر، ش ۲۵، ص ۲۱

مطبوعات جدیدہ

استحضار و مخاطبات روح (از سر کونن ڈائل)		۱۹ر اگست، ش ۱۰، ص ۴
ایک صدی قبل ایک مغربی خاتون (لیڈی اسٹن ہوپ) کی مشرقیت		
"اٹھارھویں صدی میں مغرب و مشرق کا اتصال"		۱۵ر جولائی، ش ۵، ص ۳
"پان یورپین تحریک" اور امن عالم (از کاونٹ رچرڈ کوڈ ہنو کیلرگی)		۲۹ر جولائی، ش ۷، ص ۱۲
رستم بن رضا۔ نپولین کا چرکسی غلام اور معتمد		۲۵ر نومبر، ش ۲۳، ص ۲
سفیروں کا استقبال (جرمنی کی ایک کتاب کے عربی ترجمے سے)		۲۸ر اکتوبر، ش ۱۹، ص ۸
شخصی آزادی (الحریۃ الشخصیہ)		۱۶ر ستمبر، ش ۱۴، ص ۶
علم الآثار مصر (از احمد بک کمال) قدیم مصری عقاید۔ معاد اور حشر و نشر		۲۲ر جولائی، ش ۶، ص ۱۲
" " "	(۲)	۲۹ر جولائی، ش ۷، ص ۳
عذر ۱۸۵۷ء[1] تصویر کا دوسرا رخ (از ایڈورڈ ٹامسن مترجمہ محمد علی وکیل ایبٹ آباد)		۲ر ستمبر، ش ۱۲، ص ۱۸
" " "	(۲)	۹ر ستمبر، ش ۱۳، ص ۱۴
" " "[1]	(۱)	۲ر دسمبر، ش ۲۴، ص ۱۷
" " جلیانوالہ باغ کا قتل عام	(۲)	۹ر دسمبر، ش ۲۵، ص ۱۲

[1] یہ مضمون بھی ایڈورڈ ٹامسن کی کتاب کا بعض اجزا کا ترجمہ ہے۔

مقالات

طٰہٰ حسین، ڈاکٹر

ادب عربی اور جدید مصری مباحث؛ لیلیٰ مجنوں (مع تعارفی نوٹ از الہلال) ۱۹ر اگست، ش ۱۰، ص ۱۵

〃 〃 〃 (۲) ۲۶ر اگست، ش ۱۱، ص ۳

عبد اللہ خاں (مصری)

—— ابن بطوطہ کی سیاحت ۔ ایشیائی تاریخ میں اس کا مرتبہ ۴ر نومبر، ش ۲۰، ص ۶

آخری ملوک سلطانِ مصر (۱۵۱۱ء میں وینس کی ایک سفارت مصر کے چشم دید حالات ۹ر دسمبر، ش ۲۵، ص ۳

جدید مذہب روحی ۲ر دسمبر، ش ۲۴، ص ۷

〃 〃 (۲) ۹ر دسمبر، ش ۲۵، ص ۲

ڈاک کی تاریخ ۳۰ر ستمبر، ش ۱۵، ص ۱۲

علم اور دین ۔ کیا فی الحقیقت علم اور دین دو محارب فریق ہیں؟ ۹ر ستمبر، ش ۱۳، ص ۶

علم اور کلیسا کا معرکہ ۔ کلیسائی جہل وجمود کے بعض تاریخی حقائق ۲۱ر اکتوبر، ش ۱۸، ص ۲

علم الاجتماع ۳۰ر ستمبر، ش ۱۵، ص ۸

〃 (۲) ۷ر اکتوبر، ش ۱۶، ص ۲

〃 (۳) ۱۴ر اکتوبر، ش ۱۷، ص ۴

عہد انقلاب اور شخصی استبداد ۔ شخصی مطلق العنانی؛ دنیا کی موجودہ سیاست پر ایک سرسری نظر ۹ر ستمبر، ش ۱۳، ص ۴

کیا قانون کی نکتہ چینی، قانون کی توہین ہے؟ تاریخ قانونِ مدینہ کا ایک صفحہ؛ وکٹر ہیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں ۹ر ستمبر، ش ۱۳، ص ۸

〃 〃 〃 (۲) ۱۶ر ستمبر، ش ۱۴، ص ۴

مستشرقین اور استشراق ۔ عربوں اور اہل یورپ کے علائق ۱۱ر نومبر، ش ۲۱، ص ۴

مقرر یا سیاس؟ سیاست سے پہلے تربیت ۲ر ستمبر، ش ۱۲، ص ۹

الہلال

ابوالکلام

افتتاحیہ: (۱۹۱۲ء۔ الہلال کی اشاعت سے ۱۹۲۷ء تک حالات پر ایک نظر) ۱۰ر جون، ش ۱، ص ۲

〃 الہلال کا تیسرا دور (۱۹۲۷ء) ۲۴ر جون، ش ۲، ص ۲

اطلاع ضروری[1] (از مینجر الہلال) 〃 〃 ، ص ۱

〃 (از مینجر۔ الہلال کی اشاعت میں بے قاعدگی) ۸ر جولائی، ش ۳/۴، ص ۳

〃 (از مینجر۔ بہ سلسلۂ تاخیر اشاعت الہلال) ۱۲ر اگست، ش ۹، ص ۲۱

〃 (〃 الہلال کی خریداری کے پیسے وی پی کے بجائے منی آرڈر کے لیے ہدایت) ۱۹ر اگست، ش ۱۰، ص ۷

〃 (الہلال بک ایجنسی، لاہور کا الہلال کلکتہ سے کوئی تعلق نہیں) ۲۶ر اگست، ش ۱۱، ص ۲۰

〃 (الہلال پریس کے مشین روم کی مرمت، الہلال میں مولانا آزاد کے مضامین کی اشاعت کا مسئلہ اور مولانا کی معروفیت تالیف ترجمہ و تفسیر قرآن م ۱۶ر ستمبر، ش ۱۴، ص ۱۹

〃 (الہلال کے پچھلے نمبروں سے متعلق) ۱۴ر اکتوبر، ش ۱۷، ص ۸

〃 مولانا ابوالکلام کی علالت

اعتذار (الہلال کی متوقع اشاعت میں تاخیر اور اسباب تاخیر)

اعتذار (الہلال کی مطلوبہ تصاویر کی عدم تیاری) ۱۴ر اکتوبر، ش ۱۷، ص ۷

اعلان ۱ قارئین الہلال کے لیے (نئی جلد کے آغاز کا مسئلہ) ۹ر دسمبر، ش ۲۵، ص ۲۴

〃 ۲ (۱۲ء اور ۲۷ء میں اشیائے طباعت کی قیمتوں کا فرق اور الہلال کی قیمت) 〃 〃 〃

الہلال (توسیع حلقۂ اشاعت کی ضرورت) ۱۸ر نومبر، ش ۲۲، ص ۱۰

〃 〃 〃 ۲۵ر نومبر، ش ۲۳، ص ۵

الہلال کی تصاویر (عدم تیاری پر معذرت) ۷ر اکتوبر، ش ۱۶، ص ۱۲

---

[1] الہلال کے تیسرے بجز سے مضامین کے اضافے، تصاویر کے اہتمام اور مصر و جرمنی سے ٹائپ کی فراہمی کی اطلاع۔

متفرقات

اقوال، اخبار، اقتباسات و تراجم

